

تیری چاہ میں

فروا خالہ

لاہور سینٹرل جیل کی بلند و بالا درودیوار پر ڈھلتے سورج کی کرنیں بکھری وہاں کی اُداسی اور بوجھل سی خاموشی میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔ جہاں کئی قیدی اپنے جرموں کی قید کاٹتے اپنی سزا ختم ہونے کے منتظر تھے۔

”ماننا پڑے گا تمہیں۔ اتنی کم خوراک کے باوجود تم نے اپنے کسرتی جسم کو کیسے فٹ رکھا ہوا ہے۔“

اس وقت جیل کے اس کمرے میں چار قیدی موجود تھے۔ اتنے سال ایک ساتھ ایک ہی جگہ بند رہ کر اُن کے درمیان بہت محبت اور بھائی چارہ قائم ہو چکا تھا۔ فرش پر پڑی سخت سی میلی چٹائی میں دو لوگ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ جبکہ اُن کے عین سامنے کچھ ہی فاصلے پر ہتھیلیاں اور پیروں کے پنجے زمین پر ٹکائے سیاہ بنیان میں پسینے سے شرابور اپنی کمر پر ستر کلو کے نوجوان کو بیٹھائے وہ پیشاپس لگانے میں مصروف تھا۔ اپنے سامنے بیٹھے شخص کی بات پر اُس کے چہرے پر ہلکی سی تلخ مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کے وہ بات کا جواب دیتا جیل کے باہر آکر کھڑے ہوتے جیلر کی آواز پر وہ سب اُس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

”کیا ہوا جیلر صاحب آج بے وقت کی انٹری۔ سب خیریت تو ہے نہ۔“

دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے شایان نے حیرت کا اظہار کرتے کہا تھا۔ کافی عرصہ گزر جانے کی وجہ سے اُن کی آپس میں اچھی سلام دعا ہو گئی تھی۔

”ہاں ہاں سب خیریت ہی ہے۔ ابہتاج لغاری ملاقات آئی ہے تمہاری۔“

جیلر کی غیر یقینی بات پر کسرت کرتے ابہتاج کے بازو ایک پل کے لیے ساکت ہوئے تھے۔ مگر پھر فوراً ہی لب بھینچتے اُس نے اپنا کام جاری رکھا تھا۔

”مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ میرا بارے میں کسی کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

سرد تاثرات اور ہر احساس عاری پتھر یلے لہجے میں کہتے اُس نے وہاں موجود باقی افراد کو بھی اپنی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”وہ تمہاری رہائی کی تاریخ پوچھ رہے تھے۔“

جیلر بھی اچھے سے واقف تھا کہ پچھلے چھ سالوں سے اُس کے گھر والے ایک یا دو بار سے زیادہ نہیں آئے تھے۔ اِس لیے اِس خوبرونو جوان سے اُسے ایک الگ قسم کا لگاؤ تھا۔ اُس کی وجہہ شخصیت کا اندازہ قیدیوں کے یونیفارم میں ملبوس بڑھی ہوئی شیو کے باوجود لگایا جاسکتا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا خود میں جکڑ لینے والا سحر موجود تھا۔ جو مقابل کو خود بخود ہی اپنے رعب میں لے آتا تھا۔ اُس کے بات کرنے کا انداز اور رکھ رکھاؤ اُس کا کسی اچھے خاندان سے ہونے کا پتا دیتے تھے۔ اِس سب کے باوجود اُس کا یہاں ہونا دیکھنے والوں کے دلوں میں بہت سے سوال پیدا کر دیتا تھا۔ جن کا جواب دینا ابہتاج لغاری نے کبھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔

”کہنا اب تا عمر رہائی ممکن نہیں میری۔“

ابہتاج کی بات پر وہ گہرا سانس خارج کرتا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

”ایک بار مل تو لیتے۔“

باقی سب تو اُس کے تاثرات دیکھ کر خاموش ہی رہے تھے۔ جبکہ اُس کے اوپر بیٹھے آصف کے منہ میں ہمیشہ کی طرح کھلی ضرور ہوئی تھی۔ جس کا جواب ابہتاج نے اگلے ہی لمحے اُسے زمین پر پٹختے ہوئے دیا تھا۔

”آہ ظالم شخص میری کمر توڑ دی۔۔۔۔۔“

آصف کمر پر ہاتھ رکھتے کڑا ہتے ہوئے بولا۔ جبکہ باقی دونوں کا قہقہہ برآمد ہوا تھا۔

”تمہاری بکو اس کا اس سے اچھا جواب اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔“

ابہتاج تولیہ سے اپنا پسینہ سے شرابور چہرہ اور گردن خشک کرتے ہوئے بولا۔

اُن سب سے وہ بہت اچھے سے بات کرتا تھا۔ مگر ان چھ سالوں میں اُنہوں نے ایک بار بھی اُسے ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں ناچتی وحشت کبھی کبھی اُنہیں بھی خوفزدہ کر دیتی تھی۔

وہ چاروں اس جیل میں ہفتوں کے فرق سے تقریباً آگے پیچھے ہی آئے تھے۔ پچھلے چھ سالوں سے وہ ایک دوسرے کے مشکل وقت میں سائے کی طرح ساتھ بنے رہے تھے۔ اگر کوئی ایک بیمار ہوتا تھا تو باقی سب کی رات آنکھوں میں کٹتی تھی۔ وہ سگے رشتوں سے بڑھ کر ایک دوسرے کو عزیز ہو چکے تھے۔ سب نے اپنے یہاں آنے کی وجہ اور اپنے غم شیر کیے

تھے۔ جنہیں ابہتاج نے سن کر اُنہیں بانٹنیں کی پوری کوشش کی تھی۔ مگر کبھی اپنے دل کا حال نہیں بتایا تھا۔ نہ ہی اُن کے

بہت پوچھنے کے باوجود یہاں آنے کی وجہ بتائی تھی۔ گھر والوں کے نام پر ہمیشہ اُس کاری ایکشن ایسا ہی ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے اب اُنہوں نے پوچھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

”اللہ کرے آج پھر اُس آئی جی کی بیٹی آئے تمہیں ملنے۔ پچھلی بار پانچ گھنٹے گھور کر گئی تھی۔ اس بار دس گھنٹے بعد جائے۔ تمہاری وہ سڑی ہوئی شکل دیکھنے کا اپنا ہی مزا ہے۔“

آصف اپنی کمر توڑوانے کے بعد بھی باز نہیں آیا تھا۔ باقی سب ابہتاج کی سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے اُس سے کم ہی مذاق کرتے تھے۔ مگر آصف ابہتاج کے زیادہ کلوز تھا۔ جس کی وجہ سے وہ کوئی بھی بات بنا سوچے سمجھے اُسے بول دیتا تھا۔ آصف کے چچا نے اُس کے بھائی کا قتل کر کے اُسے جھوٹے کیس میں پھنسا کر جیل بھیج دیا تھا۔ جس صدمے کی وجہ سے وہ یہاں آکر ہر وقت چپ چاپ ایک کونے میں پڑا رہتا ہے۔ ابہتاج نے اُس کی حالت پر ہمدردی محسوس کرتے اُس کا بہت خیال رکھا تھا۔ اُسی کو کوشش کی وجہ سے آصف زندگی کی طرف واپس لوٹ آیا تھا۔ ابہتاج نے دل میں یہی ارادہ باندھ رکھا تھا کہ یہاں سے نکل کر اُسے سب سے پہلے آصف کا انصاف دلانا تھا۔

دوسری جانب اُن کے ساتھ موجود شایان اور فرحان عادی مجرم تھے۔ چوری چکاری، ڈاکا ڈالنا اور پیسہ لے کر لوگوں کو پیٹنا یہی کام تھا اُن کا۔



فاران رائل ریسٹورنٹ میں اس وقت کافی رش لگا ہوا تھا۔ یہ ریسٹورنٹ شہر کے رونق میلے اور شور شرابے سے دور ایک نہایت ہی پرسکون سی لوکیشن پر بہت ہی خوبصورت انداز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ مکمل لکڑی سے تیار کیا گیا یہ ریسٹورنٹ دیکھنے والوں کو اپنی جانب متوجہ ضرور کر دیتا تھا۔ لکڑی کے بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہوتے منفرد قسم کے رنگ برنگ پھولوں کی کیاڑیوں کے درمیان اُسی طرح کے مختلف رنگوں کے پتھروں کی روش تھی۔ روش کے دونوں اطراف گراؤنڈ موجود تھا۔ جہاں پر لکڑیوں کی بہت ہی منفرد سی بغیر ہینڈ والی کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ اُس رنگوں بھری خوبصورت پتھروں کی روش کو طے کرتے سامنے ہال کا بڑا سا دروازہ تھا۔ جبکہ باہر کی طرف ہی دائیں جانب سے اُپر جاتیں لکڑی کی بنیں سٹائلس سی سیڑھیاں تھیں۔ جہاں پر اسپیشل اینجمنٹس برتھ پارٹیز یا چھوٹے موٹے فنکشنز کیے جاتے تھے۔ یہ ریسٹورنٹ اپنی خوبصورت بناوٹ سے لے کر لذیذ کھانوں تک ہر چیز میں اپنی مثال ایک تھا۔ اس لیے ایک بار آنے کہ بعد لوگ اکثر یہاں پائے جاتے تھے۔ چاہے وہ کتنے ہی ماڈرن کیوں نہ ہو یا پھر تھوڑی سی تنخواہ پر گزارہ کرنے والا معمولی پرائیویٹ ملازم۔ یہاں کے کھانے ہر طرح کے لوگ افورڈ بھی کر سکتے تھے۔ اور کھانے کے معیار پر اپر کلاس ماڈرن لوگوں کو کبھی کوئی اعتراض بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔

”ہر ٹیبل پر ڈیلیوری ٹھیک سے ہو رہی ہے؟“

ریسٹورنٹ کا مینجر قاسم ویٹرز کے ہیڈ کے قریب آکر ارد گرد پورے ہال پر نگاہ دوڑاتے ہوئے بولا۔

”جی سر۔ سب کچھ اچھے سے منیج ہو رہا ہے۔“

زاہد ویٹرز کو ہدایت دینے کے ساتھ ساتھ اُسے جواب دیتے ہوئے بولا۔ ادھر سے مطمئن ہو کر وہ شام کو ہونے والے فنکشن کی ڈسکشن کر رہے تھے۔ جب ایک زوردار آواز کے ساتھ پورے ہال میں سناٹا چھا گیا تھا۔ ویٹرز لے کر جاتے سامنے سے آتی کسی عورت سے ٹکرا گیا تھا۔ اُسی کے نتیجے میں ٹرے سمیت اُس میں سبے تمام برتن اور کھانا زمین بوس ہو چکا تھا۔

”اندھے ہو کیا۔ دیکھائی نہیں دیتا تمہیں۔ میری قیمتی ساڑھی برباد کر کے رکھ دی۔“

وہ درمیانی عمر کی عورت انتہائی سٹائلش اور قیمتی ساڑھی میں ملبوس فل میک اپ کیے اپنی عمارت اچھی طرح واضح کر رہی تھی۔ جو س کے کچھ چھینٹے ساڑھی پر گر جانے کی وجہ سے وہ بے انتہا غصے کا شکار ہوتی چلائی تھی۔

”ایکسیکوز می میم۔۔۔۔۔ وی آر ریبل سوری۔۔۔“

قاسم جلدی سے بھاگتے اُن کے قریب آیا تھا۔

”سوری کا کیا مطلب ہے۔ میرا ایک لاکھ کا نقصان کر دیا۔۔۔۔۔ کہاں ہے اس ریسٹورنٹ کا اونر بلاؤ اُسے۔ کیسے جاہل

لوگوں کو رکھا ہوا ہے کام پر یہاں۔“

وہ عورت غیض و غضب کی تصویر بنی اُس ویٹرز کو مار دینے کے درپے لگ رہی تھی۔ ریسٹورنٹ میں موجود باقی تمام لوگ بھی اس جانب متوجہ ہوتے اس ڈرامے سے بہت ڈسٹرب ہوتے لگ رہے تھے۔

”کہا ہے اونر اس ریسٹورنٹ کا۔“

وہ عورت قاسم پر چلاتے بولی۔ جب اُس نے بائیں جانب سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آتی لڑکی کی جانب اشارہ کیا تھا۔

بلیک کلر کے سادہ سے سوٹ میں شیفون کا باریک کڑا ہی والا دوپٹہ بہت ہی سلیقے سے سر پر اوڑھے سفید ملائی جیسے دودھیا پیروں میں بلیک کھسے پہنے وہ دھیمی چال چلتی قریب آرہی تھی۔ اُس عورت سمیت کتنے ہی لوگوں کی نظریں اُس حُسن و سادگی کے پیکر پر جم سی گئی تھیں۔ اُس کے ہونٹوں پر سچی دلفریب سی نرم مسکراہٹ اُس کے پرکشش چہرے کو مزید دلکش بنا رہی تھی۔

”میم میں پر سنی آپ سے اِس ناخوشگوار واقعہ کے حوالے معذرت کرتی ہوں۔ یہ سب غیر ارادی طور پر ہوا اِس میں کسی کی کوئی غلطی نہیں ہے۔“

بہت ہی مہذب لہجے میں چہرے پر پرو فیشنل سی مسکراہٹ سجائے وہ سامنے کھڑی خاتون سے مخاطب تھی۔ جس نے اپنی ایک لاکھ کی ساڑھی پر پڑنے والے چند چھینٹوں کی وجہ سے اُس کے پورے ریسٹورنٹ کا ماحول خراب کر کے رکھ دیا تھا۔

”تو تمہارے مطابق اِس ویٹر نے جو مجھ پر ڈرنک گرائی ہے۔ اُس میں میری غلطی ہے۔“

ریسٹورنٹ کی اونر کو دیکھ پہلے جہاں اُس عورت کے تاثرات ٹھیک ہوئے تھے۔ وہی اُس کی بات سن کر وہ پھر سے بھڑک اُٹھی تھی۔

”میم میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ جب یہ ٹکراؤ ہوا تو میں وہاں اوپر کھڑے سب دیکھ رہی تھی۔ ویٹر پورے دھیان میں ہی آرہا تھا۔ پیچھے سے کسی کے پکارنے پر وہ رکا تھا۔ جب آپ فون پر بات کرتیں بنا آگے دیکھ کر چلتیں غلطی سے ویٹر سے ٹکرا گئیں۔ اِس سب کے باوجود میں اور میرا سٹاف آپ سے معذرت کر چکے ہیں۔ اِس لیے بہتر ہو گا کہ آپ یہ سب ختم کر دیں۔ باقی لوگ ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔“

وہ لڑکی بہت ہی شائستہ لہجے مگر صاف لفظوں میں بولتی اُس عورت کو اُس کی غلطی واضح کر گئی تھی۔

”تم جانتی بھی ہو تم کس سے بات کر رہی ہو۔ گلشن آرانام ہے میرا۔ ایک جھٹکے میں تمہارا یہ ہوٹل بند کروا سکتی ہوں۔ ابھی اور اسی وقت اپنے اس ویٹر کو نوکری سے فارغ کرو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔“

گلشن بیگم کے لیے تو یہ بات اب عزت بے عزتی کا مسئلہ بن چکی تھی۔ اُس کی دھمکی پر سامنے کھڑی ریسٹورنٹ کی اوئر سلیمن حبیب تو بالکل ویسے ہی نرم تاثرات لیے کھڑی رہی تھی۔ مگر اُس کے پیچھے کھڑا اُس کا منیجر قاسم غصے سے آگے بڑھا تھا۔ مگر سلیمن نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے ریلیکس رہنے کو کہا تھا۔ اُس کے ایک اشارے پر ہی قاسم کے قدم وہیں جم گئے تھے۔

”میم مجھے اپنے سٹاف میں کس کو رکھنا ہے اور کس کو نہیں یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اگر آپ خواہ مخواہ ایشو بنا کر کچھ بھی کرنا چاہتی ہیں تو آپ کی مرضی۔“

سلیمن اُس خاتون کی دھمکی کے باوجود نہایت مہذب لہجے میں جواب دیتی واپس پلٹ گئی تھی۔

”بھولوں گی نہیں میں اس بے عزتی کو۔ گلشن آرا کے ساتھ اس طرح پیش آنے کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ ایک معمولی ویٹر کی وجہ سے تم نے میرے ساتھ ایسے بات کی۔“

وہ عورت واپس پلٹتی سلیمن کو غصے بھرے لہجے میں وارن کرتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

سلیمن بنا اس بات کا زیادہ نوٹس لیتی سر جھٹکتی کاؤنٹر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

”میم آتم سوری میری وجہ سے آپ کو اتنی باتیں سننی پڑیں۔ مگر آپ یقین۔۔۔۔۔“

چھوڑی زمرہ داری سنبھال لی تھی۔ پورے ریسٹورنٹ کو اپنی قابلیت کے بل بوتے پر اُس نے آج اس مقام پر پہنچا دیا تھا۔
جس میں قاسم علی نے اُس کا پورا ساتھ دیا تھا۔



”دل میں اب بھی کہہ رہی ہوں سوچ لو۔ بڑی اماں کو پتا چل گیا تو بہت مشکل ہو جائے گی۔“
سویرا اُسے مسلسل روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ جبکہ اُن کے پیچھے آتی لائبریری اور صوفیہ کے چہرے کے تاثرات بھی
کچھ ایسے ہی تھے۔

”تم لوگوں کو کس بات کی ٹینشن ہے۔ میرے ساتھ ہوتے تم لوگوں کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُن کا سارا نزلہ مجھ پر گرنا
ہے۔ ہڈیاں ٹوٹیں گی تو صرف میری۔“

دل آویز اُن سب کو ڈرا دیکھ فخریہ انداز میں بولی تھی۔ وہ چاروں دن کے اڑھائی بجے تپتی دوپہر میں دبے پاؤں ذکر یا منزل
سے نکل کر مین گیٹ کے بجائے دائیں جانب بنے چھوٹے سے دروازے کی جانب بڑھی تھیں۔ جو زیادہ تر لاک رہتا تھا۔ مگر
آج دل آویز نے بہت ہی ہوشیاری سے اس دروازے کی چابیاں اپنی سگی خالہ اور باقی سب کی پھوپھو رقیہ بیگم جن کو گھر کے
سب بچے بڑی ماں کہہ کر پکارتے تھے کے کمرے سے اٹھالائی تھی۔

ذکر یا منزل کے بالکل برابر میں ہی بہت بڑے رقبے پر باغ بنایا گیا تھا۔ جہاں مختلف پھلوں کے درخت لگے ہوئے تھے۔ مگر کافی ٹائم سے وہاں ہوتے کام کی وجہ سے انہیں وہاں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ٹیرس سے کھڑے ہو کر نجانے کتنے دنوں سے وہ آم کے درخت پر لگی کیریوں کو لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ آج دوپہر میں سب کے سونے کے بعد آخر ہمت کر کے انہوں نے کیریوں سے لطف اندوز ہونے کا پلان بنا ہی لیا تھا۔ مگر اب اُس طرف جاتے اُن لوگوں کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ لیکن دل آویز اتنے آگے آ کر اب واپس پلٹنے کی بے وقوفی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"دل اُسی بات کی تو ٹینشن ہے غلطی ہم سب کی ہوگی۔ اور بڑی ماں سے ڈانٹ صرف تمہیں پڑے گی۔ ابھی دو دن پہلے بھی تو تمہیں کتنی بڑی طرح ڈانٹ کر تمہارا دو ٹائم کا کھانا بند کر دیا تھا انہوں نے۔ چھوڑو، ہمیں نہیں کھانے آم تم واپس چلو۔" صوفیہ دل آویز کو لاک کھول کر آگے جاتا دیکھ فکر مندی سے بولی تھی۔

"یار کتنی ڈرپوک ہو تم لوگ۔ اور اللہ جی نے یہ دوکان اسی لیے دیئے ہیں۔ تاکہ ایسی باتیں ایک سے سن کر دوسرے سے نکال دی جائیں۔ اور رہی بات کھانا بند کرنے کی۔ تو بھلا ایک منٹ بھی تم لوگوں نے مجھے بھوکا رہنے دیا۔ میری طرف دونوں ٹائم کا کھانا پہنچا دیا نا۔ اس بار بھی ایسے ہی کرنا۔ پر پلیز اس وقت میرا بہت دل کر رہا ہے۔ کیریاں کھانے کو۔ آج ہی مزدور نہیں ہیں کل سے پھر انہوں نے آجانا ہے۔"

دل آویز تیز تیز بولتی اپنی بے فکری سے اُن تینوں کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔
"دل تمہارا واقعی کچھ نہیں ہو سکتا۔"

وہ لوگ جلدی سے باغ کے احاطے میں داخل ہوتی درختوں کے پیچھے چھپتی آگے بڑھی تھیں۔

”واؤ! نہیں تو دیکھ کر ہی میرے منہ سے پانی آگیا ہے۔“

دل آویز آم کے درخت کے قریب پہنچتے خوشی سے چہکتے ہوئے بولی تھی۔ اُسے ایسی کھٹی چیزیں بہت پسند تھیں۔ جن کی وجہ سے اکثر اُس کا گلا اتنا خراب ہو جاتا تھا کہ آواز بھی نہیں نکل پاتی تھی۔ مگر اُس کو کسی کام سے روکنا آسان نہیں تھا۔ ہر وقت ڈانٹ کھانے کے باوجود وہ اپنی کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

اگلے ہی لمحے دل آویز اور سویرا بند روں کی طرح اُچھلتیں درخت کے اوپر چڑھ چکی تھیں۔ دونوں نے مل کر ٹہنیاں ہلاتے زمین پر کیریوں کی برسات کر دی تھی۔ جس کے بعد صوفیہ اور لائے انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کرتیں سارے آم اپنے دوپٹے میں ڈالنے لگی تھیں۔

”اوہ نو۔ مجھے لگتا ہے کوئی اس طرف آرہا ہے۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔“

قریب سے آتی قدموں کی آواز پر اُن کے چہروں کے رنگ اڑ چکے تھے۔

”تم دونوں بھاگو یہاں سے۔ میری کیریاں نہیں پکڑی جانی چاہئیں۔“

درخت سے اُترتی دل آویز کو اس وقت بھی اپنی کیریوں کی فکر تھی۔ لائے اور صوفیہ جلدی سے ساری کیریاں سمیٹتی وہاں سے نکل گئی تھیں۔

”کیا کر رہی ہو تم دونوں یہاں۔“

سویرا کے بعد دل آویز درخت کی نچلی ٹہنی سے چھلانگ لگاتی سامنے کھڑے شخص کے قدموں کے قریب جا گری تھی۔

”دیکھا جس کی جہاں اوقات ہوتی ہے۔ وہ وہی پہنچتا ہے۔“

تقی دل آویز کو اپنے قدموں میں گر تادیکھ طنز یا لہجے میں بولا تھا۔

”تقی بھائی پلیز آپ کسی کو مت بتائیے گا ورنہ ہمیں بہت ڈانٹ پڑے گی۔“

سویرا اپنے چچا زاد تقی کو وہاں آتا دیکھ ملتتی لہجے میں بولی تھی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے چھچھورے لوگوں کی منتیں کرنے کی۔ اسے کہنے سے تو زیادہ بہتر ہے میں خود جا کر کر بڑی ماں کو بتا دوں۔“

تقی کے الفاظ دل آویز کو زہر سے بھی بُرے لگے تھے۔ جس کا وہ اُسے اچھی طرح جواب دیتی سویرا کا ہاتھ تھامے وہاں سے نکل گئی تھی۔

اُس کی بات پر تقی کا چہرہ غصے سے لال ہوا تھا۔ جبکہ سویرا اب آنے والے وقت کا سوچتی افسوس سے سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

اُسے کسی نے کچھ نہیں کہنا تھا۔ مگر دل آویز کو کسی نے چھوڑنا نہیں تھا۔

”بہت پر نکل آئے ہیں تیرے دل بی بی۔ اب تو کاٹنے ہی پڑیں گے۔“

تقی اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے بولتا اُن کے پیچھے بڑھ گیا تھا۔ ابھی اُسے بڑی ماں سے دل آویز کو بے عزت کروا اپنی زندگی کا سب سے پسندیدہ منظر بھی تو دیکھنا تھا۔



”پھوپھو جان اس سب میں صرف دل کا قصور نہیں ہے۔ ہم تینوں بھی اُس کے ساتھ تھیں۔ آپ اسے اتنا کیوں ڈانٹ رہی ہیں۔“

سویرا رقیہ بیگم کو دل پر بُری طرح برستادیکھ روہانے لہجے میں بولی۔
”تم چپ کرو۔ اسی نے ہی تم لوگوں کو ہر وقت اُلٹے سیدھے کاموں پر لگایا ہوتا ہے۔ تلقی کے ساتھ بھی کتنی بد تمیزی کی ہے اس نے۔ بالکل اپنی ماں پر گئی ہے۔ بے حیا بے شرم۔۔۔۔۔ جیسے وہ بھاگ گئی ہے ویسے ہی اس نے بھی ایک دن بھاگ جانا ہے۔ ہمارے منہ پر کالک مل کر۔ خبردار جو تم لوگ آئندہ مجھے اس کے ساتھ نظر آئیں۔ تم لوگوں کے دماغ بھی خراب کر دے گی۔ یہ آوارہ ماں کی آوارہ بیٹی۔“

رقیہ بیگم سویرا کے بولنے پر اُس کے بجائے واپس دل پر برسی تھیں۔ جو خاموشی سے سر جھکائے اُن کی ساری باتیں بے تاثر چہرے کے ساتھ سن رہی تھی۔ رقیہ بیگم کے اتنے سنگین الفاظ بھی اُس کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں لائے تھے۔ جو بات رقیہ بیگم کو زیادہ غصہ دلادیتی تھی۔

وہ ہر بار دل آویز کو ہرٹ کرنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اُس کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی پر نجانے کیا کچھ نہیں کہتی تھیں۔ مگر اُس نے کبھی پلٹ کر جواب دینا تو دور کی بات یہ ظاہر تک نہیں کیا تھا کہ وہ اندر سے دکھی ہو رہی ہے یا نہیں۔

”پھوپھو جان آپ اب زیادتی کر رہی ہیں۔ بات کیا تھی اور آپ اُسے کہاں تک لے کر جا رہی ہیں۔ دل نے تلقی بھائی سے کوئی بد تمیزی نہیں کی۔ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔“

سویرا اُن کے ہتک آمیز لہجے پر خود کو کچھ بولنے سے روک نہیں پائی تھی۔ وہاں موجود لائبریری اور صوفیہ کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ تقی رقیہ بیگم کے قریب صوفیہ پر بڑے سکون سے بیٹھ کر دل کو بے عزت ہوتے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ گھر کے باقی لوگ ڈرائنگ روم میں ہوتے اس ڈرامے سے بے نیاز اپنے معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔ یہ سب تو روز کا ہی معمول تھا۔ دل کی ہر روز کسی نہ کسی سے بے عزتی ہونا لازم تھی۔ آج رقیہ بیگم سے توکل بڑی ممانی فاخرہ بیگم سے اور پرسوں کسی اور سے۔ بچپن سے یہ سب ہوتا آرہا تھا وہ اب عادی ہو چکی تھی۔ اُس کے لیے حیرت انگیز بات تب ہوتی تھی۔ جب کوئی ایک دن بنا بے عزت ہوئے گزر جاتا تھا۔

"میں زیادتی کر رہی ہوں۔ شکل دیکھو زرا اس لڑکی کی۔ زرا اسی بھی ندامت ہے اس کے چہرے پر۔ ہر بار غلطی کر کے ایسے کھڑی ہو جاتی ہے۔ جیسے اس سے زیادہ معصوم اس دنیا میں کوئی نہیں۔ مگر میں اس دھوکے میں آکر اس کی غلطی معاف نہیں کروں گی۔ اگلے دو دن نہ تم کا لُج جاؤ گی۔ نہ ہی تمہیں ایک وقت کے کھانے کے علاوہ کچھ ملے گا۔ وہ بھی ایک روٹی اور دال سے زیادہ کچھ نہیں۔ رشیدہ اس کو اس کے کمرے میں بند کر کے تالا لگا کر چابی مجھے دو۔ میں بھی دیکھتی ہوں۔ اس تک کھانا کیسے پہنچایا جاتا ہے۔ اس بار عقل اس لڑکی کی ٹھکانے نہ آئی تو میرا نام بھی رقیہ نہیں۔"

رقیہ بیگم سفاکیت کی انتہا کرتی دل کی جانب حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔ جیسے اُس نے کوئی بہت ہی بڑا گناہ کر دیا ہو۔

دل نے اُن کی اس قدر نفرت پر سر اٹھا کر اُن کی جانب دیکھا تھا۔ دل کے چہرے پر ہر وقت ایک شرارتی سی مسکراہٹ رہتی تھی۔ مگر اُس کی بھوری معصومیت سے لبریز خوبصورت گول مٹول آنکھوں میں ہر وقت ایک ویرانی سی چھائی رہتی

تھی۔ جن میں کبھی بھی خوشی یا مسکراہٹ کی زرا سی جھلک بھی دیکھائی نہیں دیتی تھی۔ دل کا چہرہ ہی اُس کا بھرم رکھے ہوئے تھا۔ جس کی ہنسی بھی اِس گھر کے بہت سارے لوگوں کو کھٹکتی تھی۔

”چپ کرو ڈفر تمہارے بولنے سے میری سزا میں اضافہ ہو جائے گا۔“

سویرا کو دوبارہ منہ کھولتا دیکھ دل نے اُسے کُہنی مارتے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی۔ اُس کی وجہ سے سویرا رقیہ بیگم سے بدتمیزی کرے۔

”خالہ امی کی دوائی اُس سیکنڈ نمبر والے دراز میں رکھی ہے۔ کھانے سے پہلے اُنہیں لازمی دینا۔ وہ اکثر بھول جاتی ہیں۔“
دل رشیدہ کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھتے پلٹ کر سویرا کو نہایت عام سے لہجے میں ہدایت دیتی وہاں سے نکل گئی تھی۔
جبکہ رقیہ بیگم کو اُس کی یہ بات اُس کے لیے دل میں نرم گوشہ پیدا کرنے کے بجائے مزید آگ لگا گئی تھی۔
”دیکھا کیسے چھوٹی سی بات کا احسان جتنا کر گئی ہے۔ اِس کو پال پوس کر بڑا کیا ہے ہم نے۔ آج تک اِس بات کا احسان نہیں جتایا۔ نکلی نا آخر ماں کی طرح خود غرض۔“

رقیہ بیگم جلتی کڑھتیں واپس اپنی کرسی پر جا بیٹھی تھیں۔ وہ تینوں افسوس بھری نظروں سے اُن کی جانب دیکھتیں باہر نکل گئی تھیں۔ قصور اُن کا بھی اتنا ہی تھا۔ مگر اُن سے کسی نے پوچھا تک نہیں تھا۔ اور دل کو اتنی بڑی سزا سنائی گئی تھی۔



”صبا آپ چلی جائیں آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ میرا بس تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔ میں کچھ دیر میں نکلتی ہوں۔“

سُلین اپنی سیکرٹری صبا کو جانے کا کہتی واپس فائل پر جھک گئی تھی۔ ریسٹورنٹ کی ٹائمنگ ختم ہو چکی تھی۔ مگر وہ کچھ دنوں بعد یہاں ہونے والے ایک سیمینار کے حوالے سے کام کر رہی تھی۔ یہ فنکشن بہت بڑے پیمانے پر آرینج کیا جانا تھا۔ اس لیے سُلین آج کل کافی زیادہ مصروف تھی۔

”صبا باقی سب چلے گئے نا۔“

سُلین نے کسی خیال کے تحت اُسے پکارا تھا۔

”یس میم باقی سب تو چلے گئے۔ مگر قاسم سر ابھی یہیں موجود ہیں۔“

دروازے کے قریب پہنچتے صبا نے پلٹ کر جواب دیا تھا۔ جسے سن کر سُلین گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

”اُنہیں میرے آفس میں بھیج دیں۔“

سُلین کی بات پر صبا سر ہلاتے باہر نکل گئی تھی۔

”یس میم آپ نے بلایا مجھے۔“

اگلے پانچ منٹ میں قاسم سر جھکائے اُس کے سامنے موجود تھا۔

”آف ٹائم سے ایک گھنٹہ اوپر ہو چکا ہے۔ آپ گئے کیوں نہیں ابھی تک۔“

سُلین کرسی کی پشت سے کمر ٹکاتی قاسم کو گھورتے ہوئے بولی۔ اُس کے نہ جانے کی وجہ سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ مگر

پھر بھی پوچھنا ضروری سمجھا تھا۔

”میم کافی دیر ہو چکی ہے۔ یہاں پر صرف ایک چوکیدار ہی موجود ہے۔ مجھے جانا مناسب نہیں لگا۔“

ہاتھ باندھے سر جھکائے وہ نہایت مؤدبانہ لہجے میں مخاطب تھا۔ اُس کی بات سن کر سُلین اُسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ شاید اس وقت دنیا میں یہ واحد شخص ہی تھا۔ جسے اُس کی اتنی فکر تھی۔ مگر سُلین یہ سب نہیں چاہتی تھی۔

”مگر میں کہہ رہی ہوں۔ آپ جاسکتے ہیں۔ آپ کی ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔ میرے لیے ڈرائیور موجود ہے۔“

سُلین کا لہجہ ہنوز تھا۔

”او کے میم۔۔۔۔۔“

سُلین کی بات کا انکار کرنا قاسم علی نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ ایک نظر اُس کی جانب دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتا باہر نکل گیا تھا۔

اُس کے جاتے ہی سُلین فائل بند کرتی چیئر کی پشت پر سر ٹکاتی آنکھیں موند گئی تھی۔

اچانک زندگی نے اُسے بالکل اکیلا کر دیا تھا۔ اُس کا سب سے اہم رشتہ اُس کے بابا اُس کے پاس ہوتے ہوئے بھی نہیں تھے۔ ایک آنسو ٹوٹ کر اُس کے دوپٹے میں جذب ہوا تھا۔

اپنا پرس اٹھاتی وہ باہر نکل آئی تھی۔ قاسم کا آفس خالی دیکھ سُلین کو زیادہ حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ پورچ میں اپنی گاڑی کی جانب بڑھتے سُلین کی نظر کچھ فاصلے پر کھڑی قاسم کی گاڑی پر پڑی تھی۔ جس کے بند شیشے دیکھ کر بھی سُلین اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ اندر اُسی کے انتظار میں بیٹھا ہے۔

"یار آخر ہمیشہ دل کے ساتھ سب بڑے اتنا غلط کیوں کرتے ہیں۔ نفیسہ پھوپھو نے جو بھی کیا۔ اُس کی سزا دل کو کیوں دی جا رہی ہے۔ وہ بھوک کی اتنی کچی ہے۔ چار گھنٹے ہو چکے ہیں اُس نے کچھ نہیں کھایا۔ اب کیا کریں ہم۔"

صوفیہ نم آنکھوں سے اُن دونوں کی پریشان صورت دیکھتے ہوئے بولی۔ اُنہوں نے بھی سب کے بلانے کے باوجود ڈنر نہیں کیا تھا۔

"سب سے کتنا پیار کرتی ہے وہ۔ کتنا خیال رکھتی ہے۔ اگر تھوڑی شرارتی ہے تو ہم بھی اُس کے برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اتنی بڑی سزا بھلا کونسے گھر والے دیتے ہیں۔"

لاٹہ کمرے میں مسلسل چکر کاٹتے بے چینی سے بولی تھی۔ وہ چاروں ہم عمر ہونے کی وجہ سے آپس میں بہت کلوز تھیں۔ ایک پل بھی اُن کا ایک دوسرے کے بغیر گزارا ممکن نہیں تھا۔ دل آویز اُن کو بہت عزیز تھی۔ ہمیشہ اُس کی خاطر وہ تینوں ہی اپنے گھر والوں سے لڑتی آئی تھیں۔

ابھی وہ اسی سوگ میں گم تھیں۔ جب ٹیرس سے آنے والی زوردار آواز پر وہ تینوں دہل گئی تھیں۔

"یہ کیسی آواز ہے۔"

سویرا حیرت زدہ سی ٹیرس کی جانب بڑھی تھی۔ وہ دونوں بھی متحسّس سی اُس کے پیچھے گئی تھیں۔ مگر ٹیرس کا نظارہ دیکھ اُن تینوں کا منہ کھل چکا تھا۔ دل زمین پر بیٹھی اپنی ہتھیلیاں سہلا رہی تھی۔

”تم۔۔۔۔۔ تم کہاں سے آئی۔۔۔“

وہ تینوں آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہی تھیں۔

”آسمان سے ٹپکی ہوں۔۔۔۔۔ ظاہر سی بات ہے یا اپنے ٹیرس سے ہی کود کر یہاں آئی ہوں۔ مجھے اٹھاؤ اور جلدی سے اپنے روم کا دروازہ بند کرو۔“

دل اُن کو ہونق بنا دیکھ گھور کر بولی تھی۔ جب ہوش میں آتے صوفیہ جلدی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ دونوں کمروں کے ٹیرس کے درمیان دو فٹ کا فاصلہ تھا۔ جسے عبور کرنا دل آویز کے لیے زیادہ بڑی بات نہیں تھی۔

”تم لوگ رو رہی تھی۔“

دل اُن کی اُتری صورتیں دیکھ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

”تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ پھوپھو بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ تم سے بڑا ڈھیٹا اس پوری دنیا میں کوئی نہیں ہے۔“

اُس کے مذاق اڑانے پر لائبرے جل کر بولی تھی۔ دل کو ہنستا مسکراتا اپنے سامنے دیکھ اُن کی پریشانی اڑن چھو ہو چکی تھی۔

”مجھے اپنی ڈھیٹائی پر فخر ہے۔ اب اس سب کو چھوڑو اور میری کیریاں نکالو۔“

دل کو اس وقت بھی صرف اپنی کیریوں کی ٹینشن تھی۔ وہ سب اُس کا وہی بے فکری بھرا انداز دیکھ مسکرا دی تھیں۔ دل

آویز کی زندہ دلی سے وہ سب ہی بہت متاثر تھیں۔ اُن کے مطابق اگر اُن میں سے کسی کو صبح شام ایسی باتیں برداشت کرنی

پڑتیں تو وہ نجانے کیا کر چکی ہوتیں۔ مگر دل اس سب کے باوجود نہ صرف خود ہر وقت ہنستی رہتی تھی۔ بلکہ اُنہیں بھی

ہنساتی رہتی تھی۔

”واؤ مز ا آگیا۔۔۔۔“

کیریوں سے لطف اندوز ہوتے وہ کھکھلاتے چہرے سے بولی تھی۔

ابھی وہ اس طرف سے فارغ ہوئی ہی تھیں۔ جب دروازے پر ہونے والی دستک نے اُن سب کے ہوش اُڑا دیئے تھے۔

”اوہ نو۔ کہیں پھوپھو کو پتا تو نہیں چل گیا تم یہاں ہو۔“

صوفیہ فٹ ہوتے چہرے سے بولتی اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔

”نہیں چلا ہو گا پتا۔ تم لوگوں نے کھانا نہیں کھایا نا۔ اس لیے ٹینشن ہو گی سب کو۔ اب جو بھی دینے آیا چپ کر کے لے لینا۔“

دل پر دے کے پیچھے چھپتی اُنہیں ہدایت دیتے بولی۔

”ہو نہہ تمہیں ہفتہ ہفتہ بھوکا رکھ سکتے ہیں۔ اور ہمارے ایک ٹائم کا کھانا نہ کھانے سے اتنی پر اہم ہو رہی ہے۔“

سویر اپنے گھر والوں کے اس دو غلے پن پر بڑبڑاتی دروازہ کھول گئی تھی۔

”آپی آپ۔۔۔۔۔“

سویر ادروازے کے عین درمیان میں کھڑے ہوتے زمین کو کھانے کی ٹرے پکڑے دیکھ باقی سب کو بھی سنانے کے لیے

زرا اونچی آواز میں بولی۔

”ہٹو آگے سے۔ یہ کیا ڈرامہ لگا رکھا ہے تم لوگوں نے۔ کھانا سے مسلسل کیوں انکار کر رہی ہو۔“

زمین اُسے خوشنمگی نظروں سے گھورتی پرے دھکیلاتی اندر داخل ہوئی تھی۔

”کیونکہ دل کو پھوپھو نے بلا وجہ کمرے میں بند کر رکھا ہے۔ اور کھانا بھی نہیں دے رہیں۔ تو اس لیے ہمیں بھی نہیں کھانا۔“

لا بُہ منہ پھلائے ناراضگی سے بولی تھی۔

”جیسے دل میڈم کمرے میں بند ہیں۔ ویسے ہی تم لوگ بھی کھانا کھاؤ۔ کسی کو تمہاری یہ بھوک ہڑتال ختم کرنے کا نہیں بتاؤں گی۔“

نزمین ہلتے پردے کو دیکھتی طنزیا لہجے میں بولی۔

”کیا مطلب آپ۔ اور آپ یہ چار لوگوں کا کھانا کیوں لائی ہیں۔“

صوفیہ نزمین کے چہرے کے تاثرات دیکھ سوالیہ لہجے میں بولی۔

”بڑی بہن ہوں تم لوگوں کی۔ رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم تو باہر نکلو شرارتی بندریا۔“

نزمین دل کو کان سے پکڑ کر پردے کے پیچھے سے نکالتے ہوئے بولی۔ نزمین ڈوپلیکیٹ کیز لے کر پہلے اُس کے کمرے میں ہی اُسے کھانا دینے گئی تھی۔ جسے وہاں نہ پا کر وہ سارا معاملہ سمجھ گئی تھی۔

”اُوئی۔۔۔ آپی درد ہو رہا ہے۔ اُتارنے کا ارادہ ہے کیا۔ بناکان کے کتنی بُری لگوں گی میں۔“

دل اپناکان چھڑواتے چلائی تھی۔ اُس کی ایکٹنگ پر باقی سب کے چہروں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”میں جانتی تھی۔ میری پیاری آپا مجھے بھوکا نہیں رہنے دیں گی۔ یہ پاگل ایسے ہی بھوک ہڑتال کر کے بیٹھی ہیں۔ شکر ہے

آپ کھانا لے آئیں۔ اب تو چوہے پیٹ میں اودھم مچا رہے تھے۔“

دل زمین کا گال چومتی کھانے کے قریب جا بیٹھی تھی۔

اُن چاروں کوندیدوں کی طرح کھانے پر ٹوٹا دیکھ زمین مسکراتی باہر نکل گئی تھی۔

”تم جانتی ہو پرسوں سفیان بھائی آرہے ہیں۔“

سویرا کی بات پر دل کا منہ کی جانب نوالہ لے جاتا ہاتھ وہی رُکا تھا۔ چہرے پر خوبصورت سے رنگ بکھرے تھے۔

”واقعی۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“

دل فوراً کھانے سے ہاتھ روکتی ایکسائیٹڈ ہوتے بولی۔

”دیکھو سفیان بھائی کا نام سنتے ہی کیسے اِس کے چہرے کا بلب روشن ہوا ہے۔ اُنہی کی آمد کی وجہ سے ہی۔ تمہیں صرف دو

دن کے لیے نظر بند کیا گیا ہے۔ ورنہ بقول پھوپھو جان کے جتنی بڑی غلطی کی ہے تم نے۔ تمہیں ہفتے کے لیے سزا ملنی

چاہئے تھی۔“

لا بُہ اُس کی خوشی دیکھ چھیڑتے ہوئے بولی۔

مگر دل کا دھیان ہی کہاں تھا اب اُس کی باتوں کی جانب۔ اُس کی خوشی کا تو لیول ہی بدل گیا تھا۔ پورے دو مہینے بعد سفیان

واپس لوٹ رہا تھا۔ جاتے ہوئے سفیان نے اُس سے وعدہ کیا تھا۔ اِس بار وہ ضرور گھر والوں سے اُن دونوں کے بارے میں

بات کرے گا۔ دل آویز کو اُمید تھی۔ وہ ہر بات کی طرح یہ بات بھی گھر والوں سے منوالے گا۔



”زندگی بھی انسان کے ساتھ کیسے کیسے کھیل کھیل جاتی ہے۔ کبھی نہیں سوچا تھا۔ کہ ایم بی بی ایس کے فائنل ایئر میں پہنچنے کے بعد میرے ہاتھ میں ڈگری کی جگہ ہتھکڑیاں پہنادی جائیں گی۔“

آصف یاسیت بھرے لہجے میں بولا تھا۔ آج پھر اُس پر اُداسی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

”تو تمہیں کہا کس نے تھا۔ زندگی اور دنیا والوں سے اتنی اُمیدیں وابستہ کرنے کو۔ دونوں ہی اِس کائنات کی سب سے زیادہ بے وفا چیزیں ہیں۔ انسان کو چاہیے اِس معاشرے میں رہنے کے لیے خود کو ایسا پتھر بنالے کہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے فرق ہی نہ پڑے۔ اور نہ ہی کسی قسم کے خواب و خواہشیں رکھنی چاہئیں۔ ہر کی تکلیف سے بچنے کا آسان حل ہے۔“

ابہتاج کے گھمبیر بے حسی بھرے لہجے پر وہ تینوں اُس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ اتنے سالوں میں پہلی بار اُس نے اپنی سوچ واضح کی تھی۔

”ہر انسان تم جیسا پتھر دل تو نہیں ہو سکتا۔“

اُس کے الفاظ پر شایان نے کھوجتی نظروں سے اُس کا چہرہ اڑھنے کی کوشش کرتے دل کا حال جاننا چاہا تھا۔

”ٹھیک کہا۔ اِس مقام تک پہنچنے کے لیے بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ جو ہر ایک کے دل گردے کا کام نہیں۔“

ابہتاج لغاری کی آنکھوں میں وہی تلخ مسکراہٹ ابھری تھی۔ جو مقابل کو خوفزدہ کر کے رکھ دیتی تھی۔

”ابہتاج لغاری کل کوٹ میں پیشی ہے تمہاری۔ مبارک ہو تمہاری بقیہ سزا تقریباً معاف ہو چکی ہے۔ کچھ دنوں تک تم ان

سلاخوں سے آزاد ہو جاؤ گے۔“

جیلر کی اطلاع پر وہ سب اُس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ سب کے چہرے خوشی سے جگمگا اٹھے تھے۔ اُن میں سے کسی کو تو رہائی نصیب ہو رہی تھی۔ مگر ابہتاج پتھر یلے تاثرات سمیت سلاخوں کے قریب جیلر کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

”کس نے کیا ہے یہ سب۔“

لب بھیجے وہ بھسم کرتے لہجے میں بولا تھا۔ اپنے گھر والوں کا احسان وہ مر کے بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔

”میں نے۔ کیا مجھ پر بھی اعتراض ہے تمہیں۔“

جانی پہچانی آواز پر ابہتاج نے نظریں گھما کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ جہاں کھڑے شخص کو دیکھ اُس کے چہرے پر موجود غصہ غائب ہوا تھا۔

”پاشا تم۔۔۔ تو تم نے اپنا کہا پورا کر دیکھایا۔“

ابہتاج اُس کی جانب سے بڑھایا گیا ہاتھ تھامتے اب اپنی پہلے والے انداز میں واپس آچکا تھا۔

”پاشا کیسے باہر سکون سے رہ سکتا تھا۔ جب اُس کا یار اس قید میں بند ہو۔ بس ایک دو دنوں کی بات ہے۔ پھر تمہیں ان سلاخوں کے بغیر گلے لگا سکوں گا۔“

پاشا کے لہجے میں ابہتاج کے لیے بے پناہ پیار تھا۔ کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ کہ اتنا بڑا گینگ لیڈر نمبر ون غنڈہ کسی کے لیے ایسے جذبات بھی رکھ سکتا ہے۔

پاشا ابہتاج کے ساتھ دو سال یہاں قید رہا تھا۔ پاشا کو کوٹ سے پیشی کے بعد واپسی پر ایک پلاننگ کے تحت مارنے کی سازش کی گئی تھی۔ جو اُس کی خوش قسمتی سے ابہتاج نے پولیس والوں کو باتیں کرتے سن لیا تھا۔ ابہتاج کی مدد اور اپنی حاضر دماغی

کی وجہ سے پاشا اُن کی ہی پلاننگ کا فائدہ اُٹھاتے وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ پولیس والے اور باقی سب یہی سمجھتے تھے۔ تصادم کے دوران گاڑی کھائی میں گرنے کی وجہ سے پاشا مر چکا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ زندہ تھا۔ اور آج بھی بدل کر ابہتاج سے ملنے آیا ہوا تھا۔ اُس کی کوششوں کی وجہ سے ہی ابہتاج کی مزید چودہ سال کی سزا معاف ہو گئی تھی۔

”تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ خطرہ ہو سکتا ہے تمہارے لیے۔“

ابہتاج کا فکر مند لہجہ بھی اپنے اندر ایک سختی سمیٹے ہوئے تھا۔

”تمہاری وجہ سے ہی تو یہ دوسری زندگی ملی ہے۔ تم پر تو پاشا کا سب کچھ قربان ہے۔“

پاشا درمیانی عمر کا سانولی رنگت کا مالک تھا۔ ابہتاج کی سحر انگیز شخصیت سے وہ ہمیشہ مرعوب نظر آتا تھا۔

”احسان اُتارنا چاہتے ہو۔“

ابہتاج اُس کی جانب طنز یا نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”بھائیوں میں کیسا احسان۔ ایک پل میں پرایا کر دیا تم نے۔“

پاشا اُس کے اجنبی لہجے پر خفا ہوا تھا۔ مگر پھر خود ہی سنبھل گیا تھا۔ وہ ابہتاج لغاری کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ جو

بات ہی ایسے کرتا تھا جیسے پتھر کھینچ مارا ہو۔ اس لیے اُس کی باتوں کا بُرا مان کر بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اُسے کونسا فرق پڑنا

تھا۔



”کیا ہوا۔ اندر سب ٹھیک ہے۔ یہ سب اتنے پریشان کیوں ہیں۔“

سب بڑوں کو پریشان حال ڈرائنگ روم میں جمع دیکھ وہ آپس میں استفسار کرتیں حیرت سے گویا ہوئی تھیں۔

”کوئی سیریس معاملہ ہی لگ رہا ہے۔ ورنہ سارے مرد اس طرح دن کے وقت تو کبھی گھر نہیں آئے۔“

دل سویرا کے ساتھ جڑ کر کھڑکی سے کان لگاتے سرگوشی میں بولی تھی۔

”ایسے کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔ ہمارا کاروبار تو اچھا جارہا تھا نا۔ پھر اچانک یہ سب کیسے ہوا۔“

فاخرہ بیگم کی پریشانی میں ڈوبی آواز ڈرائنگ روم میں گونجی تھی۔

”پچھلے دو سال سے ہماری یہ دونوں فیکٹریاں مسلسل خسارے میں جا رہی ہیں۔ گھر میں سب پریشان نہ ہوں۔ اس لیے کبھی

اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ چھ مہینے پہلے ہی حالات کافی بگڑ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے فیکٹری گروی رکھوا کر رقم لی تھی۔

مگر اس کی مدت بھی اب ختم ہو چکی ہے۔ اب وہی کمپنی مالکان ہم سے سارے واجبات ادا نہ کرنے پر فیکٹری خالی کروانے

کی بات کر رہے ہیں۔“

تنویر صاحب کے تھکے تھکے انداز میں کہی جانے والی بات پر ڈرائنگ روم میں سناٹا سا چھا گیا تھا۔

”کس کے پاس گروی رکھوائی تھی آپ نے یہ فیکٹریاں۔ ہم ان سے کچھ مہینوں کی مزید مہلت بھی تو مانگ سکتے ہیں نا۔“

سفیان اپنے باپ کو پریشان دیکھ تجویز پیش کرتے بولا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی لوٹا تھا۔ اس پریشانی نے اس سمیت

پورے گھر والوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

”زورین شاہ ملک کا نامور بزنس مین۔ کافی اصول پسند اور سخت گیر قسم کا بندہ ہے۔ اگر ایک بار فیصلہ کر لے۔ تو اُس سے کچھ منوانا ممکن سی بات ہے۔ میں نے اُوپر کے کچھ جان پہچان والے لوگوں کے تھرو بات کرنے کی کوشش کی ہے اُس سے۔ مگر وہ کسی کی بات ہی سننے کو تیار نہیں ہے۔“

تنویر صاحب پیشانی مسلتے بے بسی کی انتہا پر تھے۔ اُنہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ کیا کرنا چاہیے۔ کیسے وہ اپنے پورے خاندان کو سڑک پر آنے سے بچا سکتے تھے۔

”آپ پلیز ایک بار زورین شاہ سے بات تو کریں۔ میں اُن کا زیادہ ٹائم بالکل نہیں لوں گا۔“

سفیان اب کی بار زرا ملتی لہجے میں بولا تھا۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے مسلسل اِن لوگوں کی منتیں کر رہا تھا۔ مگر وہ کسی صورت اُسے زورین شاہ سے ملوانے کو نہیں مان رہے تھے۔

”سر ہم آپ کو بتا چکے ہیں۔ کہ ہمیں پر میشن نہیں ہے۔ ایک دفعہ زورین سر منع کر چکے ہیں۔ اب دوبارہ اُن سے پوچھ کر ہم اپنی جاب داؤ پر نہیں لگا سکتے۔ آپ پلیز اب جائیں یہاں سے۔“

زورین شاہ کا پی اے اب قدرے سخت لہجے میں بولا تھا۔ وہ مزید بھی کچھ کہتا مگر سیڑھیوں پر نظر پڑتے وہ فوراً الرٹ ہوتے اُس جانب بڑھا تھا۔

”باس آگئے ہیں۔ آپ یہاں اُن سے بات کرنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ اُنہیں راستے میں خود کارو کا جانا سخت نا پسند ہے۔“

پی اے سفیان کو زورین کی جانب جاتا دیکھ ٹوکتے ہوئے بولا۔ جس پر سفیان اپنے قدم وہی روک گیا تھا۔ وہ معاملہ سنبھالنا چاہتا تھا۔ مزید بگاڑنا نہیں۔ پورے پروٹوکول کے ساتھ سیڑھیوں سے اتر کر باہر کی جانب بڑھتے زورین شاہ کو دیکھ سفیان اُس کی شاندار پرسنلیٹی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پایا تھا۔

بلیک تھری پیس سوٹ میں سوئڈ بوٹڈ ہاتھ میں پہنی قیمتی گھڑی اور کان سے لگا مہنگا ترین موبائل اُس کی عمارت کا پتہ دے رہے تھے۔ وجاہت و دلکشی سے مالا مال وہ شخص دیکھنے سے ہی کافی گھمنڈی معلوم ہو رہا تھا۔ خوب و نقوش سے سجے چہرے اور سرمئی آنکھوں میں طاقت کا عجیب سا نشہ چھایا ہوا تھا۔ جو صاف ظاہر کر رہا تھا۔ کہ زورین شاہ سے ٹکرانا آسان کام نہیں تھا۔ زورین شاہ کے ارد گرد پانچ چھ لوگ بلیک پینٹ شرٹ میں ملبوس کانوں میں ایر پیس لگائے مستعد سے ساتھ چلتے اُس کے آرڈر کے منتظر تھے۔ زورین شاہ نے اپنے ساتھ اپنے سٹاف کی بہترین ڈریسنگ کا خیال رکھا ہوا تھا۔ جو بات اُس کی شان و شوکت میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔

زورین شاہ کی ایک جھلک دیکھ کر ہی سفیان کو اپنا کام بننا مشکل لگ رہا تھا۔ جتنا اُس کے بارے میں سن رکھا تھا۔ دیکھنے میں وہ اُس سے بھی کہیں زیادہ بڑی چیز معلوم ہو رہا تھا۔

زورین شاہ کے لیے پہلے ہی ایگزیزٹ گیٹ اوپن کر دیا گیا تھا۔ جس سے وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔ جہاں باہر پارکنگ میں اُس کی گاڑیاں تیار کھڑی تھیں۔

زورین کی آفس بلندنگ بہت ہی خوبصورت ڈیزائن سے بنائی گئی تھی۔ آفس کے سامنے بڑے سے گراؤنڈ میں گھاس کے درمیان چلنے کے لیے روش بنائی گئی تھی۔ جہاں سے آگے جا کر درمیان میں بلیک کلر کا فوارہ لگا ہوا تھا۔ جس سے چاروں

طرف راستے جاتے تھے۔ ایک راستہ سیدھا سامنے بنی سیڑھیوں کی جانب جاتا تھا۔ جہاں اوپر گاڑیوں کے لیے پارکنگ ایریا بنایا گیا تھا۔

زورین شاہ موبائل کان سے لگائے اُسی جانب بڑھ رہا تھا۔ جب اچانک نسوانی چیخ کی آواز پر اُس سمیت اُس کے پیچھے چلتے باقی لوگوں نے بھی اوپر کی جانب دیکھا تھا۔



”پتا نہیں اندر آفس میں کیا ہو رہا ہو گا۔ سفیان نے اتنی دیر لگا دی۔“

دل گاڑی میں بیٹھے کب سے سفیان کا انتظار کرتے فکر مندی سے بولی۔ سفیان اُن چاروں کو کالج سے پک کر کے گھر لے جا رہا تھا۔ جب زورین شاہ کا اپنے آفس میں ہونے کا سن کر وہ سیدھا یہی آگیا تھا۔ مسلسل اتنی کوششوں کے بعد آج اگر زورین شاہ سے ملاقات کرنے کا موقع مل رہا تھا تو وہ یہ گنوا نا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اُنہیں گھر ڈراپ کرنے میں ٹائم ویسٹ کرنے کے بجائے ساتھ لے آیا تھا۔

وہ لوگ کافی دیر سے بیٹھیں اُس کے واپس لوٹنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

”بس دعا کرو وہ شخص مان جائے۔ گھر میں سب کتنے پریشان ہیں۔ اگر وہ نہ مانا تو پتا نہیں کیا ہو گا۔“

صوفیہ بھی پریشانی سے بولی تھی۔

آج کل ذکر یا منزل میں ایک عجیب سی ٹینشن کا ماحول بنا ہوا تھا۔

”دل تم کہاں جا رہی ہو۔ سفیان بھائی نے سختی سے منع کیا تھا۔ گاڑی سے مت نکلنا۔“

سویرا دل کو باہر نکلتا دیکھ روکتے ہوئے بولی۔

”میں کہیں دور نہیں جا رہی۔ بس یہیں پارکنگ ایریا سے ہی کھڑے ہو کر نیچے دیکھنے لگی ہوں۔ سفیان آرہے ہیں یا نہیں۔“

دل اُس کو جواب دیتی گاڑی سے نکل کر پارکنگ ایریا سے باہر کی جانب بڑھی تھی۔ اتنی دیر ایک جگہ ٹک کر بیٹھنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔

”واؤ کتنی خوبصورت جگہ ہے۔“

دل ڈھلوانی سطح پر بنے پارکنگ ایریا سے گزر کر سائیڈ پر لگی ریلنگ کی جانب بڑھتی اشتیاق بھری نظروں سے ارد گرد کا منظر دیکھتے ہوئے بولی۔

”اِس بندے نے یہاں بلاوجہ کا خرچہ کیا ہوا ہے۔ مگر کسی کی مدد کرتے ہوئے نجانے کیا مسئلہ ہوتا ہے اِسے۔ انسان پیسوں سے جتنا امیر ہو دل سے اتنا ہی غریب ہوتا ہے۔ یہ بات تو ماننے والی ہے۔“

ریلنگ زرا اونچی ہونے کی وجہ سے اُس پر دونوں پاؤں رکھ کر اوپر چڑھتے وہ جھک کر نیچے کا نظارہ دیکھنے لگی تھی۔ اُس کی نظریں سامنے بنے سیاہ رنگ کے فاؤنٹین پر اٹک کر رہ گئی تھیں۔ وہ اُس کی خوبصورتی میں اِس قدر گم ہو چکی تھی۔ کہ سائیڈ سے ٹوٹی ریلنگ پر دھیان نہیں دے پائی تھی۔ اگلے ہی لمحے اُس کا پاؤں پھسلا تھا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پاتے سیدھی نیچے جا گری تھی۔

زور سے چیخ مارتے اُس نے دل ہی دل میں کلمہ پڑھ لیا تھا۔ اتنے اُوپر سے گر کے اب اُس کا بچنا ممکن تھا۔

زورین شاہ نے موبائل کان سے ہٹا کر اُوپر سے گرتی اُس سفید پری کو دیکھا تھا۔ جب نجانے کیا سوچتے اچانک وہ آگے ہوا تھا۔ اُس کو زمین پر گر کر اپنی ہڈیاں توڑوانے سے پہلے ہی اپنی بانہیں پھیلا کر تھام لیا تھا۔ دل اس وقت سفید نیٹ کے فراق میں ملبوس تھی۔ جس کا دوپٹہ زورین کے بازو پر آن ٹھہرا تھا۔

دل کی چمکتی دودھیار نگت خوف کے مارے لال ہو چکی تھی۔ کپکپاتے ہونٹوں کے اُوپری حصے پر موجود تل لرز رہا تھا۔ چھوٹی سی ستواں ناک بالکل سرخی مائل ہو چکی تھی۔ دیکھنے والے کے لیے اس حسین منظر سے نظریں چرانا آسان کام نہیں تھا۔ مگر اس نسوانی وجود کی دلکشی زورین شاہ جیسے شخص کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

زورین نے ناگواری سے اپنے حصار میں چیختی لڑکی کو دیکھا تھا۔ جو سختی سے آنکھیں میچے، اُس کے کوٹ کو وائٹ نیل پینٹ سے سبے نازک ہاتھ میں جکڑے ابھی بھی خوف سے کانپ رہی تھی۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بچ گئی ہے۔ زورین ہونٹ بھینے ایک سرد نظر اُس کی بند مُٹھی میں قید اپنے کوٹ پر ڈالتے اُسے اُس کے بچ جانے کا یقین دلانے کے لیے بانہوں سے آزاد کر کے زمین پر پٹختا دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ پہلے ہی اس لڑکی کو بچا کر وہ اس پر بہت بڑا احسان کر چکا تھا۔ اس سے زیادہ وہ کسی کو فیور نہیں دیتا تھا۔

”آؤج۔۔۔۔“

دل گیلے گھاس پر گرتی اپنی کمر زور سے نیچے ٹکرانے کی وجہ سے کراہی تھی۔ اور آنکھیں کھول کر سامنے موجود لوگوں کو دیکھا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اور کپڑے گھاس کی مٹی گیلی ہونے کی وجہ سے یکچڑ سے بھر گئے تھے۔

”آئم سوری۔۔۔“

سامنے موجود رعب دار سی شخصیت کے مالک شخص کو اتنے غصے سے خود کو گھورتا پا کر اُس کا خون خشک ہوا تھا۔ جس طرح اِس شخص نے اُسے نیچے پھینکا تھا۔ اُس کا پیر نیچے آنے کی وجہ سے بُری طرح مُڑ گیا تھا۔ جس میں اب درد سے ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ اُن سب کی عجیب نظریں اپنے وجود پر پڑتے دیکھ وہ مزید شرمندگی کا شکار ہوئی تھی۔ اُٹھنے کی کوشش کے باوجود بنا سہارے کے اُس سے پاؤں ہلایا بھی نہیں جا رہا تھا۔

اُس کی سوری کے جواب میں زورین نے اپنے ہاتھ میں موجود دوپٹے کا گولا بنا کر اُس کی جانب اُچھال دیا تھا۔
”کون ہے یہ لڑکی اور کیا کر رہی ہے یہاں۔“

زورین کے بھاری سر دلچے پر اُس کے پیچھے کھڑے آدمی دل کو گھور کر رہ گئے تھے۔ کیونکہ اب اُس کی وجہ سے شامت اُن لوگوں کی آئی تھی۔ وہ سب اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اُن کے باس زورین شاہ کو ضروری کام کے لیے جاتے یوں درمیان میں روکا جائے تو اُسے کتنا غصہ آتا تھا۔ جو کہ اب اِس وائٹ بلی نے اُس کا راستہ کاٹ کر اُس کا موڈ مزید خراب کر دیا تھا۔

”آپ اِن کو بعد میں ڈانٹے گا۔ مجھ سے اُٹھا نہیں جا رہا پلیر میری ہیلپ کر دیں۔ مجھے پیر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“
اِس سے پہلے کے زورین کے پیچھے کھڑے آدمیوں میں سے کوئی کچھ بولتا۔ دل آویز درد کی وجہ سے آنکھوں میں اتر آئی نمی پیچھے دھکیلتی سامنے کھڑے شخص کی جانب ہاتھ بڑھاتے بولی۔ جس کے تیور اُس کا کیچڑ بھرا ہاتھ دیکھ کر اِس قدر خوفناک تھے جیسے ابھی اُس کا گلا دبا دے گا۔

جس شخص کا زرا سی بھی گندگی دیکھ پارہ چڑھ جاتا تھا۔ دل کا کیچڑ میں لتھڑا ہاتھ تھا مناتو ناممکنات میں سے تھا۔ اوپر سے اس لڑکی کا اجنبی ہونے کے باوجود ایسے ہی اُس کی جانب مدد کے لیے ہاتھ بڑھانا زورین کو سخت ناگوار گزارا تھا۔

”ایسے لوگ اگر آئندہ مجھے میرے ایریا میں نظر آئے تو ان سب سمیت تم لوگوں کو بھی اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔ میرا اتنا ٹائم ویسٹ کر دیا۔ فُلش گرل۔“

زورین آبرو اچکا کر بے پناہ غصیلے لہجے میں اپنے پیچھے کھڑے لوگوں کو وارن کرتا ایک ناگواریت بھری نظر زمین پر بیٹھی دل پر ڈالتا اپنے مخصوص مغرور انداز میں سن گلاسز چڑھاتے وہاں سے نکل گیا تھا۔

اس قدر ہتک آمیز رویے پر دل منہ کھولے حیرت سے اُس شخص کو جاتا دیکھ رہی تھی۔ اُس کے پاؤں میں بہت سخت لگی تھی۔ اٹھنا محال ہو رہا تھا۔ ورنہ وہ کبھی بھی ایسے گھمنڈی شخص کی جانب ہاتھ بڑھانے کی غلطی نہ کرتی۔

”اللہ جی کتنے بے حس لوگ ہیں اس دنیا میں۔ اب اگر غلطی سے گرنے سے بچا ہی لیا تھا تو اتنی سی مدد اور کر دیتا۔ مگر چھوڑو دل تمہیں تو عادت ہے ایسی بے حس برداشت کرنے کا۔ پھر شکوہ کس بات کا۔ شکر ہے ٹانگے ٹوٹنے سے بچ گئیں۔“

دل دوسرے پیر پر دباؤ ڈالتے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ مگر ناکام ہوتے تکلیف کے مارے آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو۔“

سفیان اپنی پریشانی میں پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جب اُس کی نظر ایک سائیڈ پرگھاس پر بیٹھی دل پر پڑی تھی۔ وہ حیرت زدہ سا اُس کے قریب آیا تھا۔

”میں آپ کو بلانے جارہی تھی۔ میرا پاؤں سلپ ہو گیا اور میں بُری طرح گر گئی۔ مجھے پیر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“

دل زورین شاہ کے بُرے رویے کی وجہ سے دل برداشتہ تھی۔ سفیان کو اپنے لیے فکر مند ہوتا دیکھ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ اصل بات دانستہ طور پر وہ چھپا گئی تھی۔ زورین شاہ جیسے لوگ اُس کی زندگی میں بہت زیادہ تھے۔ جن کے لیے اُسے بے عزت کرنا معمولی بات تھی۔ مگر سفیان جیسے لوگ بہت ہی کم تھے۔ جنہیں اُس کی پرواہ تھی۔ جو اُس کی تکلیف پر پریشان ہو اُٹھتے تھے۔

”منع کیا تھا نا تمہیں۔ مگر بات تو ماننی نہیں ہوتی تم نے۔ زیادہ درد ہو رہا ہے کیا۔“

سفیان اُسے سہارا دے کر اُٹھاتا فکر مندی سے بولا تھا۔ اُس کے انداز میں اپنے لیے اتنی فکر دیکھ دل اپنا درد بھولتی مسکرا دی تھی۔ سفیان ہمیشہ اُس کا ایسے ہی خیال رکھتے آیا تھا۔ یہی بات دل کو آہستہ آہستہ اُس کے قریب لے آئی تھی۔

اوپر پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی کی جانب بڑھتے زورین شاہ کی غیر ارادی نظریں نیچے کی جانب اُٹھی تھی۔ جہاں دل کو کسی شخص کی بانہوں کے سہارے اُٹھتا دیکھ اُس نے ایک سخت نگاہ ڈال کر نظروں کا زاویہ بدل دیا تھا۔



سُلین اپنے بیڈ پر ارد گرد فائلوں کا ڈھیر لگائے کام کرنے میں مصروف تھی۔ وہ اکثر ایسے ہی کام میں لگ کر آدھی رات گزار دیتی تھی۔ صبح سے مشین کی طرح کام کرتے اب اُسے کندھوں میں درد محسوس ہونے لگا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑا چائے کا گام اٹھا کر لبوں سے لگاتے وہ بیڈ کراؤن سے سرٹکا گئی تھی۔

سُلین اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ کچھ عرصہ پہلے ایک کار ایکسیڈنٹ میں اُس کی مدر کی ڈیوٹی ہو گئی تھی۔ جس کے بعد وہ اور اُس کے بابا حبیب احمد نے بہت مشکل سے ایک دوسرے کو سنبھالتے اِس غم سے نکالا تھا۔ وہ پہلے ہی اپنے بابا کی آنکھ کا تارا تھی۔ اِس سب کے بعد تو وہ اُس کے معاملے میں مزید پروٹیکٹو ہو گئے تھے۔ وہ لوگ شروع سے ہی کراچی میں مقیم تھے۔ مگر نجانے اچانک ایسا کیا ہوا تھا۔ کہ حبیب صاحب راتوں رات اُسے لے کر لاہور آ گئے تھے۔ سُلین اِس بات سے واقف تھی کہ وہ ایک سائنسٹ تھے۔ اُنہیں اپنے کام سے بے حد پیار تھا۔ مگر لاہور آ کر اُنہوں نے وہ کام چھوڑ کر ریسٹورنٹ اوپن کر لیا تھا۔ سُلین کے لیے یہ سب بہت حیران کن تھا۔ اُس نے کئی بار اپنے بابا سے اِن سب تبدیلیوں کے بارے میں پوچھنا چاہا تھا۔ مگر ہر بار وہ اُسے صحیح وقت پر سب کچھ بتانے کا کہہ کر ٹال دیتے تھے۔ جس پر سُلین نے پوچھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ اُن کے خود ہی بتانے کی منتظر تھی۔ لیکن اچانک حبیب صاحب کے ساتھ پیش آنے والے واقع نے اُس کی زندگی یکسر بدل دی تھی۔ اُس کے بابا کو کسی نے مارنے کی کوشش کی تھی۔ چار گولیاں لگی تھیں اُنہیں۔ سُلین کی دعاؤں سے اُن کی سانسیں تو بچ گئی تھیں۔ مگر بد قسمتی سے وہ کوما میں چلے گئے تھے۔ پچھلے چار سالوں سے اُنہیں آرمی ہسپتال میں فُل سیکورٹی میں رکھا گیا تھا۔ قاسم نے ہی سُلین کو بتایا تھا کہ اُن کی جان کو خطرہ ہے۔ کیوں اور کس سے۔ سُلین کے یہ

بات پوچھنے پر قاسم نے بھی اُس سے صاف لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا۔ قاسم پچھلے چھ سال سے اُن کے ساتھ تھا۔ اُس وقت سے جب سے وہ کراچی سے لاہور شفٹ ہوئے تھے۔

قاسم نے سُلیم سے کبھی زیادہ بات نہیں کی تھی۔ مگر وہ ہر وقت سائے کی طرح اُس کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ نجانے کتنی ہی دیر وہ اپنی تکلیف دہ سوچوں میں کھوئی رہتی جب موبائل پر انجان نمبر سے آتی کال نے اُسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

”ہیلو سُلیم حبیب اسپیکنگ۔“

سُلیم اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں مخاطب ہوئی تھی۔ مگر دوسری جانب سے جو خبر اُسے دی گئی تھی۔ اُس کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھی۔

”کک کیا کب کیسے لگی آگ۔۔۔۔۔ شام تک تو سب ٹھیک تھا۔۔۔۔۔“

سُلیم اپنے ریسٹورنٹ کے سیکورٹی گارڈ کی گھبرائی آواز پر جلدی سے بیڈ سے اٹھتی باہر کی جانب بھاگی تھی۔ اُس کے مطابق شارٹ سکرٹ کی وجہ سے ریسٹورنٹ کے ایک حصے میں آگ لگ گئی تھی۔ جس نے اب پورے ریسٹورنٹ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ سُلیم کے لیے اُس کار ریسٹورنٹ اُس کی زندگی سے بڑھ کر تھا۔ کیونکہ یہ اُس کے بابا نے بہت ہی محنت و محبت سے کھڑا کیا تھا۔

سُلیم بنا کسی بھی بات پر دھیان دیئے ڈرائیور کے آنے کا انتظار کیے بغیر گاڑی میں بیٹھتی گھر سے نکل آئی تھی۔ شدید پریشانی کے عالم میں اُسے یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ وہ قاسم اور صبا کو انفارم کر دے۔

رات کے اڑھائی بج رہے تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم چھایا ہوا تھا۔ روڈ بالکل سنسان پڑے تھے۔ دور دور تک کسی زری روح کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ایک پل کے لیے سُلین کو اپنے اس طرح اکیلے نکل آنے کا فیصلہ بالکل غلط لگا تھا۔ مگر ریسٹورنٹ کے بارے میں سن کر اُس کی جان آدھی ہو چکی تھی۔ عقل مندی کا تھوڑا سا ثبوت دیتے اُس نے جلدی سے قاسم کو میسج سینڈ کر دیا تھا۔

ابھی وہ آدھے راستے میں ہی پہنچی تھی۔ جب روڈ کے عین درمیان میں اُسے بڑے بڑے پتھر پڑے نظر آئے تھے۔ جیسے کسی نے یہاں کار راستہ بند کرنے کی کوشش کی ہو۔ کسی گڑبڑ کے احساس کے تحت سُلین کا دل خوف سے کانپ اٹھا تھا۔ وہ روز صبح اسی راستے سے آتی جاتی تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی اُسے گاڑی روکنی پڑی تھی۔ جب اچانک سڑک کے کنارے جھاڑیوں سے تین شخص برآمد ہوتے اُس کی جانب بڑھے تھے۔ سُلین کا دل خوف سے بند ہونے لگا تھا۔ اسٹیرنگ تھامے اُس کے ہاتھ کانپ گئے تھے۔

”اے میڈم باہر نکلو فوراً۔“

زوردار طریقے سے گاڑی کا شیشہ بجاتے اُنہوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔ جو سُلین ہڑبڑاہٹ میں لاک کرنا بھول گئی تھی۔ اُس نے اندر سے دروازہ اپنی جانب کھینچتے لاک کرنا چاہا تھا۔ مگر تب تک وہ اُسے کھول گئے تھے۔

”چھوڑو مجھے۔ کون ہو تم لوگ۔“

اُن میں سے ایک شخص نے سُلین کو گھسیٹ کر باہر نکالا تھا۔ سُلین کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ مگر اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

”چھوڑ مجھے۔ پلیز کوئی مدد کرو میری۔“

سُلین اُن سے اپنا بازو چھڑوانے کی کوشش کرتی زور زور سے چلائی تھی۔

”خبردار۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو۔ ورنہ یہیں حشر بگاڑ دوں گا تمہارا۔“

اُن میں سے ایک لمبا چوڑا سیاہ فام سا شخص سُلین کی جانب غصے سے دیکھتا غرایا تھا۔ اُن لوگوں نے اُس کا پرس یا موبائل چھیننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نہ ہی اُسے کوئی نقصان پہنچانا چاہا تھا۔ جیسے اُنہیں صرف اُسے اپنے ساتھ لے جانے کا آرڈر تھا۔

”کون ہو تم لوگ۔ کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے۔“

سُلین اُس شخص کے بازو پر ناخن کھبوتے بولی تھی۔ مدد کے لیے چلانا اُس نے ابھی تک بند نہیں کیا تھا۔

”حرام زادی۔ لگتا ہے تیری عقل یہیں پر ہی ٹھکانے لگانی پڑے گی۔“

اُس غنڈے نما شخص نے سُلین کی حرکت پر رکتے پلٹ کر ایک تھپڑ اُس کے چہرے پر رسید کرنا چاہا تھا۔ مگر اُس کے ایسا کرنے سے پہلے ہی کسی نے درمیان میں آتے اُس شخص کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں جکڑتے سُلین کو پیچھے کی جانب دھکیلا تھا۔

سُلین سمیت وہ لوگ بھی اِس طرح اچانک کسی کو نازل ہوتا دیکھ اُس جانب متوجہ ہوئے تھے۔

”لڑکی کو گالی دیتے اور اُس پر ہاتھ اٹھاتے زرا شرم نہیں آئی تمہیں۔“

ابہتاج لغاری کی چنگارتی آواز اور آنکھوں سے نکلتے شعلے دیکھ سُلین مزید خوفزدہ ہوتی پیچھے ہٹی تھی۔

مضبوط مردانہ کلائی میں سیاہ دھاگا باندھے وہ غصے کی شدت سے اُس غنڈے کا ہاتھ توڑ دینے کے موڈ میں لگ رہا تھا۔ ڈارک براؤن آنکھیں قہر برسانے کو تیار تھیں۔ وجیہہ چہرے کے نقوش خطرناک حد تک تنے ہوئے تھے۔

”تجھے اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے۔ تو کیوں بیچ میں آرہا ہے۔ بہن لگتی ہے کیا تیری۔“

ساتھ کھڑے دوسرے آدمی نے ابہتاج پر حملہ آور ہوتے نہایت عامیانہ لہجے کا استعمال کر کے اُس کے غصے کو مزید ہوا دے دی تھی۔ جس کے بعد ابہتاج بھول چکا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں کھڑا ہے۔

اُس کا ڈھائی کلو کا ہاتھ اُس شخص کے چہرے پر پڑتا اُس کا جبر اہلانے کے ساتھ ساتھ آگے کے دانت بھی توڑ گیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ جیل سے نکل کر آزاد فضاؤں میں آیا تھا۔ ان لوگوں نے اُسے غلط ٹائم پر چھیڑنے کی غلطی کر دی تھی۔ اُس نے چند سیکنڈز میں ہی تینوں غنڈوں کو بُری طرح دھوڑا لایا تھا۔ وہ بچارے اُس کے آگے ہاتھ جوڑتے لنگڑاتے وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔

جب وہ واپس ڈری سہمی اپنی گاڑی کے ساتھ لگی کھڑی لڑکی کی جانب بڑھا تھا۔

”محترمہ جانتا ہوں عورت کو بھی پوری آزادی ہے اپنی مرضی سے کہیں بھی آنے جانے کی۔ مگر اس ملک کے آج کل کے بگڑتے حالات تو آپ جانتی ہی ہیں۔ اُس کے باوجود اتنی رات کو آپ اکیلی کونسا مشن سر کرنے نکلی ہیں۔“

جتنا وہ شخص دیکھنے میں اکھڑ لگ رہا تھا۔ لہجہ اُس سے بھی کہیں زیادہ سرد تھا۔ سُلین کو اب اپنے اس محافظ کی ہی خود پر گڑھی ان لال آنکھوں سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

سُلین بنا اُس کی بات کا جواب دیئے جلدی سے واپس گاڑی میں بیٹھی تھی۔ مگر اُس سے بھی پہلے وہ اجنبی گاڑی کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر اُس کے برابر میں بیٹھ چکا تھا۔

سُلین کو اب اس شخص سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اُس کا تو آج وہی حال تھا۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ غنڈوں سے تو بچ گئی تھی۔ مگر اس شخص سے بچنا اُسے مشکل لگ رہا تھا۔ جو بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ گلے میں چین پہنے سیاہ لباس میں سیاہ گرم شال اپنے گرد اوڑھے رات کے اس پہر روڈ پر تنہا موجود کوئی شریف آدمی تو بالکل بھی نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ اور اگر سُلین کو یہ پتا چل جاتا کہ یہ شخص ابھی ایک گھنٹہ پہلے جیل سے چھ سال کی قید کاٹ کر رہا ہوا ہے تو اُس نے تو خوف کے مارے ویسے ہی اوپر پہنچ جانا تھا۔

”کیا ہوا۔ لگتا ہے آپ کا آج کی رات اسی روڈ پر گزارنے کا ارادہ ہے۔“

سُلین کو بالکل سٹپچو بنا دیکھ ابہتاج ایک سرد نگاہ اُس پر ڈالتے طنز یا لہجے میں بولا تھا۔ جس سے سُلین کا ڈر مزید بڑھ گیا تھا۔ اس شخص کے چہرے پر موجود کرخنگی اور ڈارک براؤن آنکھوں میں تیرتے سُرخ ڈورے سُلین کا دل سہا رہے تھے۔ ابہتاج نے ایک دوبار ہی بات کرتے نظر اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ پھر بھی اُس کی موجودگی کا احساس ہی سُلین پر کافی بھاری پر رہا تھا۔

”آپ پلیز اتریں میری گاڑی سے۔ بہت شکریہ آپ نے میری مدد کی مگر اب میں خود چلی جاؤں گی۔“

سُلین نے بہت مشکل سے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ ورنہ ابہتاج کی سحر انگیز شخصیت کے آگے یہ کہنا اُسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ ابھی ابھی اُسے قاسم کا میسج موصول ہوا تھا۔ جس کے مطابق ریسٹورنٹ بالکل ٹھیک تھا۔ آگ لگنے والی بات کسی نے

اُس سے جھوٹ کہی تھی۔ یہ بات تو سُلین کو بھی کلیئر ہو گئی تھی کہ کسی نے اُس کے خلاف سازش کی ہے۔ مگر کس نے۔۔۔۔۔ یہ سوچنے کا اُس کے پاس فلحال ٹائم نہیں تھا۔ قاسم کی بار بار آتی کال کاٹ کر اُس نے میسج پر اپنے واپس گھر جانے کا بتا دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت وہ کال پر بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

ابہتاج اُس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر ہی بیٹھا تھا۔ سُلین کی بات پر اُس نے چہرہ پھیر کر نگاہ اُس پر ڈالی تھی۔ جس کے خوف سے سُلین کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ وہ بے حد کانفیڈنٹ اور نڈر لڑکی تھی۔ اپنے ریسٹورنٹ میں آنے والے ہر طرح کے لوگوں کو ڈیل کرتی تھی۔ کبھی اُسے اتنی پراہلم فیس نہیں کرنی پڑی تھی۔ جتنی اس وقت اس شخص کے سامنے کرنی پڑ رہی تھی۔ ابھی تو اُس کے لیے اچھی بات یہی تھی کہ وہ پوری طرح متوجہ نہیں تھا۔ اگر وہ اپنا رخ سُلین کی جانب کر کے بات کرتا تو سُلین نے چند سیکنڈز میں ہی بے ہوش ہو جانا تھا۔ جس شخص بات کرتے اچھے بھلے مرد بھی گھبرا جاتے تھے۔ وہ تو پھر ایک لڑکی تھی۔ وہ بھی تنہا اُسی کے رحم و کرم پر۔

”او کے محترمہ ایزویوش۔ مجھے لگا آپ کو تھوڑی بہت عقل آگئی ہو گی۔ کہ اس طرح رات کو ان جنگلوں سے گزرنا خطرناک ہے آپ کے لیے۔ لیکن آپ ابھی یہاں جھاریوں میں چھپی باقی مخلوق سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔ گڈنائٹ۔“

ابہتاج اُسے اس خطرناک جگہ کی سنگینی سے آگاہ کرتا لا پرواہی سے کندھے اُچکاتے دروازہ کھولنے لگا تھا۔

”ایک منٹ۔۔۔۔۔ آپ بیٹھ جائیں پلیز۔۔۔۔۔“

ابھی اُس کا ایک پیر ہی باہر گیا تھا۔ جب سُلین کے ایک دم بولنے پر وہ وہیں رُکا تھا۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو جس طرح اس لڑکی نے اُسے اپنی گاڑی سے اتر جانے کو کہا تھا۔ وہ اُس پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارہ کیے بغیر فوراً نکل جاتا۔ مگر بہت پتھر دل ہو جانے کے باوجود وہ خود کو اس حد تک بے حس نہیں بنایا تھا۔

سُلین کی التجا پر وہ خاموشی سے واپس اندر بیٹھتا زور سے گاڑی کا دروازہ بند کر گیا تھا۔ سُلین نے دہل کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ اُسی لمحے ابہتاج نے بھی نظریں اُٹھائی تھیں۔ نگاہوں کے اس غیر متوقع تصادم پر سُلین کی دھڑکنوں کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی۔ اُس کی گہری سرد آنکھیں خود میں ایک طلسم سموئے ہوئے تھیں۔ جو مقابل کو ایک ہی نظر میں اپنے حصار میں جکڑنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ سُلین نے فوراً نظریں موڑ لی تھیں۔ اور دوبارہ ایسی کوئی بھی غلطی کرنے سے خود کو باز رکھا تھا۔

اس شخص کو سُلین نے اسی لیے روکا تھا۔ کہ وہ دوبارہ یہاں سے اکیلا واپس جانے کا رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ یہ بندہ دیکھنے میں جتنا بھی سخت گیر اور برتاؤ سے جلا دٹا پ لگ رہا تھا۔ مگر کہیں نہ کہیں سُلین کو اپنا آپ اس شخص کے ہوتے محفوظ لگ رہا تھا۔

یہاں مزید اپنا ٹائم ویسٹ کیے بنا سُلین نے لرزتے ہاتھوں سے گاڑی ریورس کرتے واپس گھر کے راستے پر ڈالی تھی۔ اُس کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر ہی تھی۔ جب چند سیکنڈز بعد دھویں اور سگریٹ کی سمیل اُس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ سُلین نے کن اکھیوں سے ساتھ بیٹھے شخص کو گھورا تھا۔ وہ اُس کی موجودگی کا خیال کیے بغیر ایک کے بعد دوسرا سگریٹ سلگھاتا آنکھیں موندے سکون سے پینے میں مصروف تھا۔

سُلیں جھر جھری سی لیتی واپس سامنے کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ ابہتاج کے سائیڈ کی ونڈ واوپن تھی۔ جس کے باوجود دھواں گاڑی کے اندر جمع ہو رہا تھا۔ جس کی سمیل سے سُلیں کو اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ مگر ابہتاج لغاری کی طبیعت پر زرا برابر بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے سفر میں وہ پانچ سے چھ کے درمیان سگریٹ پی چکا تھا۔ اچانک دھواں گلے میں چلے جانے کی وجہ سے سُلیں پر کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ جس وجہ سے اسٹیرنگ پر قابو نہ رکھ پاتے گاڑی ڈسبیلنس ہوئی تھی۔ ابہتاج نے اِس اچانک رونما ہونے والی ہلچل پر حیرت سے سُلیں کی جانب دیکھا تھا۔ اُس کے لیے یہ زراساد دھواں ہی تھا۔ جس سے سُلیں کا اتنا کھانسا اُس کے لیے حیران کن تھا۔ کیونکہ اُس کے لیے تو یہ سگریٹ اُس کی تنہائی اور دکھ سکھ کے ساتھی تھے۔ جیل میں پچھلے چھ سال تک اُس کا ٹک جانا انہی کی بدولت تھا۔ جیل میں سگریٹس یا ایسی کوئی بھی نشہ آور چیز لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر صرف اُس کی خاطر پاشا اپنے تمام اثرو سروخ استعمال کر کے اُس تک اُس کی جان سے عزیز یہ چیز پہنچا تا رہا تھا۔ ابہتاج ایک گھنٹے میں سگریٹس کی پوری پوری ڈبی ختم کر دیتا تھا۔ اُس کے سیاہی مائل اعنابی ہونٹ اِس بات کے گواہ تھے۔ مگر سُلیں جیسی لڑکی نے اپنے قریب رہنے والے مرد پہلے اپنے بابا اور پھر قاسم کو اِس فضول چیز کو آج تک ہاتھ لگاتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اِس لیے اُس کے لیے یہ سب برداشت کرنا کافی مشکل تھا۔ اُس کے کھانسنے کی وجہ سے وہ گاڑی پر بالکل کنٹرول کھو چکی تھی۔

اِس سے پہلے کے گاڑی سامنے موجود درخت سے ٹکراتی ابہتاج نے سُلیں کی جانب جھکتے اُس کے ہاتھوں کے اوپر سے اسٹیرنگ تھام کر گاڑی کا رخ دوسری جانب موڑا تھا۔ اُس کے مضبوط ہاتھوں کے لمس پر سُلیں ساکت سی اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پائی تھی۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا۔ کہ دونوں ہی کچھ سمجھ نہیں پائے تھے۔

سُلمین نے اسٹیرنگ سنبھالنے کے بجائے ہڑبڑا کر ہاتھ اُس کی گرفت سے نکال کر پیچھے کر لیے تھے۔ اس بات کا خیال کیے بغیر کے ابہتاج لغاری آدھے سے زیادہ اُس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ سُلمین کے لرزتے ہاتھوں کی موومنٹ پر ابہتاج نے چہرہ لہکا سا موڑتے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ دوہرنی سی خوفزدہ آنکھیں اُس کی جانب ہی اُٹھی ہوئی تھیں۔ دودھیا پیشانی پر پسینے کے قطرے جگمگا رہے تھے۔ اس سے پہلے کے ابہتاج کی نگاہیں اس دلکش منظر میں گم ہو جاتیں۔ اُس نے فوراً خود کو سرزنش کرتے رُخ موڑ لیا تھا۔ اپنی اس بے اختیار حرکت پر اُسے خود پر شدید غصہ آیا تھا۔

وہ اسٹیرنگ چھوڑتا فوراً پیچھے ہٹا تھا۔ جسے سُلمین نے واپس کپکپاتے ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔ اُس کے گھر کا آدھا راستہ تیس منٹ کی ڈرائیو پر تھا۔ جواب اُسے صدیوں پر محیط لگ رہا تھا۔

اتنے فاصلے پر جس شخص کی موجودگی اُس کی جان مشکل میں ڈالے ہوئے تھی۔ اُس کا حادثاتی طور پر قریب آنا سُلمین کے اُوسان خطا کر گیا تھا۔ اُس کی منتشر دھڑکنیں ابھی تک جگہ پر آنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

”آریو اوکے۔“

سُلمین کی زرد پڑتی رنگت دیکھ نجانے کس احساس کے تحت ابہتاج اپنے مخصوص کھر درے لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔ سُلمین سے آج تک اتنے بُرے انداز سے کبھی کسی نے حال نہیں پوچھا تھا۔

وہ ایسے لہجے کا کبھی جواب نہ دیتی۔ اگر اس وقت اس بُری سچویشن میں اس شخص کے رحم و کرم پر نہ ہوتی۔

سر اثبات میں ہلا کر اُس نے جواب دیا تھا۔ جسے سنتے ہی ابہتاج واپس سگریٹ سلگھا گیا تھا۔ جسے دیکھ سلین بھی اندر سے سلگھ اُٹھی تھی۔ اتنا عجیب بندہ اُس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ جو بات بھی ایسے کرتا تھا جیسے مقابل پر احسان کر رہا ہو۔ آنکھوں میں بھری وحشت کبھی کبھی چہرے پر بھی عیاں ہونے لگتی تھی۔

دیکھنے میں تو وہ اُسے اچھا خاصہ وجیہہ شخص لگا تھا۔ اُس کے انداز میں موجود رکھ رکھاؤ اور چہرے کے خوبصورت نقوش مقابل کو ناچاہتے ہوئے بھی اپنی جانب متوجہ کر دیتے تھے۔

سلین کن اکھیوں سے اُس کا جائزہ لیتی دل ہی دل میں اُس کی ظاہری متاثر کن پرسنلیٹی اور لہجے کی حد درجہ بد لحاظی پر غور و فکر کرنے میں مصروف تھی۔ اس بات سے انجان کے بظاہر سگریٹ ہونٹوں میں دبائے باہر کی جانب دھواں چھوڑتا ابہتاج لغاری اُسکی بار بار خود پر اُٹھتی نگاہوں سے باخبر تھا۔

کچھ ہی لمحوں بعد سامنے نظر آتا اپنا گھر دیکھ سلین کی رکی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔ اُس نے جان بوجھ کر اُسے صرف گمراہ کرنے کے لیے گاڑی اپنے گھر سے دو گھر چھوڑ کر پیچھے روکتے یہی ظاہر کیا تھا کہ یہ سامنے والا گھر اُسی کا ہے۔ اور اب وہ اُس کی گاڑی سے اتر جائے۔ مگر اُن مسٹر کو اُسی شاہانہ انداز میں بیٹھے سگریٹ نوشی کرتے دیکھ سلین جل کر رہ گئی تھی۔ یہ شخص تھا ہی ایسا یا صرف اُس کا خون جلانے کے لیے ایسا کر رہا تھا۔ وہ اُس کو مخاطب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر بنا کہے اُس کے گاڑی سے باہر نکلنے کے ارادے بھی نہیں لگ رہے تھے۔

”میرا گھر آچکا ہے۔ بہت شکریہ یہاں تک میرے ساتھ آنے کا۔“

اپنا گھر اور سامنے کھڑا واچ مین دیکھ کر اُس کی ساری بہادری واپس آچکی تھی۔ اِس لیے وہ ابہتاج کو گھورتی لفظ چبا چبا کر بولی تھی۔

لیکن سُلین کی بات پر اُس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ اُسی طرح بیٹھے اُس نے اپنی وہی مقناطیسی خود میں جکڑنے والی نگاہیں اُٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔

سُلین اُس کے دیکھنے کے انداز پر گڑبڑ اُسی گئی تھی۔

”آپ کیا واقعی اتنی بے وقوف ہیں۔ یقین نہیں آ رہا مجھے۔ پہلے آدھی رات کو تن تنہا لانگ ڈرائیو پر نکل جانا اور اب صرف مجھ سے اپنا گھر پوشیدہ رکھنے کے لیے کسی دوسرے کے گھر گاڑی لے جانے کی کوشش کرنا۔ پہلی دفعہ کسی کو مصیبت کو خود اپنی طرف دعوت دیتے دیکھا ہے۔ گاڑی وہاں لے کر جائیں آپ کا واچ مین آپ کا انتظار کر رہا ہے۔“

ابہتاج سُلین کو اچھی طرح شرمندہ کرنے کے بعد اُس کے واچ مین کی جانب اشارہ کرتے بولا تھا۔ جو دور سے ہی اُس کی گاڑی دیکھ دروازہ کھول چکا تھا۔ اور جس طرح وہ سُلین کی گاڑی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ابہتاج جیسے بندے کے لیے معاملہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

سُلین کا چہرہ اُس کی بات سن کر شرمندگی کے مارے لال ہو چکا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اِس طرح منہ کے اوپر اُس کا جھوٹ پکڑا گیا تھا۔

کتنا شاطر تھا یہ شخص۔

کتنی زیرک نگاہ رکھتا تھا۔

سُلیں دور کھڑے اپنے وایچ مین کو گھورتی مرے مرے ہاتھوں سے گاڑی آگے بڑھا گئی تھی۔ گیٹ کے سامنے پہنچتے اُس کے بنا کہے ابہتاج گاڑی سے نکل گیا تھا۔

سُلیں نے زر اساسر نیچے کر کے اُس کے چوڑے شانوں کو گھورا تھا۔ جب اچانک اُس کے پلٹ کر دیکھنے پر سُلیں گڑبڑاہٹ کا شکار ہوتی ایک بار پھر خود کو کوستی گاڑی اندر لے گئی تھی۔ مگر وہ گاڑی اندر لے جا کر بیک ویو مرر سے گیٹ کے باہر کے منظر پر نظر ڈالنا نہیں بھولی تھی۔

جہاں اُسے وایچ مین کی رکھی کرسی پر بیٹھتے دیکھ سُلیں کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ وہ یہاں کیوں بیٹھ رہا تھا۔ سُلیں ایک بار پھر خوفزدہ ہوئی تھی۔ جلدی سے اندر آکر انٹرکام پر وایچ مین کو گیٹ لاک کر کے اندر آنے کا کہتی وہ اپنے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

جہاں ریسٹورنٹ والی بات جھوٹ ہونے پر اُس کا دل سکون سے بھر گیا تھا۔ وہیں اس پیش آنے والے واقع اور اس شخص سے ہونے والی ملاقات نے اُس کا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھے اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔ جب کسی خیال کے تحت وہ اُٹھ کر ٹیرس کی جانب بڑھی تھی۔ جہاں سے گیٹ کے باہر کا منظر واضح نظر آتا تھا۔

وایچ مین کی کرسی خالی پڑی تھی۔ وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ سُلیں گہری سانس ہو امیں خارج کرتی واپس پلٹی تھی۔ جب اُس کی غیر ارادی نظر روڈ کے دائیں جانب کھڑی انتہائی بیش قیمت گاڑی اور اُس میں بیٹھتے اُسی شخص پر پڑی تھی۔ جس کے لیے ڈرائیور بیک سائیڈ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ ابہتاج کے گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتا گاڑی وہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔

سُلین حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ آخر یہ شخص تھا کون۔ پہلے سنسان روڈ پر پیدل چلتے اُس کا اکیلے پایا جانا اور اب اتنی بڑی گاڑی میں بیٹھ کر جانا۔ یہ شخص سُلین کا دماغ پوری طرح گھماچکا تھا۔ وہ اِس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ مگر دماغ بار بار بھٹک کر اِسی کی جانب جا رہا تھا۔



”کیا کہہ رہے ہیں سب۔ مسئلہ حل ہوا۔“

دل سویرا کو اندر آتا دیکھ اُمید بھرے لہجے میں بولی تھی۔

”نہیں کچھ نہیں بنا۔ وہ شخص اپنی کسی میٹنگ کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ اُس کے میجر نے ایک ہفتے کی مہلت دی ہے۔ جس کے دوران پیسوں کا ارتخ ہوتا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ دونوں فیکٹریوں پر اپنا قبضہ کر لیں گے۔ بڑے ماموں کی طبیعت بہت سخت خراب ہے۔ اُن کے اتنے سالوں کی محنت اور جمع پونجی اِس طرح آرام سے اُن کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے۔ اور وہ کچھ بھی نہیں کر پار ہے۔“

سویرا غم آلود لہجے میں بولتی دل کے پاس آ بیٹھی تھی۔ اُس کی بات سن کر دل کے چہرے پر بھی افسردگی اور پریشانی پھیل گئی تھی۔

دل کے ساتھ گھر والوں کا رویہ جیسا بھی سہی مگر اُس نے سب کو دل سے اپنا مانا تھا۔ کسی ایک کو بھی مشکل میں دیکھ وہ پریشان ہوا اُٹھتی تھی۔

ذکرِ منزل میں دل کا پورا انھیال آباد تھا۔ نانانانی کی بہت پہلے ڈیبتھ ہو چکی تھی۔ جن کے بعد اس گھر کے سربراہ اُس کے بڑے ماموں تنویر صاحب تھے۔ جن میں اُن کے فیصلوں سے بھی زیادہ اُن کی بڑی بہن رقیہ بیگم کی مرضی شامل ہوتی تھی۔ رقیہ بیگم بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ جو شادی کے تین سال بعد اپنے ماتھے پر طلاق کا داغ لگوا کر اپنے اکلوتے بیٹے تقی کے ساتھ میکے واپس لوٹ آئی تھیں۔

اُن سے چھوٹے تنویر صاحب اور فاخرہ بیگم کی چار اولادیں تھیں۔ سفیان، نرمین، لائبہ اور حمزہ۔ تیسرا نمبر ندیم صاحب کا تھا۔ جن کی شادی اُن کی خالہ زاد شہانہ بیگم سے ہوئی تھی۔ اُن کے بھی تین بچے تھے۔ سویرا، زوہیب اور صوفیہ۔ دل آویز کی مام شہلا بیگم بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ وہ بچپن سے اپنے ماموں زاد کزن اور رقیہ بیگم کے دیور اکرام سے منسوب تھیں۔ جس رشتے سے بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک مسلسل وہ انکاری ہی کرتی آئی تھیں۔ اُنہیں اکرام بالکل

بھی پسند نہیں تھا۔ شہلا بیگم کے اس انکار نے زور اُس وقت پکڑا جب ایک دن یونیورسٹی میں اُن کی ملاقات ہمایوں سے ہوئی تھی۔ وہ امیر کبیر بے انتہا حسن اور وجاہت کا شاہکار شخص پہلی نظر میں ہی اُن کا دل چرا کر لے گیا تھا۔ شہلا بیگم خود بھی غیر معمولی حُسن کی مالک حسین دوشیز تھی۔ جس پر ایک بار پڑنے والی نظر واپس پلٹنا بھول جاتی تھی۔ وہ دونوں خود بھی سمجھ نہیں پائے تھے۔ کب وہ ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوتے چلے گئے تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے

معاملے میں بہت مخلص تھے۔ ہمایوں شہلا کے گھر رشتہ بھیجنا چاہتے تھے۔ مگر شہلا اپنے انگیج ہونے کی وجہ سے اُسے اس

بات سے روکے ہوئے تھی۔ اُس نے ہمایوں کو کچھ دن رُک جانے کا کہتے پہلے خود گھربات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ شہلانے اپنی اکلوتی بڑی بہن کو اپنا ہم راز بناتے ساری سچائی سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور اُس سے ساتھ دینے کی مدد مانگی تھی۔ مگر رقیہ بیگم اپنی بہن کی خوشی کی خاطر اپنا گھر داؤ پر لگانے کو کسی صورت تیار نہیں تھیں۔ اُنہوں نے بجائے شہلا کا ساتھ دینے کے اپنے ماں باپ اور بھائی کے سامنے شہلا کی ساری سچائی کھول کر رکھ دی تھی۔ جس کے بعد شہلا کے لیے زندگی تنگ کر دی گئی تھی۔ اُس کا نہ صرف یونیورسٹی جانا بند کر دیا گیا تھا۔ بلکہ صبح شام گھر والوں کی حقارت آمیز نظریں اور باتیں بھی برداشت کرنا پڑتی تھیں۔ رقیہ بیگم کو شہلا کی حرکات مشکوک لگنے لگی تھیں۔ جس کی وجہ سے ایک سال بعد ہونے والی شادی اُنہوں نے ایک ہفتے کے اندر اندر رکھا والی تھی۔ شہلا اس سب پر بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ بہت مشکلوں سے چھپ کر اُنہوں نے ہمایوں سے رابطہ کیا تھا۔ جب اور کوئی حل نہ ملتا بارات سے ایک دن پہلے وہ ہمایوں کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھیں۔

اس قدر بدنامی اور دھوکے پر رقیہ بیگم کے سسرال والوں نے شہلا کے کیے کا بدلہ اُن سے لیتے اُنہیں طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔

رقیہ بیگم دن رات اُٹھتے بیٹھتے شہلا کو بد دعائیں دیتے نہ تھکتی تھیں۔ یہ واقعہ گزرے ابھی دو سال ہی ہوئے تھے۔ جب ایک صبح نماز کے لیے جاتے تنویر صاحب کو گیٹ کے سامنے ایک چھوٹی سی نومولود بچی کمبل میں لپیٹی نظر آئی تھی۔ جسے خدا ترسی میں اُٹھا کر وہ اندر لے آئے تھے۔ بچی کے کمبل سے فاخرہ بیگم کو ایک خط ملا تھا۔ جس پر لکھی تحریر اُن سب کے چہروں پر غم و غصے کی لہر دوڑا گئی تھی۔

یہ بچی شہلا کی بیٹی دل آویز تھی۔ شہلا کسی شدید مصیبت کا شکار تھی۔ اُس نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں سے دل آویز کو پناہ دینے کی بھیک مانگی تھی۔ یہ سب پڑھتے رقیہ بیگم نے سختی سے انکار کرتے اپنے بھائی سے بچی کو فوراً باہر پھینک دینے کا کہہ دیا تھا۔ وہ اُس عورت کی بیٹی کو ایک پل کے لیے بھی اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ سب لوگ ایسا کر بھی گزرتے مگر شہلا کے فادر ذکر یا صاحب نے دل آویز کو سینے سے لگاتے سب کے منہ وہیں بند کر دیئے تھے۔ اُن کے مطابق شہلا کا قصور ناقابلِ معافی تھا۔ مگر اُس سب میں اس معصوم بچی کا کوئی قصور نہیں تھا۔

جب تک دل آویز کے ناننانی زندہ رہے تھے۔ سب کا رویہ اُس کے ساتھ اچھا نہیں تو بُرا بھی نہیں تھا۔ مگر اُن کے آنکھیں موندتے ہی دل آویز کے بُرے دن شروع ہوئے تھے۔ رقیہ بیگم نے تو اُسے اپنی ٹھوکروں پر ہی رکھ لیا تھا۔ ہر وقت وہ اُسے اُس کی ماں کے حوالے سے طعنے دیتے نہ تھکتی تھیں۔ اکثر اوقات تو اُس کے کردار پر بھی انگلی اٹھانے سے بھی باز نہیں آتی تھیں۔ دل آویز شروع سے ہی بہت حساس بچی تھی۔ اپنی اکلوتی خالہ اور ماموں ممانیوں کا ناروا سلوک اُس کے معصوم دل کو زخمی کر کے رکھ دیتی تھی۔ مگر وہ اپنی ساری سچائی سے واقف تھی۔ اُس کے مطابق اُسے یہاں پناہ دے کر ان لوگوں نے بہت بڑا احسان کیا تھا اُس پر۔ جسے وہ زندگی بھر نہیں اتار سکتی تھی۔ لیکن ایک حقیقت سے وہ ناواقف تھی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ذکر یا صاحب نے مرنے سے پہلے جائیداد کا کچھ حصہ اُس کے نام کر دیا تھا۔ شاید وہ جانتے تھے کہ اُن کے بعد دل آویز کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا۔ رقیہ بیگم سمیت باقی سب گھر والے صرف اسی جائیداد کی وجہ سے مجبور ہو کر اُسے اپنے گھر میں برداشت کیے ہوئے تھے۔ دل آویز کے بیس سال کا ہونے تک اُس کی جائیداد اُس کے نام سے نہیں اتاری جاسکتی تھی۔

شہلا بیگم کا اُس کے بعد کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ اور نہ ہی دل سمیت اُن کے بارے میں کوئی پتا لگوانا چاہتا تھا۔ دل آویز اپنی پوری زندگی محرومیوں میں گزارنے کے بعد بھی اپنے چہرے پر اپنا غم نہیں لانے دیتی تھی۔

اُسے خود کو بچا رہ دیکھا کر دوسروں کی ہمدردیاں سمیٹنا بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ بظاہر دل آویز کو دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ اس لڑکی کو کوئی غم نہیں ہے۔ وہ ہر وقت شرارتیں کرتی ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ مگر کوئی اُس کے دل سے پوچھتا وہ اندر سے کتنی ٹوٹی بکھری ہوئی تھی۔ اُس کی زندگی کی کوئی ایک رات بھی ایسی نہیں گزری تھی۔ جس میں وہ رو کر نہ سوئی ہو۔ رقیہ بیگم اور گھر کے باقی لوگوں کی باتیں اُس وقت تو وہ معمول کے مطابق لا پرواہ بن کر سن لیتی تھی۔ مگر یہ سب باتیں اُسے بہت بُری طرح افیکٹ کرتی تھیں۔

”ہم لوگ کچھ نہیں کر سکتیں کیا۔ اگر ہم لوگ کسی طرح جا کر اُس زورین شاہ سے بات کریں۔ اُسے منانے کی کوشش کریں تو کیا پتا وہ مان جائے۔“

دل بیڈ پر سیدھی ہو کر بیٹھتے بولی۔ اُس دن پیر میں آئی موج سے اُسے بہت درد تھا۔ جس کی وجہ سے وہ دو دن تک بیڈ سے نیچے نہیں اُتر پائی تھی۔ مگر اب اتنے آرام کے بعد وہ کافی بہتر فیل کر رہی تھی۔ یہ بھی اُن تینوں کی مسلسل نگرانی کی وجہ سے ہوا تھا۔ ورنہ دل نے خود تو ایک منٹ کے لیے بھی ٹک کے نہیں بیٹھنا تھا۔

دل کی ساتھ اگر گھر کے بڑوں کا رویہ بہت بُرا تھا۔ تو تمام کزنز اُس پر جان چھڑکتے تھے۔ سوائے ایک تقی کہ۔ جو ہر وقت اپنی ماں کی طرح اُس کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ حُسن کے معاملے میں اللہ نے اُسے جی بھر کر نوازا تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر اُسے بہت ساری مشکلات بھی فیس کرنی پڑتی تھی۔

اُس نے خود تو اپنے ماں باپ کو نہیں دیکھا تھا۔ مگر اُسے رقیہ بیگم کے طعنوں میں ہی سننے کو ملا تھا۔ کہ اُس کے ماں باپ دونوں ہی بہت خوبصورت تھے۔ اُن کا حُسن اور دلکشی ہی اُسے وراثت میں ملی تھی۔

”اچھا اور تمہیں لگتا ہے وہ شخص ہمارے انتظار میں ہی بیٹھا ہو گا نا۔ کہ سویرا اور دل میڈم آئیں اُن کے ایک بار کہنے پر اُن کی بات مان لوں۔“

سویرا دل کی بچکانہ بات پر اُس کا مذاق بناتے بولی تھی۔

”تم کبھی مجھے سیریس مت لینا۔ ٹرائے مارنے میں کیا حرج ہے۔ بات تو ویسے ہی بگڑی ہوئی ہے۔ اس لیے مزید بگڑنے کا ڈر ہی نہیں ہے۔ کیا پتا ہمارے بات کرنے سے سدھر ہی جائے۔“

دل آگے ہو کر لیپ ٹاپ اٹھاتی ابھی بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

”معاملہ سدھرے گا یا نہیں۔ لیکن اگر گھر والوں کو تمہارے اس کارنامے کا پتا چلا تو اس بار رقیہ پھوپھو نے تمہاری ہڈیاں پسلیاں ایک کر دینی ہیں۔“

سویرا نے اُسے باز رکھنا چاہا تھا۔

”وہ تو ایک نہ ایک دن اُنہوں نے کرنی ہی ہیں۔ تم مجھے زیادہ ڈراؤ مت۔ ادھر آؤ پہلے زورین شاہ کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس چیک کرتے ہیں کہ مسٹر ہیں کیسے۔ کوئی ادھیڑ عمر بڑھا ہے یا پھر کوئی سر پھر انو جوان۔ اُسی کے لحاظ سے پلاننگ کر کے جائیں گے۔“

دل نے اُس کی کسی بھی بات کو خاطر میں لائے بغیر لپٹا پُر اپنی توجہ مرکوز کی تھی۔ سویرا بھی ہلکا سا کھسکتی اُس کے ساتھ آ بیٹھی تھی۔ جب کچھ دیر بعد زورین شاہ کی پروفائل پر جو پکچر واضح ہوئی تھی۔ اُسے دیکھ وہ دونوں ہی اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھیں۔ ایک اُس شخص کی شاندار پرسنلیٹی اور بے پناہ وجاہت سے جبکہ دوسری صدمے سے کیونکہ یہ وہی شخص تھا۔ جسے وہ پچھلے دو دنوں سے نجانے کتنی بار کوس چکی تھی۔ اسی نے ہی تو کسی اچھوت چیز کی طرح اُسے اٹھا کر بے دردی سے زمین پر پٹنچا تھا۔

”کب ملنے جانا ہے اس بندے سے۔ میں بھی تمہارے ساتھ آؤں گی۔“

سویرا کی نظریں سکرین سے ہٹنا مشکل ہو رہی تھیں۔ جس پر دل نے اُسے شرم دلائی نظروں سے گھورا تھا۔

”رہنے دو تم ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس نے کونسا ہماری بات ماننی ہے۔ جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

دل بے دلی سے لپٹا پُر بند کرتے بولی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی۔ ابھی تو تم بضد تھی جانے کے لیے۔ پھر اچانک کیا ہوا۔ تم ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ہمیں ایک بار جانا تو چاہیے کیا پتہ لڑکیاں دیکھ وہ پیسج جائے اور ہماری بات مان لے۔“

زورین شاہ کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد اب سویرا کسی صورت پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ جس کے بعد دل کو اس بات کے لیے راضی کر کے ہی دم لیا تھا اُس نے۔



”زاہد صاحب سب ارینجمنٹس ہو گئے نا۔ آپ نے ایک بار دوبارہ چیک کر لیا سب۔“

سُلین عجلت میں اندر داخل ہوتے بولی۔

آج اُس کے ریسٹورنٹ میں سیمینار منعقد کیا گیا تھا۔ جو کچھ کچھ گھنٹوں بعد شروع ہو جانا تھا۔ اس سب کی تیاری وہ پچھلے ایک ہفتے سے کر رہی تھی۔ ابھی حبیب صاحب سے ملنے جانے کی وجہ سے وہ تھوڑا لیٹ ہو گئی تھی۔

”جی میم سب کچھ پرفیکٹ ہے۔ میں نے اور قاسم سر نے سب کچھ چیک کر لیا ہے۔“

زاہد سُلین کا فکر مند چہرہ دیکھ تسلی دیتے بولا تھا۔

”مگر قاسم ہے کہاں۔“

سُلین کو قاسم اپنے کیمین میں بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ورنہ اُس کے ریسٹورنٹ آتے ہی سب سے پہلے وہ ہی اُس کے سامنے حاضر ہوتا تھا۔

”میم وہ انہیں کسی ضروری کام سے جانا تھا۔ ابھی تھی تھوڑی دیر پہلے ہی نکلے ہیں۔ کہہ رہے تھے آدھے گھنٹے تک آجائیں گے۔“

زاہد اُسے تفصیل بتاتے بولا تھا۔

”اوکے آپ ایک بار جا کر اندر چیک کر لیں۔ کھانے کی تیاری کہاں تک پہنچی۔“

زادہ کو اندر بھیج کر سُلین نے ایک طائرانہ نظر ہال میں بیٹھے لوگوں پر دوڑائی تھی۔ جب اُس کی نگاہ ایک ٹیبل پر جا کر ٹھہر گئی تھی۔ اُس نے آنکھیں جھپک کر دوبارہ اُس جانب دیکھا تھا کہ کہیں یہ اُس کی نظر کا دھوکا تو نہیں تھا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ وہی اجنبی شخص آج یکسر بدلے سے حلیے میں اُس کے ریستورنٹ میں بیٹھا تھا۔ جسے اُس ایک ملاقات کے بعد سے سُلین اپنے زہن سے نکال نہیں پائی تھی۔

سیاہ قمیض شلوار میں ملبوس کف کہنیوں تک فولڈ کیے۔ سیاہ گھنے بالوں کو جیل کی مدد سے ماتھے پر سیٹ کیے سُلین کو وہ اُس دن سے کہیں زیادہ ہینڈ سم اور ڈیشننگ لگا تھا۔ مگر چہرے کے نقوش ویسے ہی سرد اور کھردرے سے تھے۔ اپنے سامنے بیٹھے شخص سے بات کرتے خود پر کسی کی نظروں کی تپیش برداشت کرتے اچانک اُس نے اپنی مقناطیسی نگاہیں اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ سُلین جو پورے انہماک سے اُس کا جائزہ لینے میں مگن تھی۔ ہڑبڑا کر فوراً اُس نے نظروں کا زاویہ بدلتے رُخ موڑ لیا تھا۔ دل زور زور سے دھڑکتے باہر آنے کو تیار ہو گیا تھا۔ اپنے مزاج کے خلاف کی جانے والی اس حرکت پر شرمندگی نے الگ گھیرے میں لے لیا تھا۔

کاؤنٹر پر پڑی فائز کھول کر اُن میں خود کو مصروف ظاہر کرتے کافی دیر بعد اُس نے پلٹ کر اُس جانب دیکھا تھا۔ مگر اب وہ اُس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

سُلین کو اپنی اس بے اختیاری کی خود بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کہ آخر وہ کیوں بار بار اس شخص کی جانب متوجہ ہو رہی ہے۔ ابھی وہ وہاں سے ہٹنے کا سوچ ہی رہی تھی۔ جب ریستورنٹ کی مین انٹرنس سے چارپانچ غنڈے نما شخص کو اسلحہ

اُٹھائے اندر آتا دیکھ سُلین کی حالت غیر ہوئی تھی۔ وہ بنا ارد گرد بیٹھے لوگوں پر دھیان دیئے سیدھا سُلین کی جانب بڑھے تھے۔

حال میں بیٹھے لوگ اپنی جگہ سہم گئے تھے۔ کیونکہ اُن کا ایک ساتھی انٹرنس میں راستہ روکے کھڑا ہو گیا تھا۔ کوئی شخص باہر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔

”کون ہو تم لوگ۔“

سُلین ابھی اتنا ہی بولی تھی۔ جب اُن لوگوں میں سے ایک نے اُس کی کنپٹی پر بندوق رکھتے اُس کے باقی الفاظ وہیں روک دیئے تھے۔



”ہمیں زورین شاہ سے ملنا ہے۔“

دل نک سک سے تیار نہایت مہذب لہجے میں ریسپشن پر بیٹھی انتہائی سٹائلش سی لڑکی سے مخاطب ہوئی تھی۔ جس کے آگے دل کو اپنی تیاری صفر لگ رہی تھی۔

”میم کیا آپ کی کوئی اپائنٹمنٹ ہے سر سے۔“

وہ لڑکی پروفیشنل لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ دل نے پلٹ کر اپنے پیچھے کھڑی سویرا اور لائبر کو دیکھا تھا۔ جنہوں نے اُسے ہاں میں جواب دینے کا اشارہ کرتے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

“جج جی اپائنٹمنٹ لے کر ہی آئے ہیں ہم۔ آپ پلیز اُن سے ملو ادیں۔ ہمیں بہت امپورٹنٹ بات کرنی ہے اُن سے۔“

دل اپنے لہجے کو نارمل رکھتے صفائی سے جھوٹ بول گئی تھی۔

”اوکے میں چیک کرتی ہوں۔ آپ اپنا نیم بتائیں پلیز۔“

دل آویز کے نام بتانے پر وہ لڑکی ناقدانہ نظروں سے اُس کے حلیہ کا جائزہ لیتی فائلز پر زورین شاہ کی آج کی اپائنٹمنٹس دیکھنے لگی تھی۔

لائٹ پنک پرنٹڈ فرائم میں ہم رنگ دوپٹہ سر پر اوڑھے وہ حُسن کی مورتی سادگی کے باوجود نظریں بھٹکانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اُس کی گول مٹول سی آنکھیں بہت ہی منفرد اور دلکشی بھری تھیں۔ جن میں چھپی اُداسی اور ویرانیاں مقابل کو اپنی جانب متوجہ کر دیتی تھیں۔ پنک لبوں کے اوپری حصے پر سب سے سیاہ تل کی تو چھب ہی نرالی تھی۔ چہرے پر سچی شفاف ہنسی اور آنکھوں کی سوگواریت مل کر دل آویز کے حُسن کو مزید دو آتشہ بنا دیتی تھیں۔

”آئم سوری میم۔ آپ کی آج سر کے ساتھ کوئی اپائنٹمنٹ نہیں ہے۔“

ریسپنشنسٹ معذرت خواہ انداز میں بولی تھی۔ وہ اُن لڑکیوں کے حلیے دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی۔ کہ زورین شاہ کی اُن سے کوئی اپائنٹمنٹ نہیں ہوگی۔ اپنے لباس کے سٹینڈرڈ سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔

”آپ پلیز ہمیں ایک بار اُن سے ملنے دیں۔ ہم اُن کا زیادہ ٹائم نہیں لیں گی۔ پلیز بہت ضروری بات کرنی ہے اُن سے۔“
اب کی بار سویرا آگے ہوتی ملتچی لہجے میں بولی تھی۔

”آئم سوری میم اس معاملے میں، میں آپ کی کوئی ہیلپ نہیں کر سکتی۔“

وہ لڑکی دو ٹوک لہجے میں کہتی رُخ پھیر گئی تھی۔ سویرا نے نا اُمیدی بھری نظروں سے دل کی جانب دیکھا تھا۔ جس کے چہرے پر ابھی بھی کچھ سوچتے چمک برقرار تھی۔

”ایک آئیڈیا ہے میرے پاس۔“

وہاں سے ہٹ کر ویٹنگ روم میں صوفے پر آکر بیٹھتے دل پُر اسرار مسکراہٹ سے اُن دنوں کی جانب دیکھتے بولی تھی۔
”بیٹا تمہارے آئیڈیاز پر عمل کر کے گھر میں تو کسی نہ کسی طرح بچت ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر یہاں پکڑے گئے تو ان لوگوں نے بنا دوسری بات کیے پولیس کے حوالے کر دینا ہے۔“

لائبہ اُس کا آئیڈیا سننے سے پہلے ہی انکاری ہوئی تھی۔

”ایک منٹ اُس کی سن تو لو پہلے۔“

سویرا لائبہ کو چپ کر رواتی دل کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

”کسی طرح زورین شاہ کے آفس روم کا پتا لگواتے ہیں۔ اُس میں چھپ کر کیسے گھسنا ہے۔ یہ میں بتاؤں گی۔ کیونکہ جب یہ لوگ زورین شاہ سے سفیان اور ماموں لوگوں سے نہیں ملنے دے رہے تو ہمارا ملنا ناممکن سی بات ہے۔ ایک بار اُس تک پہنچ گئی ہم۔ پھر اُس کے پیر پکڑ کر منانا پڑا وہ بھی کر لیں گے۔“

دل نے بات ختم کرتے اُن دونوں کی جانب دیکھا تھا۔ جن کے چہرے صاف بتا رہے تھے کہ وہ اُس کا ساتھ دینے کے حق میں ایک پرسنٹ بھی نہیں تھیں۔

”دل واپس چلو۔ ہر طرف کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے۔ یہاں بے وقوف لوگ بیٹھے اتنا بڑا آفس چلا رہے ہیں۔ ایک سیکنڈ میں پکڑ لینا ہے انہوں نے ہمیں۔“

سویرا اُس کا ہاتھ کھینچ کر اٹھتے ہوئے بولی۔

”کتنی ڈرپوک ہو تم لوگ۔ وہ بے وقوف نہیں ہونگے۔ مگر دل آویز جتنے عقل مند بھی نہیں ہیں۔ تم لوگ ساتھ نہیں آسکتی یہاں بیٹھ تو سکتی ہونا۔“

دل اُن دونوں کو وہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتی اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

”دل تم پاگل ہو گئی ہو کیا۔ پلیز مت جاؤ۔ اگر پکڑی گئی تو بہت بُرا ہونا ہے۔“

سویرا نے اُسے ضد پر اڑا دیکھ باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔

”اچھا۔ آج تک تو جیسے بہت اچھا ہوتا آ رہا ہے میرے ساتھ۔ کیا فرق پڑتا ہے تھوڑا سا اور بُرا ہو جائے گا۔ عادت ہو چکی ہے مجھے اب یہ سب برداشت کرنے کی۔ کیا پتا میری وجہ سے باقی سب گھر والوں کا اچھا ہو جائے۔ تم لوگ یہیں بیٹھنا۔ مجھے چھوڑ کر بھاگ مت جانا۔“

دل تلخی بھری مسکراہٹ چہرے پر سجائے اُن دونوں کو وہیں خاموش کر گئی تھی۔ آخر میں اپنی مخصوص مسکراہٹ سے انہیں کو ہدایت دیتی وہ آگے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

ارد گرد بنے کیبنز میں بیٹھے کام کرتے لوگوں کو دیکھتی وہ خود کو پوری طرح کانفیڈنٹ ظاہر کرتی گزر کر آگے جا رہی تھی۔
اتنی دیر سے مٹر گشت کرنے کے بعد بھی اُسے کہیں زورین شاہ کے آفس کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔
”صابر صاحب آپ کو باس اوپر اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔“

وہ نا اُمید ہو کر واپس پلٹنے لگی تھی۔ جب یہ آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

”کتنی بڑی گدھی ہو تم دل۔ یہ کیسے بھول گئی کہ اس بلڈنگ میں اور بھی پورشنز موجود ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے اُس
زورین شاہ کا آفس اوپر والے پورشن پر ہے۔“

دل خود کو ڈپٹی کچھ فاصلے پر بنی سیڑھیوں کا جائزہ لینے لگی تھی۔ جہاں ابھی کافی لوگ آ جا رہے تھے۔ وہ با آسانی اُن کے
درمیان سے گزر کر جاسکتی تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں موجود دروازوں میں سے بھلا اُسے کس نے پہچانا تھا۔

جس شخص کو دوسرے آدمی نے صابر صاحب کہہ کر پکارا تھا۔ اُسے اوپر جاتا دیکھ دل اُس کے پیچھے ہولی تھی۔

ایک دور اہداریاں عبور کرنے کے بعد اُسے وہ شخص ایک دروازے کی جانب جاتے دیکھائی دیا تھا۔ جس کے اوپر لگا بورڈ

دیکھ دل کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ اپنی منزل کے کافی قریب پہنچ چکی تھی۔ اب بس اندر جا کر

اُس حد درجہ بد مزاج اور کھڑوس شخص سے بات کرنی تھی۔ جس بارے میں سوچ کر ہی اب اُس کی ٹانگیں کانپ رہی

تھیں۔ جس شخص نے بیچ راستے میں اُسے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اور نہایت بُرے طریقے سے بات کی تھی۔ اب پتا نہیں وہ اُس

کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا تھا۔ جب وہ چوری چھپے اُس کے آفس میں گھس رہی تھی۔

ایک بار اُس کا دل چاہا تھا یہیں سے پلٹ جائے۔ لیکن سب گھر والوں کو اس مشکل سے نکالنے کی وہ ایک کوشش ضرور کرنا چاہتی تھی۔ زورین شاہ کے اُس دن والے خونخوار اور بے رحم تاثرات یاد کر کے دل ہی دل میں کلمہ پڑھ چکی تھی۔ خود کو نارمل کرنے کے لیے ابھی اُسے مزید وقت چاہئے تھا۔ مگر صابر صاحب کو باہر نکلتا دیکھ وہ گہری سانس خارج کرتی مرے مرے قدموں سے اُس جانب بڑھی تھی۔ آفس کے آس پاس کسی کو نہ پا کر دل بنا ایک لمحے کی بھی دیر کیے دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی تھی۔

اتنا بڑا اور شاندار آفس دیکھ دل کی آنکھیں پوری واں ہوئی تھیں۔ اُس نے فوراً نظریں گھما کر سامنے پڑے شیشے کے بڑے سے ٹیبل کے پیچھے پڑی خالی کرسی کی جانب دیکھا تھا۔ وہاں زورین شاہ کو موجود نہ پا کر اُس کا دل کسی حد تک پرسکون ہوا تھا۔ مگر ساتھ تشویش بھی بڑھی تھی۔ کہ اگر یہاں نہیں تھا تو آخر وہ شخص تھا کہاں۔ پورے کمرے میں نظریں گھمانے کے باوجود وہ اُسے کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔

اُس کی اشتیاق بھری نظریں آفس میں موجود ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جب اچانک اُس کی نظر زورین کی کرسی کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایک بہت ہی کیوٹ سی بچی کی تصویر کی جانب اُٹھی تھی۔ پنک بے بی فراک میں ملبوس بالوں کی دو پونیاں کیے پھولے پھولے گالوں والی وہ بچی بے فکری سے مسکراتی دل کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔ خود بخود ہی اُس کے قدم اُس تصویر کی جانب اُٹھے تھے۔

اُس نے قریب پہنچ کر ہاتھ بڑھا کر تصویر کو اٹھانا ہی چاہا تھا۔ جب کمرے میں گونجتی گھمبیر آواز اُس کا خون منجمد کر گئی تھی۔

”ہاتھ مت لگانا اُسے۔ ورنہ اس غلطی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی تمہیں۔“

دل نے فوراً ہاتھ واپس کھینچتے گھبرا کر آواز کی سمت کا تعین کرنا چاہا تھا۔ زورین شاہ آفس میں ہی بیٹھ کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ مگر کہاں سے ہر طرف نظریں دوڑانے کے باوجود بھی دل جان نہیں پائی تھی۔

وہ ابھی اسی شش و پنج میں مبتلا تھی۔ جب بھاری قدموں کی دھمک پر اُس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دائیں جانب دیکھا تھا۔

دیوار کے پینٹ کے ڈیزائن کے بنے کرٹن جنہیں وہ دیوار کا ہی حصہ سمجھ رہی تھی ہٹا تا وہ باہر نکلتا دیکھائی دیا تھا۔

”کون ہو تم۔ کس کی اجازت سے میرے آفس میں قدم رکھا ہے تم نے۔“

زورین شاہ کے چہرے کے خطرناک تاثرات دیکھ اُس کی جان ہوا ہوئی تھی۔

”مجھے آپ سے بات۔۔۔۔۔“

دل بہت دقتوں سے اتنا ہی بول پائی تھی۔

”جسٹ شٹ اپ۔۔۔۔۔ تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے آفس میں گھسنے کی۔ زورین شاہ تم جیسے لوگوں سے بات کرے

گا۔ سوچ بھی کیسے لیا تم نے۔ اتنا گرا ہوا سٹیٹس بالکل بھی نہیں ہے میرا۔“

آج تک زورین کے قریبی ترین لوگوں نے بھی بنا اجازت اُس کے آفس میں آنے کی گستاخی نہیں کی تھی۔ اس لڑکی کا اس

طرح چھپ کر آفس میں داخل ہونا اور اس طرح اُس کی پرسنل چیزوں کو چھونے کی کوشش کرنا اُسے بے حد غصہ دلا گیا

تھا۔

جبکہ دوسری جانب اپنے گھر والوں کی ہر طرح کی کڑوی کسلی باتیں سننے والی دل آویز کسی غیر کے منہ سے اپنے لیے ایسے حقارت آمیز جملے نہیں سن پائی تھی۔

”لڑکیوں سے بات کرنے کی زرا تمیز نہیں ہے آپ کو۔ آپ کا سٹینڈرڈ کس حد تک گرا ہوا ہے وہ تو نظر آ ہی رہا ہے۔ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے آپ جیسے انسان سے بات کرنے کا۔ مجبوری تھی اُسی کے تحت آئی ہوں۔“

اُس کا دل اندر سے سوکھے پتے کی طرح کانپ اُٹھا تھا۔ مگر بظاہر ایسا کچھ ظاہر نہ ہونے دیتے اُس نے اپنا حساب برابر کیا تھا۔ اپنے بڑوں کے علاوہ وہ کم ہی کسی کی سنتی تھی۔

زورین اس چھٹانک بھر کی لڑکی کی اتنی جرأت پر کچھ پل کے لیے حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے غصے سے بھرپور ہوا۔ آگے بڑھا تھا۔

”تو تم مجھے بتاؤ گی میرے سٹینڈرڈ کے بارے میں۔ زورین شاہ کو۔“

زورین شاہ کے جارحانہ تیور دیکھ دل کو اچانک خیال آیا تھا۔ کہ وہ یہاں معاملہ بگاڑنے نہیں سنبھالنے آئی ہے۔

”آتم ریلی سوری سر میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ آپ پلیز ایک بار تحمل سے میری بات سن لیں۔“

دل گھبرا کر ٹیبل کے ساتھ لگتی اپنا لہجہ نرم کرتے بولی تھی۔ کیونکہ وہ اب اُس کے سر پر آن پہنچا تھا۔

”تم خود ہی آرام سے میرے آفس سے نکل جاؤ گی یا گارڈز کو بلا کر دھکے دے کر نکلاؤں۔“

زورین شاہ دانت پیستے بہت مشکل سے اُسے برداشت کیے ہوئے تھا۔ اگر وہ صنفِ نازک نہ ہوتی تو اب تک زورین شاہ اُسے

اُس کی ان گستاخیوں کا سبق سیکھا چکا ہوتا۔

دل نے اِس سے پہلے بھی بہت سارے سخت گیر لوگ دیکھے تھے۔ مگر ایسا گھمنڈی اور اکھڑ مزاج انسان سے اُس کا پہلی بار پالا پڑ رہا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں پار ہی تھی۔ کیسے اِس بد لحاظ شخص کو ہینڈل کرے۔

جب اچانک اُس کی نظر واپس اُسی بچی کی تصویر پر پڑی تھی۔

”دیکھیں پلیز ایک بار ٹھنڈے دماغ سے میری بات سن لیں۔ پھر میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔ آپ کو آپ کی اِس پیاری سی گڑیا کا واسطہ پلیز میری بات سن لیں۔“

دل زورین شاہ کا اُس تصویر کو دیکھ کر آنکھوں میں ابھرنے والا نرم تاثر دیکھ چکی تھی۔ اِس لیے وہ اُس بات کا سہارا لیتے بولی تھی۔ اِس کے علاوہ اِس سچویشن میں اُسے اور کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا۔

”تم۔۔۔۔۔“

زورین نے اُس کی اتنی جرأت پر نجانے کیسے ہونٹ بھینچتے خود پر ضبط کیا تھا۔ یہ لڑکی مسلسل اُس کا صبر آزما رہی تھی۔

”پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔ اُس کے بعد اگر تم یہاں سے نہ نکلی تو میں خود تمہیں اٹھا کر اِس کھڑکی سے باہر پھینکوں گا۔“

زورین اپنی کرسی پر جا کر بیٹھتے اُس کو اپنی آگ اُگلتی نظروں کے حصار میں لیے بولا تھا۔ جو دیکھنے میں خود بھی کسی گڑیا سے کم نہیں تھی۔ سر پر لیا پینک دوپٹہ سلکی بالوں سے پھسل کر کندھوں پر آن گرا تھا۔ ڈھیلی ڈھالی چٹیا سے نکلے بال اُس کے چہرے کے ارد گرد پھیلے اُس کی معصومیت میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ گول مٹول سی باربی جیسی آنکھیں زرا زرا سی بات پر پوری واں ہوتیں مقابل کو پینوٹائز سا کر دیتی تھیں۔ ٹینش کی وجہ سے پینک ہونٹ دانتوں کا ظلم سہتے سہتے زخمی ہو چکے تھے۔

زورین شاہ نے ایک نظر اُس پر ڈال کر واپس موڑ لی تھی۔ وہ خود بھی سمجھ نہیں پارہا تھا کہ وہ کیوں اس لڑکی کو برداشت کر رہا ہے۔ تھی تو یہ عام سی لڑکی پھر کیوں وہ اُسے یہاں سے نکال نہیں پارہا تھا۔ زورین شاہ پہلی بار ایسی کسی کیفیت کا شکار ہوا تھا۔ یہ اس لڑکی سے اُس کی دوسری ملاقات تھی۔ اور دونوں بار ہی وہ اپنے مزاج کے خلاف جارہا تھا۔ ورنہ اجنبی لوگوں کے لیے وہ اس سے بھی زیادہ بُرا انسان تھا۔ جتنا اس وقت دل کو لگ رہا تھا۔

”آپ پلیز ذکر یا انڈسٹری اینڈ سنز کو۔۔۔۔“

دل ابھی اتنا ہی بولی تھی۔ جب وہ چہرے پر طنز یا مسکراہٹ سجائے اُسے بیچ میں ہی ٹوک گیا تھا۔
”اوہ تو اب وہ لوگ یہ ہتھکنڈ اپنانے پر اتر آئے ہیں۔ جب مردوں سے بات نہیں بن پائی تو گھر کی لڑکی کو میرے آگے پیش کر دیا۔۔۔۔ امیزنگ۔۔۔۔ میری سوچ سے بڑھ کر بے غیرت ثابت ہوئے ہیں تمہارے گھر کے مرد۔“
زورین شاہ زہر خند لہجے میں بولا تھا۔ اُس کے نفرت میں ڈوبے لہجے پر دل ساکت سی اُسے دیکھ گئی تھی۔ مطلب وہ اُن کے ساتھ یہ سب جان بوجھ کر کر رہا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا اتنی بڑی عمارت میں باس کی کرسی پر براجمان شخص کی سوچ اتنی گھٹیا ہوگی۔ اللہ کے کرم سے میرے خاندان کے مرد بہت ہی غیرت مند ہیں۔ اُن کے لیے صرف اپنے خاندان کی عورتیں ہی نہیں بلکہ ہر عورت قابلِ عزت ہے۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں یہاں آئی ہی کیوں۔ پہلی ملاقات میں ہی مجھے اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ آپ جیسا بے حس اور خود غرض انسان بھلا کیسے کسی کی مدد کر سکتا ہے۔ جس کی سوچ اتنی گھٹیا اور گری ہوئی ہے۔“

دل بناڈرے بھری ہوئی شیرنی بنی زورین شاہ پر چلائی تھی۔ جس کی طاقت کے آگے ایک دنیا اُسے جھک کر سلام کرتی تھی۔ جس سے صرف اُس کے مزاج کے خلاف بات کرنے والے لوگ سزا کے حقدار ٹھہرتے تھے۔ دل تو پھر اتنی دیر سے اُس کے سامنے نجانے کیا کچھ بول چکی تھی۔ مگر اُس کی اب کی کہی بات زورین شاہ کا ضبط ختم کر گئی تھی۔

”ہاؤڈیر یو۔۔“

زورین اپنی جگہ سے اٹھتا دل کی جانب بڑھا تھا۔ جسے اُس کے خطرناک تیور دیکھ سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ مگر اُس کے مزید دور جانے سے پہلے ہی زورین شاہ اُس کی کلائی دبوچ کر اُسے اپنی جانب کھینچ چکا تھا۔ دل کا سر سیدھا زورین کے فولادی کندھے سے ٹکراتا اُس کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا۔ اس افتاد پر اُس کا دل سینے میں لرز اٹھا تھا۔

مگر دل کو اپنی کہی جانے والی بات پر بالکل بھی پچھتاوا نہیں تھا۔ اس شخص کی اتنی گھٹیا بات کا اس سے اچھا جواب کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس کے اس لمبے چوڑے وجود کا مقابلہ کرنا بھی دل کے بس کی بات بالکل بھی نہیں تھی۔ اس خوف کے زیر اثر اُس کا چہرہ ازرد پڑا تھا۔

”چھوڑیں مجھے مسٹر زورین شاہ یہ کیا بد تمیزی ہے۔ آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔“

دل چہرہ اوپر کرتی اُس کی گرفت سے اپنا بازو نکالنے کی کوشش کرتے بولی تھی۔

”کیوں اتنا برا کیوں لگ رہا ہے تمہیں۔ اسی کام کے لیے ہی اس طرح تنہا میرے آفس بھیجا گیا تھا نا تمہیں۔“

زورین اُس کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کرتا اُسے اپنے قریب کرتے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ سجائے اُس کو مزید سہا گیا تھا۔

”پپ پلیر ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔“

دل کی ساری بہادری اُس کے تیور دیکھ ہوا ہوئی تھی۔

”ویسے اتنی بُری بھی نہیں ہوتی۔ اس آفر کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔“

زورین نے اُس کے بالوں کی لٹ چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ جسے اپنا چہرہ فوراً پیچھے کرتے دل نے جھٹک دیا تھا۔ اپنے حوالے سے اُس کی اتنی غلط بات سن کر دل کی دلفریب آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرتے زورین شاہ کو ایک لمحے کے لیے ہی سہی مگر اپنی جانب متوجہ کر گئے تھے۔

اس سے پہلے کے وہ اُسے اس بات کا کوئی جواب دیتی دروازے پر ہونے والی دستک پر اُس کی حالت مزید خراب ہوئی تھی۔ اگر کوئی اُسے اس طرح اس شخص کی بانہوں میں دیکھ لیتا تو اُس کی عزت کا جنازہ نکل جانا تھا۔ اُسے اس طرح کسی غیر اور انجان شخص کی آفس میں اکیلے آنے والی اپنی سنگین غلطی پر شدت سے کچھتا ہوا تھا۔

”کم ان۔۔۔“

دل کو لگا تھا زورین منع کر دے گا۔ مگر اُس کے ادا کیے جانے الفاظ پر دل نے نم آنکھوں سے اُس کی جانب دیکھتے سرفنسی میں ہلایا تھا۔ لیکن زورین شاہ کے چہرے کی پراسراریت میں زرا فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ ویسے ہی اُسے اپنی گرفت میں لیے کھڑا رہا تھا۔

جب اگلے ہی لمحے زورین کا پرسنل سیکرٹری اندر داخل ہوا تھا۔ تب دل نے اپنی پوزیشن پر غور کیا تھا۔ زورین کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ اُس کے آگے کھڑی دل کا نازک سراپا زورین کے چوڑے وجود کے پیچھے بالکل چھپا ہوا تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والے شخص کی نظروں سے دل بالکل اوجھل تھی۔ اس بات کا یقین کرتے دل کی سانسیں کچھ حد تک بحال ہوئی تھیں۔ مگر زورین کے پی اے کی بات سن کر اُسے اپنا آپ ہوا میں معلق ہوتا محسوس ہوا تھا۔

”سر ذکریا انڈسٹریز اینڈ سنز کے مالک تنویر ذکریا، ندیم ذکریا اور اُن کے بیٹے سفیان کو آپ کے کہنے کے مطابق کال کر دی تھی۔ وہ باہر آچکے ہیں۔“

دل کا چہرہ لٹھے کی مانند بالکل سفید پڑ چکا تھا۔ اُس نے رحم طلب نظروں سے زورین کی جانب دیکھا تھا۔

”بھیج دیں اُن کو۔“

زورین نے دل پر ثابت کر دیا تھا۔ کہ اُس جیسے سنگدل انسان نے رحم کرنا سیکھا ہی نہیں تھا۔

”چھوڑیں میرا ہاتھ۔ آپ کے لیے تو یہ سب کرنا مذاق کی بات ہوگی نا۔ مجھے میرے گھر والوں کے سامنے اس طرح پیش کر کے آپ کو زرا فرق نہیں پڑے گا۔ مگر میری زندگی برباد ہو جائے گی۔“

دل کا پورا موجود آنے والے لمحات کا سوچ کر لرز اُٹھا تھا۔ اُس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ دیکھ کر بھی اس شخص کو رحم نہیں آ رہا تھا۔

”اس میں اتنا پریشان ہونے والی کونسی بات ہے۔ جب اُنہوں نے ہی بھیجا ہے تمہیں۔ تو یہ سب دیکھ کر کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے اُنہیں۔“

زورین شاہ ابھی بھی وہی بات دوہراتا اُسے بُری طرح زچ کر گیا تھا۔

”آپ کو میری بات سمجھ کیوں نہیں آرہی۔ مجھے کسی نے نہیں بھیجا میں خود آئی ہوں۔“

دل کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ وہ بے بسی سے زورین کی گرفت میں پھنسی اُسے اپنی بات کا یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ مسلسل خود کو آزاد کروانے کے لیے مزاحمت کیے جا رہی تھی۔ جب اچانک زورین نے اُس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔
توازن برقرار نہ رکھ پاتے وہ دو قدم پیچھے لڑکھڑا گئی تھی۔

”باہر نکلنے سے پہلے ایک نظر وہاں ڈال لو۔ تمہارے غیرت مند گھروالے باہر ہی موجود ہیں۔“

دل کو سرپٹ باہر کی جانب بھاگتا دیکھ زورین اپنی کرسی کی طرف بڑھتے سامنے لگی ایل سی ڈی کی جانب اشارہ کرتے بولا
تھا۔ اُس کی بات نے دل کے قدم وہیں جکڑ لیے تھے۔ سکریں پر نظر پڑتے اُس کا خون رگوں میں منجمد ہوا تھا۔ دل بند
ہوتا محسوس ہوا تھا۔ وہ لوگ آفس کے باہر ہی موجود تھے۔ زورین کی ایک بیل بجانے کی دیر تھی۔ پین نے اُنہیں فوراً اندر
بھیج دینا تھا۔

وہ بہت بُری پھنس چکی تھی۔

”میں کیا کروں اب۔ پلیز میری مدد کریں۔“

دل کچھ دیر پہلے جس سے بُری طرح لڑ رہی تھی۔ اور نجانے کن کن القابات سے نوازا تھا۔ اب پھر واپس کس احساس کے
تحت اُسی سنگدل سے مدد کی طلبگار تھی۔

زورین جو بڑے ہی پرسکون انداز میں اپنی کرسی پر براجمان تھا۔ دل کے اس طرح معصومیت بھرے انداز میں خوفزدہ آنکھوں سے دیکھ کر کہے جانے والی بات زورین شاہ کو اُس کی جانب متوجہ کر گئی تھی۔ ایک بھرپور نظر اس ڈری سہمی پنک گڑیا پر ڈالتے زورین کو جیسے اُس پر رحم سا آگیا تھا۔

”وہاں سننگ ایریا میں چلی جاؤ۔ کسی کو تمہاری یہاں موجودگی کا علم نہیں ہو سکے گا۔“

زورین نے اُسی جگہ کی جانب اشارہ کیا تھا۔ جہاں دل کے آنے سے پہلے وہ بیٹھا تھا۔

ایک سیکنڈ کی دیر کیے بغیر وہ فوراً اندر جا چکی تھی۔ جہاں رکھے صوفے کے عین سامنے ایل سی ڈی پر آفس کے چاروں کونوں پر لگے سی سی ٹی وی کیمراز کی فوٹیج چل رہی تھی۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں ابھی تک معمول پر آنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ تو اس شخص نے اُس کے اندر داخل ہوتے ہی اُس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔

دل نے ایک غصے بھری نظر اُس مغرور شخص پر ڈالی تھی۔ نیوی بلو پیٹ اور وائٹ شرٹ پر ٹائی لگائے نفاست سے بالوں کو سیٹ کیے۔ چمکتی روشن پیشانی پر اپنے آفس میں داخل ہوتے لوگوں کو دیکھ بل واضح ہوئے تھے۔ جو اُس کی مغروریت اور خوب روچہرے کی دلکشی میں مزید اضافہ کر گئے تھے۔ مگر اس حُسن کے دیوتا میں دل کو کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔ جو خود پسند، گھمنڈی اور انا پرست شخص ہونے کے ساتھ ساتھ انتہا کا سنگدل تھا۔

ساری زندگی محرومیوں میں گزارتے دل اپنا ہم سفر کوئی ایسا شخص چاہتی تھی۔ جو اُس سے بے پناہ محبت دے۔ اُس کی عزت کرے اور کرواتے بھی۔ دل کی نگاہیں زورین سے ہٹ کر اُس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے سفیان پر گئی تھیں۔

اُس کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ سفیان نے باقی سب کمزور کی طرح بچپن سے اب تک اُس کا بہت خیال رکھا تھا۔ کبھی کبھار تو وہ رقیہ بیگم کے سامنے بھی اُسکی خاطر کھڑا ہو جاتا تھا۔ دل بھی باقی سب سے زیادہ سفیان سے اٹیچ تھی۔ دل کی ویران آنکھوں میں پہلی دفعہ رنگ اُس دن بھرے تھے۔ جب سفیان نے اُس سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ دل کے لیے یہ چیز بہت بڑی تھی۔ اُسے یقین ہی نہیں آیا تھا۔ کہ واقعی یہ سب سفیان نے بولا ہے اُس سے۔

دل ایسا شخص ہی تو اپنی زندگی میں چاہتی تھی۔ اُس کے دل میں بھی سفیان کے لیے محبت تھی۔ یا صرف ایک انسیت وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر وہ بے پناہ خوش تھی۔ اُس کی زندگی میں اُسے چاہنے والا شخص آچکا تھا۔ جسے اُس کی پرواہ تھی۔ جو صرف اُسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ گھر والوں کا اس رشتے کے لیے کبھی رضامند نہ ہونے کا سوچ کر دل ایک بار کمزور پڑی تھی۔ وہ اپنی ماں کی طرح نہیں کرنا چاہتی تھی۔ چاہے گھر کے بڑوں نے ہمیشہ اُسے ذلیل ہی کیا تھا۔ مگر اُنہیں نے اُسے اتنے وقت سے پناہ بھی دی ہوئی تھی۔ وہ سفیان کو اپنی خاطر اپنے بڑوں کے آگے کھڑے ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ دل نے سفیان سے سب سے پہلے اسی بارے میں بات کی تھی۔ جس پر سفیان نے اُسے بھرپور یقین دلاتے مطمئن کر دیا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ وہ سب سنبھال لے گا۔ اُس پر ایک لفظ نہیں آنے دے گا۔ سفیان کے اس اعتماد نے دل کو بھی کافی حد تک مطمئن کر دیا تھا۔

دل کی نظریں سفیان سے ہٹتیں ایک بات پھر زورین شاہ کی جانب اُٹھی تھیں۔ جس کی شاندار سحر انگیز پرسنیلٹی اور بے پناہ دولت کے آگے سفیان کہیں سٹینڈ نہیں کرتا تھا۔ مگر دل کو آج اُس محاورے کی اچھی طرح سمجھ آئی تھی۔ کہ واقعی ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔

مگر وہ یہ نہیں سوچ پائی تھی۔ کہ ایک ملاقات میں ہی وہ اُس شخص کے بارے میں اتنی بڑی رائے قائم کر رہی تھی۔ جس کے نام کے علاوہ وہ اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

دل نے اپنی سوچوں سے نکتے واپس ایل سی ڈی پر نظریں مرکوز کی تھیں۔ وہ تینوں زورین کے سامنے پڑی کرسیوں پر جا بیٹھے تھے۔ خوف کے مارے دل کے پورے وجود پر لرزہ طاری ہو چکی تھی۔ وہ لوگ اُس کی یہاں موجودگی سے انجان تھے۔ جبکہ دل اندر بیٹھی اُنہیں دیکھ اور سن پار ہی تھی۔

”سر ہم پچھلے پندرہ دنوں سے آپ سے ملنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر آپ شاید اُن دنوں بہت مصروف تھے۔ اِس لیے آپ سے ملاقات نہیں ہو پائی۔“

تنویر صاحب دنیا جہاں کی خوش مزاجی لہجے میں سموئے اُس سے مخاطب ہوئے تھے۔
”جی جانتا ہوں۔ میں نے خود ہی ملنے سے منع کیا تھا۔“

کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتے وہ کافی روڈ لہجے میں بولا تھا۔ اندر بیٹھی دل دانت پیس کر رہ گئی تھی۔ جبکہ زورین کے سامنے بیٹھے وہ تینوں اپنی جگہ خفیف سے ہو گئے تھے۔

”اِس سے پہلے کے آپ لوگ کچھ کہیں میں ہی آپ کو یاد دلادیتا ہوں۔ کہ آپ لوگوں کو پہلے ہی ایک مہینے کی مہلت دی جا چکی ہے۔ مگر ابھی تک ہاف ماؤنٹ تو دور کی بات آپ ٹو نیٹی پرسنٹ بھی ادا نہیں کر پائے۔ جس کے باوجود آپ لوگوں کو میں نے ابھی تک وہاں سے نہیں نکلوایا۔ اب بھی آپ لوگ کس بنا پر مجھ سے مزید ٹائم مانگ رہے ہیں۔ کیا آپ کا یہ بیہویر پرو فیشنل ہے۔“

زورین کی اپنے مخصوص سخت لہجے میں کہی جانے والی بات نے انہیں کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔ سفیان کا زرد پڑتا چہرہ دیکھ دل زورین کو غصے سے گھور کر رہ گئی تھی۔ اتنا دولت مند ہونے کے باوجود دل کا کتنا غریب تھا یہ شخص۔ دل افسوس سے سوچ کر رہ گئی تھی۔

”سر ہم آپ کے بہت احسان مند ہیں۔ کہ آپ نے اب تک ہمارے ساتھ اتنا کا پرہیز کیا۔ مگر سر ہم اس وقت بہت مجبور ہیں۔ ہمارا پورا خاندان سڑک پر آجائے گا۔ پلیز بس ایک آخری بار ایک مہینے کی مہلت اور دے دیں۔ ہم کچھ نہ کچھ اربنچ کر لیں گے۔“

تنویر صاحب نہایت ہی پریشانی کے عالم میں بولے تھے۔ اندر بیٹھی دل جس سے ایک بار بھی پیار سے بات کرنا تو دور آج تک انہوں نے شفقت بھری نظر تک نہیں ڈالی تھی۔ انہیں اس طرح کسی کے آگے گڑ گڑاتے دیکھ اُس کی آنکھوں میں نمی بھر گئی تھی۔

”دیکھیں تنویر صاحب میں نے آپ کا خاندان سنبھالنے کا ٹھیکہ بالکل بھی نہیں اٹھایا ہوا۔ آپ خاندان روڈ پر آتا ہے یا نہیں۔ یہ میرا ہیڈک نہیں ہے۔ ایک مہینے میں جوار بیج کرنا ہے آپ نے وہ دو دنوں میں کر لیں۔ کیونکہ اس کے بعد جو ہوگا اُس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں گا۔ اب آپ لوگ جاسکتے ہیں۔“

زورین شاہ دو ٹوک لہجے میں ان پر اپنی بات واضح کرتا سامنے رکھی فائل کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ وہ لوگ بے بسی کی تصویر بنے خاموشی سے اٹھ گئے تھے۔ کیونکہ زورین شاہ کے سامنے مزید بولنا یہ دو دن کی مہلت بھی گنوانے والی بات تھی۔ دل نے افسردگی سے انہیں یوں مایوس لوٹے دیکھا تھا۔

زورین شاہ کے حوالے سے اُس کی ناپسندیدگی اور غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔

اُن لوگوں کے چلے جانے کا یقین کرتے دل غصے سے باہر نکلتی زورین کے ٹیبل کے قریب آن کھڑی ہوئی تھی۔ جو اُس کا ضبط سے لال ہوتا چہرہ اُدیکھ فائل بند کرتا مزید ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

زورین شاہ اپنا قیمتی ٹائم صرف اپنے بہت خاص لوگوں کے لیے ہی مختص کرتا تھا۔ اپنا زراسا بھی ٹائم ویسٹ کرنا اُسے بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ مگر نجانے اس لڑکی کو زچ کرنے میں اُسے اتنا مزاحیوں آ رہا تھا۔ جو اُس کے معیار پر پورا بھی نہیں اُترتی تھی۔ اور اُس کے لیے وہ الفاظ بھی استعمال کر چکی تھی۔ جسے آج تک کسی کی بھی زورین کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

”زورین شاہ آپ جیسا دل کا اتنا غریب اور چھوٹا شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اتنی دولت اور شہرت اکٹھی کرنے کا کیا فائدہ جب انسان کسی کے مشکل کے وقت اُس کے کام نہ آ سکے۔“

دل غصے سے نجانے اور بھی کیا کیا بول دیتی جب زورین شاہ کے چہرے پر آتی محظوظ کن مسکراہٹ پر اُس کی زبان کو بریک لگی تھی۔ اُس کی گول گول آنکھیں غصے سے پوری کھلتیں مزید دلکش لگنے لگی تھیں۔

”مس دل آویز اتنا ہی بولیں۔ جتنا آپ کی یہ نازک جان برداشت کر سکے۔ ایک ایک لفظ کا حساب دینا کافی مشکل ہو جائے گا۔“

زورین اپنی جگہ سے اٹھتا اُس کے مقابل آتے بولا۔ وہ کچھ ہی دیر میں دل کا سارا بائیوڈیٹا پتا لگو اچکا تھا۔ جو کہ اُس کے لیے زرا بھی مشکل نہیں تھا۔

اُس کی دھمکی پر دل کی آنکھوں میں ایک خوف کی جھلک دور گئی تھی۔ جو زورین کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔
”میں نے جو بھی کہا ہے۔ سو فیصد سچ ہے وہ۔ ابھی بھی میں اپنے الفاظ پر قائم ہوں۔ اور آپ جیسے لوگ دوسرا کے ساتھ بُرا کرنا ہی جانتے ہیں صرف۔ کسی کا بھلا کرنا آپ کے بس کی بات بالکل بھی نہیں ہے۔“
دل اُس کے مقابل آجانے پر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

”باقیوں کا تو پتا نہیں۔ مگر فلحال تم مجھے اپنے ساتھ بُرا کرنے پر اکسار ہی ہو۔ آج تک اتنی اکڑ میرے سامنے کسی نے نہیں دیکھائی۔ کیونکہ سب ہی اس کے نتائج سے اچھی طرح واقف ہیں۔ مگر تمہارا میرے سامنے اتنا کانفیڈنس قابلِ دید ہے۔
کافی ٹائم سے کوئی ایسا انسان ملا نہیں۔ لیکن اب تمہاری اکڑ ختم کرنے میں کافی مزا آئے گا۔“

زورین کے بظاہر نارمل لہجے میں کبھی جانے والی بات میں چھپے سر دپن پر دل کو اپنے گرد خطرے کی گھنٹیاں بجتی سنائی دی تھیں۔ وہ اپنی نادانی اور جذباتی پن میں نہایت غلط بندے کو چھیڑ گئی تھی۔ جس شخص کی ڈکسٹری میں معافی نام کا لفظ بالکل بھی موجود نہیں تھا۔

”کک کیا مطلب ---“

دل کو احساس ہوا تھا۔ وہ زورین شاہ جیسے پاور فل شخص سے اُلجھ کر بہت غلط کر رہی تھی۔ جو ایک جھٹکے میں اُس کی زندگی برباد کر سکتا تھا۔ زورین کو قریب آتے دیکھ اُس نے پیچھے ہٹنا چاہا تھا۔ جب بے دھیانی میں پیچھے پڑی کرسی سے اُس کا پیر اُلجھا تھا۔ اس سے پہلے کے وہ لڑکھڑا کر زمین بوس ہوتی اُس نے لاشعوری طور پر گرنے سے بچنے کے لیے زورین کی جانب مدد

کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ جسے تھا منشا یہ زورین شاہ کو اپنی شان کے خلاف لگا تھا۔ اُس کا ہاتھ تھامنے کے بجائے وہ نہایت سکون سے سینے پر بازو لپیٹ گیا تھا۔

دل کوشش کے باوجود توازن برقرار نہ رکھ پاتے پیچھے پڑے ٹیبل پر جاگری تھی۔ جس پر رکھا کینچ کا ڈیکوریشن پیس اُس کی ہتھیلی پر لگنے کی وجہ سے اُسے لہو لہان کر گیا تھا۔

زورین کو یہ سب ہو جانے کا قطعی اندازہ نہیں تھا۔ دل کا زخمی ہاتھ دیکھ وہ چند قدم آگے بڑھا تھا۔ مگر اُس سے پہلے ہی وہ سیدھی ہوتی اپنے زخمی ہاتھ کو دوپٹے کے نیچے چھپا گئی تھی۔ اُسے ہمدردیاں سمیٹنے کی عادت شروع سے نہیں رہی تھی۔ اُس کے یہاں پر بھی اپنی اکڑ دیکھانے پر زورین نے اپنے بڑھے ہاتھ کی مٹھی بھینچتے واپس پہلو میں گرا دیا تھا۔

”میں آپ کے نام سے زیادہ آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اور نہ ہی آج کی ملاقات کے بعد آئندہ کبھی آپ کی شکل دیکھنا چاہوں گی۔ کیونکہ میرے لیے دولت اور یہ مصنوعی چیزیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ میں پورے یقین سے کہتی ہوں۔ یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔ مگر آپ کی اس عالیشان عمارت سے نکلنے سے پہلے بس اتنا کہوں گی۔ کہ اللہ کی طرف سے دی گئی اس طاقت پر اتنا غرور کہیں ایک دن آپ کو ہی نہ برباد کر کے رکھ دے۔ اور رہی بات مجھے سزا دینے کی۔ تو یہیں آپ کے منہ پر چیلنج کر کے جا رہی ہوں۔ نہیں ڈرتی میں آپ سے جو بگاڑنا ہے بگاڑ لیں میرا۔“

دل کو اُس سے اس قدر بے رحمی کی اُمید بالکل بھی نہیں تھی۔ لیکن زورین سے بھی زیادہ اُسے خود پر غصہ تھا۔ جب پوری زندگی گر کر خود ہی سنبھلنا سیکھا تھا تو پھر آج اس شخص کی جانب مدد کے لیے ہاتھ کیوں بڑھایا تھا۔ اپنے اسی غصے میں وہ زورین شاہ کو مزید اوٹ پٹانگ بولتی وہاں سے نکل آئی تھی۔

جبکہ زورین کہیں نہ کہیں اس دھان پان سی بالکل گڑیا جیسی نازک لڑکی کی اتنی بہادری پر اُس سے اچھا خاصہ امپریس ہو چکا تھا۔ آج تک انجان لوگوں سے وہ پانچ یادس منٹ سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ مگر آج دل آویز کے ساتھ بلا وجہ اُسے بحث میں الجھاتے وہ اپنا اتنا ٹائم اُس کے ساتھ گزار چکا تھا۔ جو کہ اُس کے مزاج کے حوالے سے بے حد حیران کن بات تھی۔ زورین کو اس کی معصومیت میں ایک عجیب سی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ ابھی بھی زورین کا دل اس لڑکی کو جانے دینے کے حق میں نہیں لگ رہا تھا۔

اپنی کرسی کی جانب مڑتے اُس کی نظر خون کے قطروں پر پڑی تھی۔ جو چیز اُس کا موڈ مزید خراب کر گئی تھی۔ آج زندگی میں پہلی بار وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوا تھا کہ کیا وہ واقعی اس قدر بے حس انسان تھا۔



دن دھاڑے اسلحہ کے زور پر ان لوگوں کی ایسی غنڈہ گردی پر وہاں موجود ہرزی روح سہم چکا تھا۔ سوائے ایک کے جو آگ اُگلتی نظروں سے اپنی جگہ پر ہی بیٹھا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

”ابھی اور اسی وقت اپنا یہ ہوٹل بند کر کے ہمارے ساتھ چلو۔ ورنہ تم سمیت ان تمام لوگوں کے بھیجے اڑا کر رکھ دوں گا۔“

اپنی بندوق سے سہمی کھڑی سُلین کی کنپٹی پر دباؤ ڈالتے وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا تھا۔

سُلیں نہیں جانتی تھی یہ کون لوگ تھے اور کیا چاہتے تھے اُس سے۔ کیوں لے جانا چاہتے تھے اُسے یہاں سے۔ ہمیشہ اُس کے لیے عزت اپنی زندگی سے بڑھ کر رہی تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ جانے سے بہتر وہ مرنا پسند کرتی۔ مگر اس وقت سوال وہاں موجود باقی لوگوں کی زندگیوں کا بھی تھا۔

سُلیں نے اُمید بھری نظروں سے قاسم کو ڈھونڈنا چاہا تھا۔ مگر وہ وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ سُلیں کی سانسیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔ اُس نے ہمت نہ ہارتے آخری کوشش کرتے موبائل کالاک اوپن کر کے قاسم کو کال ملانی چاہی تھی۔ مگر اُس سے پہلے سامنے کھڑے غنڈے کی نظر اُس پر پڑ چکی تھی۔

”ہمارے ساتھ ہوشیاری کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔“

سُلیں کا موبائل والا ہاتھ بُری طرح دبوچ کر اُس شخص نے اُس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا تھا۔ بس یہیں ہر ابہتاج لغاری کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچتا اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

”چھوڑو مجھے۔“

سُلیں اُس کی گندی نظریں اپنے وجود کے آر پار ہوتی محسوس کرتی مزاحمت کرتے بولی تھی۔ مگر وہ شخص خباثت زدہ مسکراہٹ سُلیں کے گلابی چہرے پر اچھالتے کوئی اور ہی ارادہ رکھتا تھا۔ جب ارد گرد اسلحہ سے لیس کھڑے آدمیوں سے بنا گھبرائے ابہتاج قریب آتا سُلیں کی کلائی پکڑ کر اُس شخص کی گرفت سے نکال گیا تھا۔

”جو بات کرنی ہے مجھ سے کرو۔ اب اگر ایک بار بھی نظر اٹھا کر اس لڑکی کی جانب دیکھا تو تمہاری یہ آنکھیں نکال کر تمہارے اسی ہاتھ پر رکھ دوں ہو گا۔“

اُس کا ہاتھ سختی سے دور جھٹکتے وہ سُلیں کے آگے دیوار بن کر کھڑا ہوتا اُسے محفوظ کر گیا تھا۔ سُلیں پر تانی گئی بندوق کا رخ اب ابہتاج کی کپٹی کی جانب مڑ چکا تھا۔ سُلیں نے بے یقینی سے نظریں اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے اِس توانا وجود شخص کی جانب دیکھا تھا۔ جو اُس دن کی طرح آج پھر فرشتہ بنا اُس کا خطرہ اپنے سر موڑ لے گیا تھا۔

”کون ہو تم۔ لگتا ہے تمہاری موت تمہیں بہت زیادہ یاد کر رہی ہے۔ جو ہیر و بننے کے لیے لڑکی کے معاملے میں کو دپڑے ہو۔“

اُس شخص کو ابہتاج کی لہورنگ آنکھوں سے خوف سا محسوس ہوا تھا۔ مگر اسلحہ کے زور پر اُس نے اپنی طاقت دیکھنا ضروری سمجھا تھا۔

”میں وہی ہوں۔ جس نے اُس رات تمہارے ساتھیوں کی چٹری اُدھیڑی تھی۔ مگر اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔ کہ اُنہیں زندہ کیوں جانے دیا۔ خود سمیت اپنے گینگ میں عورتوں پر ہاتھ اٹھانے والے سارے نامرد ہی پال رکھے ہیں کیا۔“

ابہتاج کی بات ابھی ختم ہی ہوئی تھی۔ جب ارد گرد کھڑے چاروں غنڈوں نے اپنی بندوقیں اُس کے سر پر تان لی تھیں۔ یہ دیکھ سُلیں نے منہ پر ہاتھ جماتے اپنی چیخ رو کنی چاہی تھی۔ مگر اُس کی آواز پھر بھی ابہتاج کی سماعتوں تک پہنچ چکی تھی۔

”یہ کی ناب مردوں والی بات۔“

ابہتاج اُن کے فوری لیے جانے والے ایکشن پر شاباشی دیتے بولا تھا۔ وہ اگر اکیلا ہوتا تو اب تک اِن اسلحہ سے لیس افراد کو نہتے بھی مار گر اچکا ہوتا۔ مگر اِن کو باتوں میں اُلجھانے کا مقصد اپنے پیچھے ڈری سہمی کھڑی لڑکی اور یہاں ریسٹورنٹ میں

موجود بہت سارے لوگوں کی حفاظت تھا۔ ابہتاج کے ساتھ اس ریسٹورنٹ میں آیا پاشا کا خاص آدمی دلاور اُس کے اشارے پر انٹرنس پر کھڑے شخص کی جانب بڑھا تھا۔

”تم لوگوں کی دشمنی اس لڑکی سے ہے۔ اس چکر میں اُن سب لوگوں کو نقصان پہنچا کر پولیس کو خود ہی اپنی گرفتاری کی دعوت دے رہے ہو۔ ان لوگوں کو یہاں سے جانے دو۔“

ابہتاج اچھے سے جانتا تھا وہ اُس کی بات نہیں مانیں گے۔ یہ سب باتیں بول کر وہ اُن کا دھیان اپنی جانب ہی رکھنا چاہتا تھا۔ کاؤنٹر ایک سائیڈ پر بنا ہوا تھا۔ جبکہ ٹیبلز کافی فاصلے پر ہال میں لگے ہوئے تھے۔ دلاور نے اُن کے گیٹ پر کھڑے ساتھی پر حملہ آور ہوتے اُس کے سر پر وار کرتے بے ہوش کر دیا تھا۔ اُسے گھسیٹ کر ایک سائیڈ پر کرتے اتنی ہی خاموشی سے زاہد کے پچھلے گیٹ کی نشان دہی کرنے پر سب لوگوں کو اُس جانب بھیج دیا تھا۔

”باس وہ لوگ بھاگ رہے ہیں۔“

اچانک ابہتاج پر اسلحہ تانے کھڑے افراد میں سے ایک کی نظر اُس جانب پڑی تھی۔ اُس کے چلانے پر باقی سب بھی متوجہ ہوئے تھے۔

ابہتاج کے سامنے کھڑے شخص نے اُن لوگوں کی جانب فائر کھولنے چاہے تھے۔ مگر اُس سے پہلے ہی ابہتاج نے لات مارتے اُس کی گن دور اُچھال دی تھی۔ ایک کے بعد دوسرے پر وار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ سُلیم کے آگے سے ہٹنے کو بھی تیار نہیں تھا۔ جواب غنڈوں کا خوف بھلائے ایک بار پھر اس اجنبی شخص کو اپنے لیے لڑتا دیکھ رہی تھی۔

جو اپنی مردانگی کے زور پر اُن اسلحہ سے لیس افراد کے آگے ڈٹ گیا تھا۔ جیسے اُسے اپنی زندگی کی پرواہ ہی نہ ہو۔

ابہتاج اُس شخص کو بُری طرح پیٹ رہا تھا۔ جس نے سُلین کو نہ صرف غلیظ نظروں سے دیکھا تھا۔ بلکہ اُس کو ہاتھ لگانے کی غلطی بھی کی تھی۔ پولیس کے سائرن کی آواز پر اور دلاور جو کہ باقی لوگوں سے نبٹ رہا تھا۔ اُس کے بلانے پر وہ ہوش میں آتا سیدھا ہوا تھا۔ پیچھے ہوتے ہوئے بھی وہ ایک زوردار ٹھوکر اُس کے پیٹ پر رسید کرنا نہیں بھولا تھا۔

ابہتاج واپس پلٹتا سُلین کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ جو اپنی جگہ ساکت سی کھڑی اپنے ریسٹورنٹ کو کچڑے کا ڈھیر بنے دیکھ رہی تھی۔ کرسیاں ٹیبلز اور اُن پر پڑے ڈیکوریشن پیمز سب چیزیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔ ابہتاج نے جس طرح اُن لوگوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکا تھا۔ اِس سب کا زیادہ ذمہ دار وہی تھا۔ مگر سُلین کے لیے یہ نقصان اُس نقصان سے بہت معمولی تھا۔ جس سے اِس شخص نے اُسے بچا لیا تھا۔

”آریو اوکے۔“

ابہتاج اُس کے کپکپاتے ہاتھوں کو دیکھتے بولا تھا۔ اتنی اچھے سے ایک جینٹل مین کی طرح اُسے پروٹیکٹ کرنے کے بعد بھی اِس شخص کے بات کرنے کا انداز ویسا ہی سڑا ہوا تھا۔ جس کا جواب سُلین کو سر اثبات میں ہلا کر دینے کے بجائے اور کوئی نہیں لگا تھا۔ ان وقت وہ بُری طرح ڈری ہوئی تھی۔

پولیس اندر آچکی تھی۔ جب سُلین کی نظر اچانک ابہتاج کے پیچھے گرے اُسی شخص پر پڑی تھی۔ جسے ابہتاج نے بُری طرح پیٹا تھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر کچھ فاصلے پر پڑی گن اٹھا کر ابہتاج پر گولی چلا گیا تھا۔ تب تک پولیس بھی اُس کے سر پر آن پہنچی تھی۔

سُلیں کی زوردار چیخ کے ساتھ گولی ابہتاج کے بازو میں پیوست ہوئی تھی۔ ابہتاج کے بازو سے فوارے کی طرح بہتا خون دیکھ خوف کے مارے سُلیں جو کب سے یہ سب برداشت کر رہی تھی۔ حواس کھوئی ابہتاج کی بانہوں میں ہی جھول گئی تھی۔

ابہتاج نے دوسرا بازو سُلیں کے گرد لپیٹتے اُسے اپنے حصار میں لیا تھا۔

”ابہتاج تمہارا بہت خون بہہ رہا ہے۔ اس لڑکی کو ان لوگوں کے حوالے کرو اور چلو میرے ساتھ ہاسپٹل۔“

دلاور ابہتاج کا بازو دیکھ فکر مندی سے بولا تھا۔ اگر پاشا کو ابہتاج کے گولی لگنے کا پتا چل جاتا تو اُس نے نجانے کیا طوفان مچا دینا تھا۔ اور دلاور کی الگ شامت آنی تھی کہ اُس کے وہاں ہوتے ابہتاج کو نقصان کیسے پہنچا۔

مگر ابہتاج کو دلاور کی یہ بات سخت ناگوار گزری تھی۔ اُس کی جانب ایک سرد نگاہ ڈالتے اُس نے کسی چیز کی تلاش میں ارد گرد نظریں دوڑائی تھیں۔

”وہ کپڑا لاؤ ادھر۔“

ایک طرف گرے ٹیبل کے کور کی جانب اشارہ کرتے ابہتاج نے دلاور کو اُسے اٹھا کر لانے کو کہا تھا۔ گولی اُس کے بازو کو چھو کر نکل گئی تھی۔ مگر پھر بھی زخم کی تکلیف بہت زیادہ تھی۔ خون بہنا بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن ابہتاج لغاری کی غیرت کسی صورت گوارہ نہیں کرتی تھی کہ اپنے بازوؤں میں سینے پر سر ٹکائے بے سدھ پڑی لڑکی کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیتا۔

جس لڑکی کا دو آتشہ حُسن ابہتاج لغاری جیسے احساس سے عاری شخص کو اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ اُس کے حوالے سے یہاں موجود کسی بھی انسان پر ٹرسٹ نہیں کر سکتا تھا۔ سُلین کا نرم گرم لمس اور ہلکی ہلکی اُبھرتی مدھم ہوتی سانسیں ابہتاج لغاری کو اپنے سینے پر محسوس ہو رہی تھیں۔ اُس کے لیے مزید اس پوزیشن میں کھڑا ہونا بھاری پڑ سکتا تھا۔

دلاور نے کپڑا اٹھا کر لاتے ابہتاج کے کہنے پر اُس کے زخم پر کس کر باندھ دیا تھا۔ جس سے اُس کے خون کے بہاؤ میں کافی حد تک کمی آگئی تھی۔ پولیس اُن سب غنڈوں کو لے جا چکی تھی۔ جبکہ کچھ اہلکار ابھی بھی وہیں موجود ویٹرز سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ سُلین کا آفس پوچھ کر ابہتاج کسی کانچ کی گڑیا کی طرح خیال کرتے پوری احتیاط سے اُسے اپنی بانہوں میں اٹھاتے اُس جانب بڑھ گیا تھا۔ سُلین کا سرا بھی اُس کے سینے پر ٹکا ہوا تھا۔

ایک پل کے لیے ابہتاج لغاری کا دل بھی اُسے خود سے جدا کرنے کو نہیں چاہا تھا۔ مگر یہ خیال صرف ایک سیکنڈ کے لیے ہی آیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اُس کے آفس میں داخل ہوتے سامنے رکھے صوفے پر نہایت ہی نرمی اور احتیاط سے لٹا دیا تھا۔ جب پیچھے ہوتے اُس کی نظر سُلین کے دلکش چہرے کی جانب اُٹھی تھی۔ گلابی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں کی ملائمت کا احساس دور سے دیکھ کر ہی ہو جاتا تھا۔ اُنہیں چھونا تو نہایت ہی خوش قسمتی کی بات تھی۔ خمدار گھنیری پلکوں کی جھالرتلے موجود دو خوبصورت نین اس وقت اپنی دلکشی خود میں ہی سموئے ہر چیز سے بے خبر تھے۔ جوڑے کی شکل میں قید بال ڈھیلے ہو کر باہر نکل آئے تھے۔ ابہتاج لغاری فوراً اس دلفریب منظر سے نظریں چراتا اُس سے دور ہوا تھا۔ اپنے گلے میں ڈالی شال اتار کر اُس نے سُلین کے اوپر اوڑھادی تھی۔ جس نے اُسے چہرے سے لے کر پیروں تک ڈھانپ لیا تھا۔

ابہتاج پاکٹ سے موبائل نکالتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”یہ اوپر کس چیز کی اسٹیمپس چل رہی ہیں۔“

آفس کے باہر نکل کر ابہتاج نے قریب سے گزرتے زاہد کو روک کر پوچھا تھا۔

”سروہ آج شام یہاں ایک سیمینار ہونا تھا۔ جس کے لیے سُلین میڈم اور ہم سب پچھلے کافی دنوں سے تیاریاں کر رہے ہیں۔ مگر اب یہ سب ہونے کے بعد تو سیمینار پاسبل نہیں ہے۔ میڈیا تک بھی یہ بات پہنچ گئی ہوگی۔ اور دوسرا نیچے جو حالت بنی ہوئی ہے۔ اُس کے بعد تو یہ ناممکن ہی ہو چکا ہے۔“

زاہد ابہتاج کو تفصیل بتاتے بولا تھا۔ کیونکہ جس طرح اُس نے سُلین اور باقی لوگوں کی جان بچائی تھی۔ وہ سب اُس کے بہت احسان مند تھے۔

”آپ لوگ جو تیاریاں کر رہے تھے۔ وہ جاری رکھیں۔ نہ ہی میڈیا میں اس واقع کی کوئی خبر آئے گی۔ اور نہ ہی سیمینار کینسل ہوگا۔ بول دیں اپنے سٹاف کو۔“

ابہتاج اپنے مخصوص سرد تاثرات چہرے پر سجائے بولتا فون کان سے لگا گیا تھا۔ جبکہ زاہد اُس کی شاندار پرسنیلٹی اور اس منفرد انداز سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ پایا تھا۔ اُس کے اس قدر بارعب لہجے پر زاہد کے پاس اُس کی بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

”سنو۔ جب تک تمہاری میڈم کو ہوش نہیں آجاتا۔ اُن کے روم میں جانے کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔ خیال رکھنا اس بات کا۔“

ابہتاج کے بے لچک لہجے پر زاہد سُلین کے حوالے سے کوئی بھی بات پوچھنے کا ارادہ ترک کر تا وہاں سے نکل گیا تھا۔

ابہتاج نے اوپر بنی ریلنگ کے قریب کھڑے ہوتے نیچے موجود ہال پر نظریں دوڑائی تھیں۔ غصے میں وہ سب کچھ فراموش کر جاتا تھا۔ غنڈوں کو بُری طرح پیٹتے اُس نے ریسٹورینٹ کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ مگر اپنی کی گئی غلطی سدھارنا وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اگلے پندرہ منٹ میں وہ اس بات پر عمل بھی کر چکا تھا۔

دوسری جانب بازو میں درد کی شدت کافی بڑھ چکی تھی۔ جسے اب وہ زرا سی حرکت بھی نہیں سے پار ہا تھا۔ دلاور ڈاکٹر کو وہیں لے آیا تھا۔ بینڈج کروانے کے ساتھ ساتھ ابہتاج نے قریبی فرنیچر شوروم کال کر کے پندرہ منٹ کے اندر اندر ساری چیزیں یہاں پہنچانے کا آرڈر دیا تھا۔ میڈیا والوں کو یہ خبر وائرل کرنے سے روکنے کا کام اُس نے پاشا کو سونپ دیا تھا۔

اگلے ایک گھنٹے تک ہال کا نقشہ بدل چکا تھا۔ سیمینار کی تیاریاں بھی مکمل ہو چکی تھیں۔ ہر طرف سے تسلی کرتے ابہتاج وہاں سے جانے کے لیے اُٹھا تھا۔

”ہوش آگیا تمہاری میڈم کو۔“

کسی خیال کے تحت اپنے قدم روکتے اُس نے پلٹ کر زاہد سے پوچھا تھا۔ کیونکہ اُس کی اجازت سے ہی صبا سلین کے آفس میں اُسے دیکھنے گئی تھی۔ ابہتاج لغاری کا یہی تو کمال تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہاں موجود ہر شخص کو اپنے انڈر کر لیا تھا۔ وہ سب ایسے اُس کے آڈرز فالو کر رہے تھے۔ جیسے وہی اُن کا پاس ہو۔

”یس سرا بھی ہی ہوش آیا ہے اُنہیں۔“

زادہ کی بات ابھی ختم ہی ہوئی تھی۔ جب قاسم پریشانی کے عالم میں اندر آتا دیکھائی دیا تھا۔
”میم کہاں ہیں۔ وہ ٹھیک تو ہیں۔“

قاسم کے چہرے سے فکر مندی صاف جھلک رہی تھی۔ زادہ سے مخاطب ہوتے وہ ایک طرف کھڑے ابہتاج کو نہیں دیکھ پایا تھا۔

”جی سر وہ ٹھیک ہیں۔ اوپر اپنے آفس میں ہی ہیں۔“

زادہ کی بات پر قاسم سیدھا سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔
”سریہ اس ریسٹورنٹ کے منیجر ہیں۔“

ابہتاج کے اُس کی جانب دیکھنے پر زادہ جلدی سے بولا تھا۔ مبادا کہیں وہ قاسم کو بھی سُلین کے آفس جانے سے نہ روک دے۔

اُس شخص کو سُلین کے آفس میں داخل ہوتا دیکھ ابہتاج کے آنکھوں کی وحشت ایک بار پھر بڑھ گئی تھی۔ وہ بنا زادہ کو کوئی جواب دیئے وہاں سے نکل گیا تھا۔

★★★★★★

”آپی آرام سے پلیز۔ بہت درد ہو رہا ہے۔“

دل آنسو بہاتے زمین سے ہاتھ کی ڈریسنگ کرتے درد سے ہونٹ بھیج گئی تھی۔ سویرا اور لائبرہ اُس کو اتنی تکلیف میں دیکھ اپنی جگہ شرمندہ سی کھڑی تھیں۔ دل نہیں جانا چاہتی تھی۔ صرف اُن لوگوں کے زبردستی کرنے پر گئی تھی۔

”میرا دل تو کر رہا ہے۔ تم تینوں کو کان سے پکڑ کر پھوپھو کے پاس لے جاؤں۔ وہ ہی سیدھا کریں گی تم لوگوں کو۔ اتنا بڑا رسک لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ زورین شاہ کس قدر پاور فل بندہ ہے۔ اگر وہ کوئی ایکشن اٹھالیتا تمہارے خلاف تو بتاؤ۔ کیا کرتی تم لوگ۔“

زمین انہیں ڈپٹی ہوئے بولی۔ دل کا کارنامہ سن کر اُس کا دل ابھی تک ہول رہا تھا۔ زورین شاہ کے حوالے سے وہ جتنا سن چکی تھی۔ اُس کے بعد زمین کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اُس نے اتنے آرام سے دل کو کیسے جانے دیا۔

”آپی میں درد برداشت کر لوں گی۔ پر پلیزیہ نہیں پیا جائے گا مجھ سے۔“

دل دودھ کو پڑے دھکیلے منہ بناتے بولی تھی۔ شروع سے ہی دودھ سے اُس کی جان جاتی تھی۔

”دل خاموشی سے ایک منٹ کے اندر ختم کروا سے۔ ورنہ میں ابھی نیچے جا کر تمہارا کارنامہ سب کو بتاتی ہوں۔“

زمین کے دھمکی آمیز لہجے پر دل نے روہانسی نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ جب صوفیہ پھولی سانس کے ساتھ درازہ کھولتی اندر داخل ہوئی تھی۔

”کیا ہوا۔ تمہارے پیچھے کتے تو نہیں لگے ہوئے۔“

سویرا آندھی طوفان کی طرح اندر آتی صوفیہ کو دیکھتے بولی

جو ٹیبل کے قریب گرتی سانس بحال کرنے کے لیے دل کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لیتی منہ سے لگا گئی تھی۔ اس وقت دل کو اُس کی اس حرکت پر بہت پیار آیا تھا۔

”ایک گڈ نیوز ہے میرے پاس۔“

خالی گلاس ٹیبل پر رکھتے وہ اُن سب کی جانب متوجہ ہوئی تھی
”کیسی خوش خبری۔ جلدی بکو۔“

سویرا اُس کے اتنے سسپنسیس پھیلانے پر اُسے گھورتے ہوئے بولی۔

”دل کی بچی زورین شاہ کے آگے تم نے جو بونگیاں ماریں۔ وہ سب بتادیں۔ مگر یہ بتایا ہی نہیں کہ وہ تمہارے کہنے پر ایک مہینے کی مہلت دینے پر مان گیا تھا۔ ابھی پاپا کو کال آئی ہے اُن کے منیجر کی۔ وہ سب حیران ہیں کہ اچانک زورین شاہ کیسے مان گیا۔ جبکہ اُن کے ساتھ تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔ میرا تو بہت دل چاہ رہا تھا نیچے سب کو بتادوں کہ یہ کارنامہ ہماری دل نے سرانجام دیا ہے۔“

صوفیہ خوشی سے چمکتے اُن سب کے مرجھائے چہرے بھی کھلا گئی تھی۔ زمین نے آگے بڑھ کر دل کو گلے سے لگالیا تھا۔ سویرا نے بھی جھک کر اُس کے گال کا بوسا لیا تھا۔ جبکہ دل حیرت زدہ سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔ اُسے خود بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ کھڑوس شخص جسے وہ اتنی باتیں سنا کر آئی ہے۔ جس سے ہوئی ہر ملاقات میں اُسے زخم کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ وہ اُس کی بات مان گیا تھا۔ دل اُس کے وہ غصے بھرے خطرناک تیور یاد کرتی جھرجھری سی لے کر رہ گئی تھی۔ زورین شاہ سے ہوئی تلخ کلامی اُسے ٹھیک سے خوش ہونے نہیں دے رہی تھی۔ زورین شاہ نے اگر اُس کی اتنی بدتمیزی کے بعد اتنی بڑی مہربانی کی تھی۔ تو اُس کے پیچھے ضرور وہ کچھ بڑا کرنے والا تھا۔

★★★★★★

"میم آپ پلیزیہ میڈیسن لے لیں۔ ورنہ باہر وہ جو ہٹلر کے رشتہ دار صاحب بیٹھے ہیں۔ انہوں نے ہمیں آنکھوں سے ہی نگل جانا ہے۔"

صبا سُلین کی جانب میڈیسن بڑھاتے ابہتاج لغاری کا حوالہ دیتے بولی تھی۔ جس نے ایک گھنٹے میں انہیں گھن چکر بنا کر رکھ دیا تھا۔

سُلین ابھی کچھ دیر ہوش میں آئی تھی۔ اُسے ابھی اس نئی کہانی کا علم نہیں تھا۔ اُس کا دھیان تو اپنے گرد اوڑھائی گئی بلیک شال کی جانب تھا۔ جس سے اُٹھتی مسحور کن خوشبو اُسے اپنے حصار میں جکڑ گئی تھی۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔"

سُلین نے صبا کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ آج پیش آئے واقع کے ساتھ ساتھ سُلین کو اپنے ریسٹورنٹ کی رپوٹیشن خراب ہونے کی بہت ٹینشن تھی۔ اُس کا خیال یہی تھا کہ اب تک تو میڈیا کے تھرو یہ بات ہر طرف پھیل چکی ہوگی۔ جس کے بعد لوگ اُس کے ریسٹورنٹ میں قدم رکھنا بھی پسند نہیں کریں گے۔

"میم ابہتاج لغاری جنہوں نے آپ کو غنڈوں سے بچایا ہے۔ انہوں نے سب کچھ ٹھیک کر دیا ہے۔۔۔"

صبا سُلین کے نا سمجھی بھرے تاثرات دیکھ اُسے ابہتاج کے اُس کی بے ہوشی کے دوران کیے گئے سارے کاموں کے بارے میں آگاہ کر گئی تھی۔ اور یہ بھی کہ اُس نے یہ نیوز بھی وائرل نہیں ہونے دی تھی۔

سُلین اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ وہ شخص اُس پر احسانات کی بارش کیے جا رہا تھا۔ وہ انجان شخص اس قدر خطرناک سچویشن میں جس طرح سُلین کی ڈھال بنا تھا۔ اُس کی عزت محفوظ رکھی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اُس کا اتنا بڑا احسان

نہیں چکا سکتی تھی۔ اُس کا خون آلود بازو اس وقت بھی یاد آتے سُلین کے رونگھٹے کھڑے کر گیا تھا۔ ہوش میں آتے سب سے پہلے سُلین نے بھی صبا سے اُسی کے بارے میں ہی تو پوچھا تھا۔

وہ دل ہی دل میں اُس شخص کے کیے گئے احسانوں کا شمار ہی لگا رہی تھی۔ جب دروازے پر ناک ہوا تھا۔ سُلین اپنا دوپٹہ دُست کر کے ہاتھ میں موجود شمال فولڈ کر کے گود میں رکھتی، باہر موجود شخص کو اندر آنے کی اجازت دے گئی تھی۔

”میم آپ ٹھیک ہیں۔“

قاسم کی فکر مند نگاہیں سُلین کی جانب اُٹھ کر واپس جھک گئی تھیں۔

”آئم ریلی سوری۔ یہاں تناسب کچھ ہو گیا۔ اور میں بے خبر رہا۔ ابھی میرے کال کرنے پر ہی زاہد نے بتایا ہے مجھے۔۔“

قاسم سُلین کو سہی سلامت بیٹھا دیکھ مطمئن ہوتے نادم لہجے میں بولا تھا۔ اُس کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اتنا لیٹ ہو گیا تھا۔

”نوائس اوکے۔ آپ ایک بار ارینجمنٹس دیکھ لیں۔ کچھ ہی ٹائم میں گیسٹ آنا شروع ہو جائیں گے۔“

سُلین اُسے شرمندہ ہوتا دیکھ نرمی سے بولی تھی۔ اُس کی ہدایت پر قاسم ایک نظر اُس پر ڈالتا باہر نکل گیا تھا۔

”میم آپ ریسٹ کریں ہم سب بینڈل کر لیں گے۔“

صبا اُسے اُٹھتا دیکھ جلدی سے بولی تھی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے ابہتاج لغاری سے مل کر اُن کا شکریہ ادا کرنا ہے۔“

سُلمین اُس کی بلیک شال اپنے بازو پر ڈالے باہر نکل آئی تھی۔ جب سامنے سے آتے زاہد سے ابہتاج کے چلے جانے کا سن کر اُس کے چہرے پر مایوسی سی چھا گئی تھی۔

ابہتاج نے جو کچھ اُس کے لیے کیا تھا۔ اُس سب کا بدلہ شاید وہ کبھی نہیں چکا سکتی تھی۔ مگر ایک بار وہ اُس اچھے شخص کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہتی تھی۔

”اُنہوں نے اپنا کوئی کارڈ وغیرہ دیا۔ کوئی ایڈریس۔۔۔۔۔ یا نام کے علاوہ کچھ بتایا۔۔۔“

سُلمین کو سمجھ نہیں آرہی تھی زاہد سے کس طرح ابہتاج کے بارے میں کوئی انفارمیشن لے۔ وہ اُس سے مل کر شکریہ ضرور ادا کرنا چاہتی تھی۔ جو اتنا سب کر کے یونہی خاموشی سے نکل گیا تھا۔

لیکن زاہد کے نفی میں سر ہلانے پر وہ مکمل طور پر مایوس ہوتی واپس پلٹ گئی تھی۔



”رقیہ آپا بہت اچھا رشتہ ہے۔ سلمان صاحب کے بیٹے کی شادی میں دیکھا تھا اُنہوں نے گھر کی بچیوں کو۔ سب ہی ماشاء اللہ

بہت پسند آئی ہیں اُنہیں۔ خاص کر آپ کی بھانجی دل آویز کچھ زیادہ ہی اچھی لگی ہے اُنہیں۔ بہت اچھا رشتہ ہے۔ دیکھے

بھالے لوگ ہیں۔ میں تو کہتی ہوں اس معاملے میں دیر مت کریں۔ یہ رشتہ ہاتھ سے نکل گیا تو بہت پچھتائیں گی آپ۔“

زربینہ خالہ آج پھر اپنے رشتوں کا پیٹارہ کھولے رقیہ بیگم کی خدمت میں حاضر تھیں۔ جو پوری سو سائٹی میں رشتہ کروانے

والی خالہ کے طور پر مشہور تھیں۔ یہ ایک طرح سے اُن کا بزنس تھا۔ رشتے کروانے کے بعد اچھی خاصی قیمت شگن کے طور

پر وصول کرتی تھیں۔ مگر دل سمیت گھر کی ساری لڑکیوں کو اُن سے عجیب سی چڑ تھی۔ کیونکہ وہ جب بھی اُن کے گھر

آتیں۔ فل ٹائم اُن کو ایکسرے مشین کی طرح گھورتی رہتیں۔ دل کئی بار اُنہیں بھگانے کی ترکیبیں سوچ چکی تھی۔ مگر پھر رقیہ بیگم کی وجہ سے اُسے باز رہنا پڑتا تھا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو زریں۔ لڑکا تو بہت پیارا ہے۔ اور نوکری بھی بہت اچھی۔ میں آج ہی سویرا کے لیے ندیم اور شبانہ سے بات کرتی ہوں۔"

رقیہ بیگم لڑکے کی تصویر دیکھتے پر سوچ انداز میں بولی تھیں۔

"مگر رشتے والے لوگ تو پہلے دل آویز کی بات کرنے کو بول رہے تھے۔"

زریں بیگم دل کی جگہ سویرا کا نام سن کر فوراً بولی تھی۔ جس پر رقیہ بیگم کے چہرے کا رنگ بدلہ تھا۔

"زریں ایک بار بتا چکی ہوں نا میں تمہیں۔ وہ لڑکی ہمارے خاندان کی نہیں ہے۔ خدا ترسی کے لیے اپنے پاس رکھا ہوا ہے اُسے۔ اُس کا میری بچیوں کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے۔ نہ ہی وہ ایسے بڑے گھروں میں جانے کے لائق ہے۔ کسی چھوٹے موٹے گھرانے میں اُس کے لیے جیسا رشتہ دیکھنے کو کہا تھا۔ اگر ویسا کوئی مل گیا تو بتا دینا۔ جلد ہی اس منحوس کو اپنی نظروں سے اوجھل کرنا چاہتی ہوں۔ پتا نہیں اس کی بے غیرت بے حیا ماں اسے ہمارے سروں پر مصلحت کر کے کہاں مرکھپ گئی ہے۔"

رقیہ بیگم کو زریں کی بات سخت ناگوار گزری تھی۔ اس لیے وہ اپنا غصہ نکالنے کے لیے اُس کے بارے میں جتنا غلط بول سکتی تھیں۔ بول گئی تھیں۔ زریں کا شروع سے اس گھر میں آنا جانا تھا۔ اس لیے وہ یہاں کی ہر بات سے اچھی طرح واقف تھی۔ رقیہ بیگم کی بات پر وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

”تم اُس دن فون پر کسی اور رشتے کی بات کر رہی تھی۔ اُس کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں تم نے۔“
رقیہ بیگم دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد واپس نارمل ہوتے چکی تھیں۔

”ہاں رشتہ تو ہے وہ۔ مگر آپ لوگوں کا اُن کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اس لیے میں نے اُس کا ذکر ہی نہیں کیا۔“
زریں بیگم ٹیبل پر پھیلی تصویریں اپنے پرس میں رکھتے بولی۔

”ارے بتاؤ تو سہی لڑکا کیسا ہے۔ کیا کرتا ہے۔“

رقیہ بیگم کو جوڑ نہ بننے والی بات دل کو لگی تھی۔ وہ دل کے لیے ایسا ہی تو کوئی بے جوڑ رشتہ چاہتی تھیں۔ جس سے وہ اپنے اندر لگی آگ کم کر سکتیں۔ جیسے شہلانے اُن کا گھر اجاڑا تھا۔ وہ بھی اُس کی بیٹی کو ایسے ہی برباد دیکھنا چاہتی تھیں۔ کہ جب ایک دن واپس لوٹ کر وہ اپنی بیٹی کا حال دیکھے تو اُسے بھی اتنی ہی تکلیف ہو جتنی شہلا کے اٹھائے گئے اقدام کے بعد اُنہیں برداشت کرنی پڑی تھی۔

”ایک بچے کا باپ ہے۔ پہلی بیوی ساتھ نہیں رہتی۔۔۔ خاندان میں۔۔۔“

زریں خالہ ابھی مزید کچھ بتاتی جب رقیہ بیگم نے اُن کی بات وہیں کاٹ دی تھی۔

بس زریں مجھے یہ رشتہ منظور ہے دل آویز کے لیے۔ تم بات کرو اُن لوگوں سے۔ کچھ ہی دنوں میں آکر رسم کر جائیں۔ ہم شادی جلدی کرنا چاہتے ہیں۔ چاہے تو رسم کرنے کے بجائے سیدھا نکاح کر دیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔“
رقیہ بیگم کے اس طرح ہتھیلی پر سرسوں جمانے پر زریں حیران رہ گئی تھی۔

”آپا مگر پہلے پوری طرح سے میری بات تو سن لیں۔ پھر اُس کے بعد اتنا بڑا فیصلہ کیجیے گا۔“

زیرینہ کمزور لہجے میں بولی تھی۔ مگر اُس کے دماغ میں کچھ اور ہی کہانی شروع ہو چکی تھی۔

”ہاں بولو۔ کیا وہ لوگ رشتہ نہیں کرنا چاہتے۔ یا ہمارے خاندان میں کوئی مسئلہ ہے۔“

رقیہ بیگم کو زیرینہ کا اس طرح ٹوکنا پسند نہیں آیا تھا۔

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں آج ہی جا کر اُن سے بات کرتی ہوں۔ پھر آپ کو کال پر ساری بات بتا دوں گی۔“

زیرینہ رقیہ بیگم کی جانب مسکرا کر دیکھتی جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

★★★★★★

سُلیمن کی گاڑی سامنے کھڑے بڑے سے بنگلے کے سیاہ جالی دار گیٹ کے آگے جارہی تھی۔ اُس کے کہے کے مطابق ڈرائیور

گاڑی سے نکل کر سامنے کھڑے چاکیدار سے بات چیت کے بعد واپس سُلیمن کی جانب آیا تھا۔

”میم یہ ابہتاج لغاری کا ہی گھر ہے۔ اور اس وقت وہ اندر ہی موجود ہیں۔“

ڈرائیور چوکیدار سے پوچھی گئی معلومات سُلیمن کو بتانے لگا تھا۔ جسے سن کر سُلیمن کے ہونٹوں پر بے اختیار دھیمی مسکراہٹ

پھیل گئی تھی۔ اُس نے بہت کوششوں کے بعد یہ ایڈریس فرنیچر شوروم والوں سے لیا تھا۔

گاڑی سے نکلنے سُلیمن گیٹ کی جانب بڑھی تھی۔

”میم آپ یہاں بیٹھیں۔ سر اس وقت جم خانے میں موجود ہیں۔ اس ٹائم میں ہم اُن کو ڈسٹرب نہیں کر سکتے۔ آپ کو اُن

کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

ملازمہ اُسے نفاست سے سجے ڈرائنگ روم میں بیٹھاتی باہر نکل گئی تھی۔

سُلمین نے پورے ڈرائنگ روم پر نگاہیں دوڑائی تھیں۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ آتے جاتے ملازمین کام بھی ایسے کر رہے تھے جیسے روبورٹ ہوں۔ اُن سب کے چہروں پر بھی ابہتاج لغاری کی جیسے سرد تاثرات سجے ہوئے تھے۔ ملازمہ سُلمین کے آگے لوازمات سے بھری ٹرے رکھ کر جا چکی تھی۔ اُس نے گھڑی پر ٹائم دیکھا تھا۔ آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا اُسے یہاں بیٹھے۔ مگر ابہتاج لغاری کے آنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

”ایکسیکوزمی۔ آپ کے سر کی ابھی مزید کتنی دیر ہے۔ وہ کب تک فری ہونگے۔“

سُلمین اتنی دیر سے انتظار کرتی تنگ آ گئی تھی۔ اُسے یہاں بیٹھے گھنٹے سے اوپر ہو چکا تھا۔

”میم ابھی تو شاید ایک دو گھنٹے مزید لگ جائیں۔ اُن کے فری ہونے میں۔“

ملازمہ کی بات پر سُلمین کا موڈ سخت آف ہوا تھا۔ اتنی دیر مزید وہ رک نہیں سکتی تھی۔ اور ابہتاج لغاری سے ملے بغیر جانے پر اُس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

”کیا میں اُن کے وہیں جا کر مل سکتی ہو۔“

سُلمین کو یہ بات زیادہ بہتر لگی تھی۔

”میم سر کو بالکل بھی پسند نہیں ہے ایسے کسی کا وہاں جانا اور ڈسٹرب کرنا۔“

ملازمہ نے فوراً انکار کیا تھا۔ اس سے پہلے کے سُلمین کچھ بولتی ایک شخص اندر داخل ہوا تھا۔ جسے دیکھ ملازمہ نے فوراً آگے بڑھ کر سلام کیا تھا۔

”یہ سر آپ کی فائل۔“

دلاور جو وہاں بیٹھی سُلین کو دیکھ اپنی جگہ ٹھٹھک گیا تھا۔ ملازمہ کی آواز پر فائل تھامتے وہ اُس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ پاشا نے اُسے یہ فائل لینے کے لیے ہی یہاں بھیجا تھا۔ ابہتاج کو بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ اُس کی ایکسر سائز کے ٹائم کوئی اُسے ڈسٹرب کرے۔ اِس لیے اُس نے پہلے ہی فائل ملازمہ کو دے دی تھی۔ مگر اب ابہتاج لغاری کے گھر کسی لڑکی کا پایا جانا۔ لڑکی بھی وہی ریسٹورنٹ والی جس کی خاطر ابہتاج اسلحہ سے لیس غنڈوں سے بھڑ گیا تھا۔ دلاور کے لیے یہ سب حیرانگی کی بات تھی۔ ابہتاج لغاری جیسا روکھا پھیکا سرد مزاج بندہ بھی لڑکی کے چکر میں پڑ سکتا تھا۔ دلاور کے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ اِس بات کی تصدیق کے لیے کچھ سوچتے اُس نے سُلین کے بارے میں پوچھا تھا۔

”تمہیں اپنی نوکری عزیز نہیں ہے کیا۔ جو اِس لڑکی کو ابہتاج سے ملنے نہیں دے رہی۔“

دلاور کی بات پر ملازمہ نے خوفزدہ ہو کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔

”بھیج دو اِسے جم میں ابہتاج سے ملنے کے لیے۔ ابہتاج کو یہ بات زیادہ ناگوار گزرے گی۔ کہ یہ لڑکی اُس سے ملے بغیر چلی گئی۔“

دلاور ملازمہ کو ہدایت دیتا وہیں سے واپس پلٹ گیا تھا۔

”میم آئیں میرے ساتھ میں آپ کو سر سے ملو ادیتی ہوں۔“

ملازمہ کی بات پر سُلین اُس کے مان جانے پر نرم سی مسکراہٹ سے اُسے دیکھتی اُس کی معیت میں آگے بڑھی تھی۔

ڈرائنگ روم سے نکل کر ایک راہداری عبور کرتے آگے بنے دروازے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

سُلین ملازمہ کا سر ہلا کر شکریہ ادا کرتی آگے بڑھ گئی تھی۔ اُس کے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اُسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں وہ اُکھڑ مزاج بندہ اُس کے اس طرح آجانے پر بے عزت ہی نہ کر دے۔
جم کے اندر قدم رکھتے ہی سُلین کی آنکھیں حیرت سے واں ہوئی تھیں۔

آج تک وہ کبھی کسی جم میں نہیں گئی تھی۔ ٹی وی پر ہی جم کا نظارہ دیکھا تھا۔ مگر اتنی ایکسرسائز کی اتنی عجیب و غریب قسم کی مشینیں اُس نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ جتنا گھر وہ ابہتاج لغاری کا دیکھ چکی تھی۔ جم اُس سے تین گنا تھا۔ ارد گرد نظریں گھماتے آگے بڑھتے اُسے دائیں جانب ٹریڈ مل پر بھاگتا نظر آیا تھا۔ وہ اس قدر سپیڈ سے بھاگ رہا تھا کہ اُسے دیکھ کر ہی سُلین کو اپنا سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔ بلیک ٹراؤزر پر بلیک بنیان پہنے اُس کے کسرتی بازو اور کندھے نمایاں تھے۔ اُس کے کشادہ سینے کے جھانکتے بال دیکھ سُلین نے خفت زدہ سا ہوتے فوراً نظریں جھکا لی تھیں۔ اُسے یہاں آنے سے پہلے ابہتاج کے ایسے حلیے کا اندازہ بالکل بھی نہیں تھا۔ ورنہ وہ کبھی نہ آتی۔ سُلین نے شکر ادا کیا تھا کہ وہ اُس کی موجودگی سے ابھی تک انجان ہے۔ مگر یہ اُس کی بھول تھی۔

سُلین نے جلدی سے وہاں سے ہٹنا چاہا تھا۔ جب ہڑبڑاہٹ میں وہ پیچھے رکھے ڈمبلز نہیں دیکھ پائی تھی۔ اُن سے پیرا لُجھ کر وہ ٹھوکر کھاتی منہ کے بل گرنے کو تھی۔ جب آدھے میں ہی دو مضبوط بازوؤں نے اُسے اپنے حصار میں لیتے گرنے سے بچا لیا تھا۔

سُلین جو اس بُرے طریقے سے گرنے کے خوف سے سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ خود کو کسی کی بانہوں میں محفوظ پا کر اُس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

جس شخص سے دوڑ بھاگنے کے چکر میں اُس نے اتنی پھرتی دیکھائی تھی۔ اس وقت وہ اُسی کے ہی بہت قریب اُس کی گرفت میں قید تھی۔

سُلین کمر کے بل نیچے کو جھکی بالکل ابہتاج کے سہارے پر تھی۔ جس کا بازو اُس کی نازک کمر کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ سُلین کا شرم و خوف سے خطرناک حد تک لال پڑتا چہرہ دیکھ ابہتاج نے نہایت ہی نرمی سے اُسے تھام کر سیدھا کھڑا کر دیا تھا۔ اُس کے چہرے پر جس قدر سخت اور برہمی بھرے تاثرات تھے۔ گرفت میں اُس سے کہیں زیادہ نرمی تھی۔ سُلین فوراً اُس سے دو قدم دور ہٹی تھی۔
”تھینکس۔۔۔“

سُلین کو سمجھ ہی نہیں آرہی تھی۔ ان وحشت بھری سرد نگاہوں کے جواب میں کیا بولے۔ اوپر سے ابہتاج کا حلیہ اُس کی الگ حالت غیر کیے ہوئے تھا۔ ہاتھ کی انگلیاں مڑورتے وہ چہرہ بالکل جھکائے کھڑی تھی۔
”آپ کیوں آئی ہیں یہاں۔“

ابہتاج کی گھمبیر بھاری آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ سُلین کے ہاتھوں کی موومنٹ اُس کے اس قدر روڈ انداز پر تھم گئی تھی۔ اُس نے حیرت بھری نظریں اٹھا کر سامنے کھڑے بدلحاظ شخص کو دیکھا تھا۔ جواب ٹاول اپنے کندھوں کے گرد ڈالے سینے پر بازو باندھے اُسے نہایت ہی فرصت سے گھور رہا تھا۔
اُس کے خوب روچہرے پر مخصوص سرد اور ناقابلے فہم تاثرات تھے۔ سُلین کو اُس پر جی بھر کر غصہ آیا تھا۔ شاید اس شخص کو خود پر کچھ زیادہ ہی غرور تھا۔

”مجھے تھینکس بولنا تھا آپ کو۔ آپ نے اُس دن اپنی جان پر کھیل کر جس طرح میری جان بچائی اور میرے ریسٹورنٹ کی ساکھ بچانے کے لیے جو کچھ کیا۔ میں شاید آپ کا یہ احسان کبھی نہ اُتار سکوں۔ تھینکو سوچ۔ میں یہاں صرف اسی لیے آئی تھی۔ یہ آپ کا چیک جو آپ نے میرے ریسٹورنٹ پر خرچ کیا۔“

سُلمین اُس کے سخت لہجے کے باوجود نرمی سے بولتی چیک اُس کی جانب بڑھا گئی تھی۔

”سپویشن کے لحاظ سے مجھے جو ٹھیک لگا وہ میں نے کیا۔ اس میں کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ اور رہی بات اس چیک کی تو آپ کا وہ سارا نقصان میری وجہ سے ہوا تھا۔ میں نے صرف اُس کی بھرپائی کی ہے۔“

ابہتاج نے ہونٹ بھینچتے سخت نظروں سے اُسے اپنی مخروطی انگلیوں پر ستم ڈھاتے دیکھا تھا۔ جو اُس کے مسلسل مڑورنے کی وجہ سے اب بالکل سُرخ ہو چکی تھیں۔

وہ جتنا اس لڑکی سے گریز برتنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ہر بار اُس کے سامنے آن کھڑی ہوتی تھی۔ جس کی کشش کے آگے ابہتاج لغاری خود کو بے بس پاتا تھا۔

اس سے پہلے کے سُلمین اُسے اُس کی بات کا جواب دیتی ہاتھ میں موجود موبائل پر آتی قاسم کی کال پر وہ اُس جانب متوجہ ہوئی تھی۔

جبکہ موبائل سکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھ ابہتاج سختی سے ہونٹ بھینچتا اُس کے کال پک کرنے سے پہلے ہی موبائل اُس کے ہاتھ سے چھین گیا تھا۔



”امی آپ لوگ بھلا ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ بچپن سے لے کر اب تک اُس پر ظلم ہی ڈھاتے آئیں ہیں۔ اور اب تو آپ لوگوں نے حد ہی کر دی۔ شادی شدہ شخص اور ایک بچے کے باپ سے شادی طے کر دی ہے۔ جس کے بارے میں آپ لوگ بھی کچھ نہیں جانتے۔ پھوپھو نے نام تک نہیں پوچھا اور رشتہ طے کر دیا۔ یہ بہت غلط ہے میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔“

سفیان کو جب سے دل کے رشتہ طے ہو جانے کا پتا چلا تھا۔ وہ ایسے ہی غصے سے بھرا پھر رہا تھا۔

”سفیان آہستہ بولو۔ اگر تمہاری یہ باتیں آپا یا تمہارے ابو نے سن لی تو بہت ناراض ہونگے۔ اور تمہیں آخر اتنی ہمدردی کیوں ہے اُس لڑکی سے۔ کیوں ہر وقت اُس کے وکیل بنے پھرتے رہتے ہو۔“

فاخرہ بیگم کو سفیان کا اس طرح دل کے لیے بولنا سخت ناگوار گزرا تھا۔

”کیونکہ محبت کرتا ہوں اُس لڑکی سے۔ اور شادی بھی اُسی سے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ پھوپھو سے بولیں یہ رشتہ ختم کر دیں۔“

سفیان آج پہلی بار اتنا نڈر ہو کر دل کی خاطر اپنی ماں کے سامنے بولتا محبت کا اظہار کر گیا تھا۔ جو منہ پر ہاتھ رکھے ہکا بکاسی اُسے دیکھے گئی تھیں۔ انہیں سفیان سے اس بات کی اُمید قطعی نہیں تھی۔ ایسا ہی کچھ حال دروازے کے بیچوں بیچ کھڑیں رقیہ بیگم کا تھا۔

”دیکھا فاخرہ اُس بے حیا عورت کی بیٹی اپنا جادو چلا گئی ہمارے بچے پر۔ کہتی تھی میں تمہیں دور رکھو سفیان کو اُس سے۔ وہ معصوم بن کر اندر سے یہ گل کھلاتی رہی اور ہمیں پتا بھی نہ چلا۔“

رقیہ بیگم صدمے کی کیفیت میں بولتیں اندر داخل ہوئی تھیں۔

”پھوپھو پلیز دل کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اُس کے بارے میں ایسی باتیں مت بولیں۔ میں محبت کرتا ہوں اُس سے۔ کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہوں کہ کسی کے بھی جال میں پھنس جاؤں گا۔“

سفیان کو سارا معاملہ ہاتھ سے نکلتا معلوم ہو رہا تھا۔ اُس کی اپنی ماں اور بے پناہ پیار لوٹانے والی پھوپھو ہی اُس کی محبت نہیں سمجھ رہی تھیں۔

”سفیان بس بہت ہو گیا۔ جو تم نے کہنا تھا کہ دیا اور ہم نے سن بھی لیا۔ اب اس کے بعد میں اس بارے تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نہ سنوں۔ ہمارے جیتے جی تو تمہاری شادی اُس لڑکی سے نہیں ہو سکتی۔ اور اگر تم نے اُس منحوس شہلا کی طرح کوئی غلط قدم اٹھانے کی کوشش کی تو میرا مرا منہ دیکھو گے۔ اب یہ تم پر ہے اپنی ماں کو چنتے ہو یا اُس بے شرم لڑکی کو۔“

فاخرہ بیگم سفیان کو ایمو شنل بلیک میل کرتیں وہاں سے نکل گئی تھیں۔ جبکہ کچھ فاصلے پر کھڑی رقیہ بیگم اپنی بھانج کو داد دیئے بنا نہیں رہ سکی تھیں۔

سفیان کا زلزلے کی زد میں آئے چہرے پر ایک نظر ڈالتی وہ بھی وہاں سے نکل آئی تھیں۔ تاکہ زربینہ کو ہفتے کے بجائے دو دنوں کے اندر نکاح کا کہہ سکیں۔



زورین شاہ کی گاڑی دیکھتے ہی شاہ پیلس کا مین گیٹ کھول دیا گیا تھا۔ جس سے گزر کر گاڑی گول شیپ میں بنی پتھروں کی روش کا چکر کاٹی پورچ میں آن رکی تھی۔

ڈرائیور کے دروازہ کھولتے ہی زورین شاہ سن گلاسز لگائے کوٹ بازو پر ڈالے کف کہنیوں تک فولڈ کیے باہر نکل کر شاہانہ چال چلتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ جہاں دروازے میں کھڑی ملازمہ نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ سے کوٹ تھام لیا تھا۔

”اسلام و علیکم۔ میری پرسنز کہاں ہے۔“

زورین ڈرائنگ روم میں اپنے انتظار میں بیٹھی نسیمہ بیگم کو سلام کرتے نظریں بے قراری سے پورے لاؤنج پر دوڑاتے بولا تھا۔

”وعلیکم اسلام۔ بیٹا میرا اپنے کمرے میں ہے۔ بہت ناراض ہے آپ سے۔“

نسیمہ بیگم اُسے دیکھ کر احتراماً اپنی جگہ سے اُٹھتے بولیں۔ جبکہ اُن کی بات پر زورین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”اچھا جی۔ تو اس کا مطلب ہے آج کالنج کینسل۔“

زورین اس مصنوعی ناراضگی کی وجہ اچھے سے جانتا تھا۔ اور یہ بھی کہ اُس کی لاڈلی پرسنز صوفے کے پیچھے چھپی اُس کی باتیں سن رہی ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ آفس سے آئے اور اُس کی چھوٹی سی پرسنز اُس کا انتظار کرتی لاؤنج میں نہ پائی جائے۔

وہ نسیمہ بیگم کی نشاندہی پر اُسی صوفے پر آ بیٹھا تھا۔ جبکہ اُس کی بات سن کر میرا کی ناراضگی غائب ہو چکی تھی۔ زورین نے آج اُسے آفس کریم کھلانے کا وعدہ کیا تھا۔ جو میٹنگ میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ پورا نہیں کر پایا تھا۔ مگر اب آفس کریم کی جگہ باہر لنچ کا سن کر میرا خوش ہوتی باہر نکلی تھی۔ اور اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اُس کا چہرہ اتھام کر معمولی کے مطابق اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

میرا ہر روز آفس سے واپسی پر اُس کا ویلکم ایسے ہی کرتی تھی۔

”ارے میری پرنسز تو یہی موجود ہے۔“

زورین اُسے اُٹھا کر اپنی گود میں بیٹھاتے اُس کا گال چوم گیا تھا۔

”کیونکہ میں جانتی ہوں میرے بابا کو سر پرائیزز بہت پسند ہے۔“

میرا نے اُس کے گلے میں بازو ڈالتے پیار سے کہا تھا۔

”میں نے سنا ہے میری میرونا راض ہے مجھ سے۔“

زورین نے اُس کا روئی جیسا گال کھینچتے پوچھا تھا۔ وہ آج مسلسل کام کرتے بہت تھک گیا تھا۔ مگر میرا کامر جھایا چہرہ دیکھنا اُسے کسی قیمت پر منظور نہیں تھا۔ اس لیے وہ بنا ایک منٹ بھی ریسٹ کیے اُس کی خوشی کی خاطر اُسے باہر لے جانے کو تیار ہو گیا تھا۔

اس آٹھ سال کی معصوم گڑیا میں اُس کی جان بستی تھی۔

میرا اُسے دس منٹ میں کپڑے بدل کر آنے کا کہتی ملازمہ کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

”خالہ بی آپ کو کوئی بات کرنی ہے مجھ سے۔“

زورین نسیمہ بیگم کو کب سے شش و پنج میں مبتلا دیکھ خود ہی استفسار کر گیا تھا۔ نسیمہ بیگم اُن کی بہت پرانی ملازمہ تھیں۔

جب سے اُس نے ہوش سنبھالا تھا۔ تب سے وہ انہیں اس گھر میں کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ انہیں بے حد عزت دیتا تھا۔ اور

ایک طرح سے گھر کا فرد ہی مان لیا تھا۔ مگر پھر بھی نسیمہ بیگم کو ایک جھجک رہتی تھی۔

”بیٹا وہ منزہ نے رشتے کے حوالے سے بات کی تھی آپ سے۔ اور آپ نے اُن کو ساری ذمہ داری سونپتے حامی بھر لی تھی۔“

نسیمہ بیگم کو ڈر تھا کہ کہیں پوری بات سن کر وہ بھڑک ہی نہ جائے۔ اس لیے نہایت تحمل سے اُسے اُس کی بھابھی منزہ کا حوالہ دیتے بولی تھیں۔ جو زورین کی بھابھی ہونے کے ساتھ فرسٹ کزن بھی تھی۔ اور اُس سے کافی کلوز بھی۔ زورین کے بھائی بھابھی چاہتے تھے وہ شادی کر لے۔ پہلے تو وہ ہر بار انکار ہی کرتا آیا تھا۔ مگر ایک دن آخر کار تنگ آکر اُس نے حامی بھر لی تھی۔ کہ وہ صرف میرا کی خاطر ہی شادی کرے گا۔ جو اُس کی بیوی نہیں صرف میرا کی ماں بن کر ہی رہے گی۔

اُس کے قریبی لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ شادی کر چکا ہے اور میرا اُس کی سگی اولاد ہے جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ جو زورین کسی کو بتانے کے حق میں نہیں تھا۔ اُس کے شادی سے انکار کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی۔ کہ وہ نہیں چاہتا تھا میرا سے اُس کی زرا اسی بھی توجہ ہٹے یا اُس کی محبت میں زرا اسی بھی کمی آئے۔ مگر یہ بات اپنے بھائی، بھابھی اور خالہ بی کو سمجھانا اُس کے لیے مشکل تھا۔ اس لیے صرف ان لوگوں کی خوشی کی خاطر وہ اُن کی پسند کی کسی بھی لڑکی سے شادی کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ جس کی جانب وہ کبھی بھی متوجہ نہ ہو سکے۔

”جی خالہ بی مجھے وہ ساری بات اچھی طرح سے یاد ہے۔ کیوں کیا ہوا۔۔۔۔۔ کہیں منزہ کو کوئی لڑکی مل تو نہیں گئی۔ یہ لڑکی لندن بیٹھ کر بھی میرے پیچھے ہی پڑی ہوئی ہے۔“

زورین نسیمہ بیگم کے تاثرات سے ساری بات سمجھ گیا تھا۔

”بیٹا مل بھی گئی ہے۔ اور وہ اُن کے ساتھ آپ کا رشتہ طے کر چکی ہیں۔ اس جمعہ کو نکاح ہے آپ کو۔“

نسیمہ بیگم نے بات ختم کرتے خوفزدہ نظروں سے زورین کی جانب دیکھا تھا۔

مگر زورین کو غصہ کرنے کے بجائے قہقہہ لگاتا دیکھ وہ حیران ہوئی تھیں۔

”منزہ پاگل ہو چکی ہے۔ اُس کی باتوں کو سیریس مت لیا کریں۔ آپ ریٹ کریں۔ میں بات کر لوں گا اُس سے۔“

زورین اس بات کو ہنسی میں اڑاتے نسیمہ بیگم کو اتنا پریشان دیکھ نرمی سے بولا تھا۔

وہ آفس کی نسبت گھر میں ایک بالکل مختلف انسان تھا۔ اپنے قریبی رشتوں کا خیال رکھنا اُسے بہت اچھی طرح آتا تھا۔ وہ

اپنوں کے لیے جتنا اچھا اور محبت کرنے والا تھا۔ غیروں کے لیے اتنا ہی سنگدل اور سفاک تھا۔



”پھوپھو یہ ٹھیک نہیں کر رہیں۔ کسی اور سے رائے لینا تو دور کی بات، تم سے بھی تمہاری مرضی تک پوچھنا گوارہ نہیں کیا۔

یہ غلط بہت غلط ہے۔ تم ہر بار کی طرح بار خاموش نہیں رہو گی۔ یہ تمہاری پوری زندگی کا معاملہ ہے۔“

اُن لوگوں کو جب سے اس بات کا پتا چلا تھا۔ وہ سب ہی غم و غصے کا شکار تھیں۔ سویرا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ جا کر رقیہ بیگم کو

جھنجھوڑ کر رکھ دے۔

”میں خاموش نہیں رہنا چاہتی۔ مگر میرے بولنے کا کیا فائدہ ہو گا۔ کونسا میری سنی جائے گی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کیا

کروں۔ مجھے نہیں کرنی کسی بھی ایسے ویسے شخص سے شادی۔ لیکن گھر میں کون میری بات سنے گا بھلا۔ سب نے میرا انکار

سن کر دوہرا ذلیل کرنا ہے مجھے۔ بلکہ اُسی وقت نکاح پڑھوا کر کسی ایرے غیرے کے ساتھ رخصت کر دینا ہے مجھے۔“

دل کی حالت قابلہ رحم تھی۔

”ہر بات کا چٹکیوں میں حل ڈھونڈنے والی آج اتنی ناامیدی کا شکار کیوں ہے۔ تمہاری شاگردی میں رہ کر میں بھی کافی ذہین ہو چکی ہوں۔ مے پاس ایک بہت زبردست آئیڈیا ہے۔“

لائیہ کی بات پر وہ تینوں اُس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

”تمہارے انکار کرنے سے مسئلہ بنے گا نا۔ اگر لڑکے والے ہی انکار کر دیں پھر۔“

لائیہ کے آئیڈیا پر اُن سب کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں۔

”یہ تو واقعی کمال کا آئیڈیا ہے۔ جب دل خود اُسے انکار کر گی۔ تو وہ بھی آگے سے انکار کر دے گا۔ دل کا کہیں کوئی نام نہیں آئے گا۔“

”نمبر کہاں سے آئے گا۔ تم لوگ بھی نجانے کیا کیا پلاننگ کر رہی ہو۔“

دل نے مایوسی سے چہرہ اچھکا لیا تھا۔

”تم نمبر کی ٹینشن مت لو۔ وہ میں لا کر دوں گی۔ تم بس یہ سوچو کہ تمہیں اُس شخص سے بات کیا کرنی ہے۔“

لائیہ اُس کی مشکل آسان کرتی اُسے نمبر لانے کا یقین دلاتی باہر نکل گئی تھی۔ زرینہ خالہ کی بیٹی سے اُس کی اچھی دوستی تھی۔ وہ با آسانی نمبر نکلوا سکتی تھی۔

★★★★★

سُلمین اپنی جگہ شاک کی کیفیت میں ابہتاج کا یہ جارحانہ عمل دیکھ رہی تھی۔

جونہایت ہی سکون سے قاسم کی کال کاٹ کر اُس کا موبائل آف کر گیا تھا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے مسٹر ابہتاج۔ آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرا موبائل چھیننے کی۔“

سُلین سے اُس کا یہ حاکمانہ انداز برداشت نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی وہ ایسے برتاؤ کی عادی تھی۔

”میری ہمت تو بہت کچھ کرنے کی ہے۔ بشرطیکہ آپ سہہ پائیں۔“

ابہتاج کے اس بدلتے لب و لہجے پر سُلین کے خوف میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ اُس نے نظریں اٹھا کر ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔ جس کے چہرے کے تاثرات پہلے سے کافی ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ مگر آنکھوں کی وحشت اب بھی ویسی ہی برقرار تھی۔ کچھ یاد آتے سُلین کی نظر اُس کے بازو کی جانب اٹھی تھی۔ جس پر گولی لگی تھی۔ جہاں پٹی تو بندھی ہوئی تھی۔ مگر ابہتاج اس بات کی پرواہ کیے بغیر اُسی بازو سے ڈمبل اٹھانے کے لیے نیچے جھکا تھا۔

”آپ کو چوٹ لگی ہے۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ آپ کو تو بازو ہلانا بھی نہیں چاہیے اور آپ یہ اتنا ویٹ اٹھا رہے ہیں۔“

سُلین خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی کہ اچانک اُسے کیا ہوا تھا۔ اپنے موبائل والی بات فراموش کرتی وہ بے اختیار اُس کی فکر میں بول پڑی تھی۔

جس پر ابہتاج نے کافی حیران نظروں سے اُسے گھورتے اچھا خاصہ شرمندہ بھی کر دیا تھا۔

”میڈم میری آدھی سانس بھی رہ جائے گی۔ میں تب بھی اپنی ایکسر سائز کرنا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ ایک گولی تو بہت ہی معمولی بات ہے۔ نشہ ہے یہ میرا۔“

ابہتاج نے اُسے تیکھے لہجے میں جواب دیتے اُسی ہاتھ سے ڈمبل اٹھا لیا تھا۔ جسے دیکھ سُلین کو اپنے بازو میں درد ہونا شروع ہو چکا تھا۔

”آپ کا خون۔۔۔۔“

سُلین سے بات پوری ہی نہیں ہو پائی تھی۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بالکل بھیگ چکا تھا۔ جسے دیکھ اتنے سالوں بعد ابہتاج لغاری کو دل میں تکلیف محسوس ہوئی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں وحشت کی جگہ سُلین کے لیے فکر واضح ہوئی تھی۔ ہر بات میں اپنی منمنائی کرنے والا ان آنسوؤں کے آگے بے بس پڑتا ڈمبلز نیچے رکھ گیا تھا۔

”اُس اوکے۔ میں اسے صاف کرتا ہوں ابھی۔ آپ ریلیکس ہو جائیں۔“

ابہتاج اُس کی کنڈیشن کے پیش نظر نرمی سے بولا تھا۔ جو اُس کی بات سمجھنے کے بجائے ویسی ہی خوفزدہ نظروں سے دیکھتی باہر کی جانب بھاگ گئی تھی۔

اُسے ابہتاج سے اپنا موبائل لینے کا ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ یہاں کھڑے اُسے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ابھی ہوش سے بیگانہ ہو کر گر جائے گی۔

ابہتاج لب بھینچتے خاموشی سے اُسے جاتا دیکھ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

★★★★★★★★

دل ہاتھ میں موبائل تھا مے شش و پنج میں مبتلا تھی۔ کال کرے یا نہ کرے۔ کہیں اس کی وجہ سے کوئی پرالیم نہ ہو جائے۔
”اس سے بڑی پرالیم میری زندگی میں مزید کوئی آسکتی ہے بھلا۔ اللہ کا نام لے کر کرتی ہوں فون۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔“

دل آخر کار ایک فیصلے پر پہنچتے نمبر ڈائل کرتی فون کان سے لگا گئی تھی۔ یہ نمبر اُسے زرینہ خالہ کی بیٹی صدف نے ہی چوراکر دیا تھا۔ زرینہ خالہ اپنی ڈائری میں ساری انفارمیشن رکھتی تھیں۔

”میں نے اس شخص کا نام تو پوچھا ہی نہیں صدف سے۔ اُف ہو۔“

دل اپنے بھلکڑپن پر خود کو کوستی دوسری جانب جاتی بیل سن رہی تھی۔

جب کچھ سیکنڈز بعد کال اٹینڈ ہوتے ہی بہت ہی مصروف سی آواز اُس کے کانوں میں گونجی تھی۔ جو دل کو کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی۔ مگر پھر اس خیال کو جھٹکتے وہ مقابل کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ جو اتنی عجلت میں لگ رہا تھا۔ جیسے اُس کی ٹرین چھوٹ رہی ہو۔

”مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ پلیز میری بات سنے بغیر کال مت کاٹے گا۔“

دل کو اسی بات کا ڈر تھا۔ اس لیے وہ جلدی سے بولی تھی۔

”ہو آریو۔“

دوسری جانب سے پہلے سے بھی زیادہ غصے سے پوچھا گیا تھا۔

”میرا نام دل ہے۔۔۔۔۔ میرا مطلب دل آویز ہے۔ میں وہی لڑکی ہوں۔ جس سے آپ کا رشتہ طے ہوا ہے۔ مگر پلیز مجھے

آپ سے شادی نہیں کرنی۔ دیکھیں آپ پلیز بُرا مت مانئے گا۔ میں آپ کو ریجیکٹ بالکل نہیں کر رہی۔ دراصل میں اپنے

کزن کو لائیک کرتی ہوں۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے ہی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ پلیز آپ یہ رشتہ ختم کر دیں۔ آپ کا

بہت بڑا احسان ہو گا مجھ پر۔“

دل ایک ہی سانس میں بولتی اپنی ساری بات کہہ گئی تھی۔ جبکہ دوسری جانب اُس کی بات سن کر گہری خاموشی چھا گئی تھی۔
”ہیلو آپ سن رہے ہیں نہ میری بات۔“

دل نے موبائل کان سے ہٹا کر سکریں کی جانب دیکھا تھا۔

”اگر اپنے کزن سے اتنی محبت کرتی ہیں۔ تو خود انکار کیوں نہیں کر دیتیں۔“

مقابل کا لہجہ اُسے مذاق اڑاتا معلوم ہوا تھا۔

”میری بات یہاں کوئی سن ہی نہیں رہا۔ میں تو کتنی بار انکار کر چکی ہوں۔“

دل کا لہجہ بے چارگی بھرا تھا۔

”اگر میں انکار نہ کروں تو۔“

ایک اور سوال داغا گیا تھا۔ دل دانت پیس کر رہ گئی تھی۔ عجیب فضول انسان تھا۔ پہلے بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ اور اب

اوٹ پٹانگ سوال کیے جا رہا تھا۔

”تو کیا آپ ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا پسند کریں گے۔ جس کے دل میں کوئی اور ہو۔“

دل نے بھی اُس کی طرح جواب دینے کے بجائے سوال کیا تھا۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر آپ ایک ایسے بزدل انسان کی خاطر یہ سب کر رہی ہیں۔ جو اپنی محبت کے لیے سٹینڈ بھی

نہیں لے سکتا۔ جس کی وجہ سے آپ کو اتنا بڑا رسک لینا پڑ رہا ہے۔“

اُس کے جواب نے دل کو جی جان سے جلا کر رکھ دیا تھا۔

”میرے لیے کیا اچھا ہے۔ اور کیا نہیں میں اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ آپ کو صرف اتنا کہنے کے لیے کال کی ہے کہ آپ اس رشتے سے انکار کر دیں۔“

دل کو یہ انسان عجیب دماغ کا لگا تھا۔ اُسے اپنی بات بنتی نظر نہیں آرہی تھی۔

”سیم ہیئر۔ میں بھی جانتا ہوں میرے لیے کیا اچھا ہے۔ اس لیے میں اس رشتے سے انکار نہیں کروں گا۔ اب میری شادی آپ سے ہی ہوگی۔ ملتے ہیں پھر دو دن بعد نکاح میں۔ اور ہاں آج تک کسی کی ہمت نہیں ہوئی زورین شاہ کو ریجیکٹ کرنے کی۔ یہ نکاح اسی گستاخی کی سزا ہوگا۔ تھوڑی دیر پہلے میں خود ہی اس رشتے سے انکار ہی کرنے والا تھا مگر اب نہیں۔ اب تو اگر تمہارے گھر والے انکار کر دیں تب بھی یہ نکاح ہو کر رہے گا۔“

دل یہ بات سنتی ساکت سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا کسی نے اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو۔ اُس کا نکاح زورین شاہ سے ہو رہا تھا۔ اُس گھمنڈی اور ایک نمبر کے کھڑ دماغ شخص سے۔ وہ بنانا م جانے کال کرنے کی اتنی بڑی غلطی کیسے کر سکتی تھی۔ دل اپنی بے وقوفی پر ہاتھوں میں چہرہ اگرائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ وہ شخص اب صرف ضد میں اُس سے نکاح کرنے جا رہا تھا۔ جس کی مدت ایک دن یا ایک ہفتہ بھی ہو سکتی تھی۔ کرب سے سوچتے اپنی بد قسمتی پر رونے کے سوا اُس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

★★★★★★

دل آویز کی اس غیر متوقع کال نے اُسے ایک پل کے لیے حیران کر دیا تھا۔ مگر اُس کی پوری کہانی سن کر زورین کو اُسے تپانے میں بہت مزا آیا تھا۔ وہ خود بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔ کس لمحے کے زیر اثر وہ دل کو وہ سب باتیں بول گیا تھا۔

اُس نے کال بند کرتے منرہ سے لڑکی کی تصویر مانگی تھی۔ دل کی آواز اور انداز سے اُسے یقین تو ہو چکا تھا۔ یہ وہی لڑکی ہے۔ مگر وہ ایک بار تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

اگلے کچھ سیکنڈز بعد منرہ کی بھیجی گئی تصویر دیکھ اُس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ پہلے دن سے ہی اُسے اس لڑکی میں ایک اکڑ دکھی تھی۔ جسے ختم کرنے کا اُسے موقع مل چکا تھا۔ دل آویز نے ہر بار اُس کی ذات کی نفی کی تھی۔ اُس جیسے مغرور شخص کی انا کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

پچھلی بار نبجانے کس احساس کے تحت اُس نے دل کی وجہ سے اُس کے گھر والوں کو ایک مہینے کی مہلت دے دی تھی۔ جو کہ اُس نے اپنے مزاج کے بالکل برخلاف جا کر کیا تھا۔

دل آویز کے بلیک دوپٹے کے ہالے میں مقید گلابی چہرے پر اُس کی نگاہیں بھٹک گئی تھیں۔ مگر فوراً تصویر کو بیک کرتے اُس نے منرہ کو اوکے کا میسج سینڈ کر دیا تھا۔ ایک ایسی ہی مڈل کلاس لڑکی اُس کے ساتھ سو ٹیبل تھی۔ جسے اُس میں کوئی انٹرسٹ نہ ہو۔ اور نہ ہی وہ اُس کی لائف میں دخل اندازی کر سکے۔ دل آویز اُسے شادی جیسی یہ فار میلٹی نبھانے کے لیے بالکل پرفیکٹ لگی تھی۔

مگر وہ خود بھی اس بات پر غور نہیں کر پایا تھا۔ کہ پہلے جس رشتے کے لیے وہ سختی سے انکار کر رہا تھا۔ اب اتنی جلدی کیسے مان گیا تھا۔ یہ فیصلہ صرف دل کی ایک فون کال پر ضد میں آکر کیا گیا تھا۔ یا اس میں اُس کی کوئی دلی وابستگی شامل تھی۔

★★★★★★

"میم وہ باہر ابہتاج لغاری ملنے آئے ہیں آپ سے۔"

سُلین پورے انہماک سے فائلوں پر جھکی اپنے کام میں مصروف تھی۔ جب صبا کی اطلاع پر پین اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا تھا۔ دل زور سے دھڑک اُٹھا تھا۔

”وہ کیوں آئے ہیں یہاں۔“

سُلین کی آنکھوں کے سامنے آج صبح والا سارا منظر گھوم گیا تھا۔

”میم یہ تو نہیں بتایا انہوں نے۔“

صبا کے جواب پر سُلین اُسے ابہتاج کو اندر لانے کا کہتی ماتھے سے پسینا خشک کرنے لگی تھی۔ ابہتاج کی خود پر اُٹھتی نظریں اُسے ہر بار بہت کنفیوز کر دیتی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ ناک کرتا اُس کے آفس میں داخل ہوا تھا۔ پچھلی بار کی طرح آج بھی وہ سیاہ لباس میں ہی ملبوس تھا۔ وہ اس میں اس قدر وجہہ اور پرکشش لگ رہا تھا۔ جیسے یہ رنگ خاص اُسی کے لیے بنایا گیا ہو۔ سُلین کے دل نے بے اختیار اُس کی بے پناہ وجاہت کا اقرار کیا تھا۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔“

سُلین کو سٹیچو بنا خود کو گھورتا پا کر ابہتاج نے گھیسیر آواز میں اُسے مخاطب کرتے اپنے خیالوں سے باہر کھینچا تھا۔

”یس پلیز۔۔۔“

سُلین اپنی حرکت پر بُری طرح خجالت کا شکار ہوئی تھی۔

”آپ کا فون۔۔۔ صبح وہیں چھوڑ آئی تھیں آپ۔“

پاکٹ سے موبائل نکال کر اُس کی جانب بڑھاتے ابہتاج کی گہری نظریں اُس کے دلکش چہرے کا طواف کرنے لگی تھیں۔
آج اُس کے اِس بدلے انداز پر سُلین کو اپنی سانسیں اٹکتی محسوس ہوئی تھیں۔ لرزتے ہاتھ سے اُس نے موبائل تھام لیا
تھا۔ جب اُس کی نظریں بے اختیار ابہتاج کے بازو کی جانب اُٹھی تھیں۔
"بینڈ تج کر لیا ہے میں نے۔"

ابہتاج نے اپنا بازو اُس کے سامنے کیا تھا۔ سُلین ادھر بھی اپنی نگاہوں کی چوری پکڑے جانے پر اُسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔
اِس بندے کی نظروں سے بچنا آسان کام نہیں تھا۔
"آپ کون ہیں۔ ہر بار اتنی بہادری سے غنڈوں کا مقابلہ کیسے کر لیتے ہیں۔ پیٹھ پیچھے سے چلائی گئی اِس گولی کے علاوہ آپ کو
کبھی کوئی چوٹ بھی نہیں لگی۔ اتنا پرفیکٹ بھلا کوئی کیسے ہو سکتا ہے۔"
سُلین نے آخر وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا۔ جو ہر بار ابہتاج کو دیکھ اُس کے ذہن میں آتا تھا۔
"آپ کیوں جاننا چاہتی ہیں میرے بارے میں۔"
ابہتاج اچھے سے سمجھ چکا تھا۔ کہ سُلین حبیب اُس کی ذات میں کافی انٹرسٹ لینے لگی تھی۔
"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔"

اُس کے پوری طرح اپنی جانب متوجہ ہو جانے پر سُلین نے لرزتے ہاتھ سے اپنے چہرے پر پھسل آنے والی لٹ کو پیچھے ہٹایا
تھا۔ جب ابہتاج کی نظر اُس کے ہاتھ میں پہنی رنگ پر گئی تھی۔
"بچپن سے یہی کرتا آیا ہوں میں۔ اِس لیے اب کافی ایکسپرٹ ہو چکا ہوں۔"

ابہتاج کی بات پر سُلین نے آنکھوں میں تغیر سموئے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ حلیے سے وہ فور سز کا آدمی بالکل بھی نہیں لگتا تھا۔ تو پھر کیا وہ کوئی غنڈہ تھا۔

سُلین کی آنکھوں میں اُبھرتی تحریر پڑھتے ابہتاج کی آنکھیں نجانے کتنے عرصے بعد مسکرائی تھیں۔ سُلین بھی کچھ پل کے لیے مبہوت رہ گئی تھی۔ اُس کی مسکراتی آنکھیں سُلین کو اپنے سحر میں جکڑ گئی تھیں۔ وہ کچھ اور دیکھنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ آج اُسے اس بات پر یقین ہو گیا تھا کہ یہ انسان نہیں کوئی جادو گر تھا جو کسی کو بھی اپنے طلسم جکڑ سکتا تھا۔

”اُس سے کہیں زیادہ خطرناک ہوں میں۔ جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔“

ابہتاج نے اُس کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکتے مزید ڈرایا تھا۔ اِن ہر نی آنکھوں نے اُس کے پتھر دل پر پہلا وار کر دیا تھا۔

سُلین اس سے پہلے کے اُس کی بات کا جواب دیتی جب دروازہ ناک ہونے کی آواز آئی تھی۔ سُلین کی اجازت دینے پر قاسم اُسے سلام کرتا اندر داخل ہوا تھا۔

پیچھے کھڑے ہونے کی وجہ سے قاسم کی نظروں سے ابہتاج کا چہرہ او جھل تھا۔ مگر ابہتاج جان چکا تھا کہ اندر کون آیا ہے۔

”میم آپ نے فائل سائن کر دیئے۔“

قاسم نظریں جھکائے سُلین سے مخاطب تھا۔ جب سُلین نے ٹیبل پر رکھی دو فائلز اٹھا کر کھولی تھیں۔

”جی سائن تو میں نے کر دیئے تھے۔ مگر یہ ایک دو پوائنٹس مارک کر دیئے ہیں میں نے۔ آپ انہیں ریڈ کر لیں۔“

سُلین نے اُسے اپنے ٹیبل کے قریب دائیں جانب بلاتے فائلز پر نشاندہی کرتے کہا تھا۔

جبکہ قاسم تو وہاں بیٹھے ابہتاج لغاری کو دیکھ شک میں جا چکا تھا۔ سُلین کچھ بتا رہی تھی۔ مگر اُس کی آگ اُگلتی نظریں ابہتاج پر جمی ہوئی تھیں۔ ایسا ہی کچھ حال ابہتاج کا بھی تھا۔ جبکہ دونوں کی کیفیت سے بے خبر سُلین اپنی ہدایت دینے میں مصروف تھی۔

”آپ لے جائیں انہیں۔ اور فائل کر کے ایک بار مجھے دیکھا دیجیے گا۔“

سُلین نے فائلز قاسم کی جانب بڑھائی تھیں۔ جب صرف ابہتاج کو دیکھانے کی خاطر قاسم نے فائل کے ساتھ ساتھ سُلین کے ہاتھ کو بھی ٹچ کیا تھا۔ جسے سُلین تو غیر ارادی حرکت سمجھ کر ہاتھ کھینچ گئی تھی۔ مگر ابہتاج کو قاسم کی یہ گھٹیا حرکت آگ بھگولا کر گئی تھی۔

قاسم نے ابھی وہاں سے ہٹنے کے لیے قدم بڑھائے ہی تھے۔ جب ابہتاج نے کچھ سیکنڈ پہلے ویٹر کی لائی گرم اُبلتی چائے ہاتھ مار کر پاس سے گزرتے قاسم کے ہاتھوں پر اُلٹ دی تھی۔

”اوہ نو۔ قاسم آپ ٹھیک ہیں۔“

سُلین یہ نہیں دیکھ پائی تھی۔ کہ یہ کیسے ہوا ہے۔ مگر قاسم کا ہاتھ دیکھ وہ فکر مندی سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کا یہ بے اختیار انداز ابہتاج کو آگ لگا گیا تھا۔ ہونٹ بھینچے وہ سُلین کو قاسم کے لیے فکر مند ہوتے دیکھ رہا تھا۔ کیسے ضبط کیے بیٹھا تھا۔ یہ وہی جانتا تھا۔

”اتنے بڑے شخص کی آنکھوں میں اتنی چھوٹی سی تکلیف پر آنسو کافی مضحکہ خیز بات ہے۔“

ابہتاج کرسی کی بیک سے پشت ٹکاتا قاسم کالال چہرہ دیکھ تمسخرانہ لہجے میں بولا تھا۔ جس پر سُلمین کے سامنے قاسم نے کیسے ضبط کیا تھا۔ یہ وہی جانتا تھا۔

”اُس اوکے میم میں ٹھیک ہوں۔“

قاسم سُلمین کے اس قدر فکر مند انداز پر نرمی سے کہتا غصیلی نظروں سے ابہتاج کو دیکھتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

”آپ کو اگر درد نہیں ہوتا تو اس کا مطلب۔ ہر انسان آپ کی طرح بے حس ہے۔“

سُلمین کو ابہتاج کا قاسم کی تکلیف پر مذاق بنانا بہت بُرا لگا تھا۔ ابہتاج نے بہت غور سے اُس کے پھولے گال اور نتھنوں کو دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے غصہ کرتی اُسے بے حد کیوٹ لگی تھی۔

”میں نے کب کہا مجھے درد نہیں ہوتا۔“

ابہتاج اپنی جگہ سے اُٹھتا سُلمین کی جانب بڑھا تھا۔ جو ابھی تک اُسی طرح کھڑی ہوئی تھی۔ ابہتاج کو اپنے قریب آتا دیکھ وہ فوراً دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ کیونکہ ابہتاج نے درمیان میں ایک قدم کا فاصلہ بھی نہیں چھوڑا تھا۔

”ابھی کچھ دیر پہلے ہی یہاں بہت درد ہوا ہے۔“

سُلمین کا وہی ہاتھ جو قاسم نے چھوا تھا۔ اپنے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں لیتے ابہتاج کا لہجہ بھاری ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اُس کی انگلیوں کو چھوتے اُس نے قاسم کا لمس وہاں سے ہٹانا چاہا تھا۔ اُس کے اس عمل پر سُلمین جی جان سے لرز گئی تھی۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ پلیز سٹے اوے۔“

سُلیم اُس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکلنے کی کوشش کرتے حیرت سے اُس کا یہ بدلہ انداز دیکھ رہی تھی۔ ابہتاج کی گرفت اُس کے ہاتھ پر جتنی نرم تھی آنکھیں ضبط کے احساس سے اتنی ہی لال ہو چکی تھیں۔

"یہی الفاظ اپنے اُس دو ٹکے کے ملازم کو بولنا۔ اگر وہ دوبارہ تمہارے قریب آیا تو اُس کو کاٹ کے رکھ دوں گا۔ میں صرف ایک بار بولتا ہوں۔ اگلی بار عمل کرتا ہوں۔ سودھیان رکھنا۔"

ابہتاج اُس کے ہاتھ کی پشت پر ہونٹ رکھتے نہایت ہی نرمی سے اُس کا پھولا ہوا گال سہلاتے بھرپور نظر اُس پر ڈالتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ وہ اس وقت اتنے شدید غصے کے باوجود سُلیم سے اتنی نرمی سے بات کیسے کر گیا تھا۔ اگر یہی چیز پاشیا اُس کا کوئی اور ساتھی دیکھ لیتا تو غش کھا کر گر پڑتا۔ اتنا بے رحم انسان کے کسی کے لیے ایسے جذبات ناقابل یقین بات تھی۔

جبکہ سُلیم کی حالت ایسی تھی کہ وہ اب زندگی بھر اس جگہ سے ہل بھی نہیں پائے گی۔ اُس کا ہاتھ ابھی بھی ہوا میں اُسی جگہ معلق تھا۔ جہاں ابہتاج چھوڑ کر گیا تھا۔ اس دھکتے آتش فشانی لمس پر اُس کا پورا وجود پسینے سے نہا گیا تھا۔ دل کا شور ابس قدر بڑھ گیا تھا۔ جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر نکل آیا تھا۔ سُلیم بے جان ہوتے وجود کے ساتھ پیچھے پڑی کرسی پر ڈھے گئی تھی۔ ابہتاج کی دی جانے والی دھمکی ابھی تک اُس کے چاروں اوڑر گردش کر رہی تھی۔ یہ شخص کون تھا۔ اور کیا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کے گرد یہ کیسا حصار باندھ رہا تھا۔ سُلیم کا دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔



ذکر یا منزل کے ڈرائنگ روم میں اس وقت موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہاں موجود تمام نفوس صدمے کی کیفیت میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ کی آنکھوں میں بے پناہ خوشی چھائی ہوئی تھی۔ جب کے کچھ کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا۔ کہ اُن کی تو دنیا ہی لُٹ گئی ہو۔

”زرینہ تم اتنی بڑی بے وقوفی کیسے کر سکتی ہو۔ تم نے اتنی اہم بات نہیں بتائی ہمیں۔ کہ جس کے رشتے کی تم بات کر رہی تھی وہ زورین شاہ تھا۔“

رقیہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا۔ زرینہ کا حشر بگاڑ دیں۔ وہ ایسا کر بھی گزرتیں اگر اس میں اُن کی اپنی غلطی بھی شامل نہ ہوتی۔

”آپ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے تو آپ کو بتانا چاہا تھا۔ آپ نے ہی اُس معصوم بچی کو سر سے اُتارنے کی اتنی جلدی تھی۔ کہ آپ نے میری بات سنی ہی نہیں۔ میرا اس بات میں کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ آپ لوگوں کا اُن سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔ مگر آپ اس سے زیادہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہوئیں۔ آپ کے دل کو تو یہی بات بھاگئی کہ لڑکا پہلے سے شادی شدہ ایک بچے کا باپ ہے۔“

زرینہ خالہ زرا سا بھی لحاظ رکھے بغیر سب گھر والوں کے سامنے اصل بات رکھ گئی تھیں۔ جس پر وہاں دل کے حامی تمام بنگ پارٹی نے تاسف بھری نظروں سے اُن کی جانب دیکھا تھا۔

رقیہ بیگم اپنا ماتھا پیٹ گئی تھیں۔ اُسے یہی لگ تھا کہ زرینہ نے بے جوڑ اس سینس میں کہا ہے۔ کہ لڑکے والی شاید بہت غریب تھے۔

مگر وہ اس بات سے بالکل انجان تھے کہ شہزادوں کی سی آن بان اور حیثیت رکھنے والا لڑکا دل کا ہر بینڈ بنے گا۔ اونچے گھر
آنوں میں خاندان کی کئی لڑکیاں بیاہی گئی تھیں۔ مگر اُن کے سسرال والے اتنے ویل آف اور رچ نہیں تھے۔ اُن کا
سٹیٹس زورین شاہ کے مقابلے میں کچھ نہیں تھا۔ شہلا کی بیٹی اتنی اچھی جگہ بیاہی جا رہی تھی۔ یہ بات ہضم کرنا رقیہ بیگم کے
لیے کافی مشکل ہو رہا تھا۔

”آپ کو کیا لگا تھا پھوپھو۔ جتنی مرضی گھٹیا پلاننگ کریں گی، دل کے ساتھ ویسا ہی ہو گیا۔ بھول گئیں اُس پروردگار کو۔ جو
ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے انسان سے۔ دل کے پاس اُس کی فکر کے لیے سگی ماں نہیں ہے۔ مگر اُس کا اللہ تو ہے نا۔
جس نے اُس کے خلاف چلنے والی آپ کی چال آپ پر ہی اُلٹ دی۔ میں جانتی ہوں آپ اب انکار کرنا چاہیں گی اس رشتے
سے۔ مگر زورین شاہ جو انکار کر کے کہیں آپ لوگ ہی نہ پھنس جائیں۔ غصے میں آکر وہ کہیں ایک مہینے کی دی گئی مہلت
چھین ہی نہ لے۔ انکار کر کے زورین شاہ سے دشمنی مول لینے والی بات ہی ہے۔“

دل کے لیے اتنا اچھا ہو تا دیکھ سویرا کا دل خوشی سے جھوم رہا تھا۔ مگر ساتھ ہی اپنے بڑوں کی زہنیت کے بارے میں جان کر
اُسے بہت دکھ ہوا تھا۔

”تو پھر اب کیا کروں میں۔ انکار کر دوں یا کل نکاح ہو گا۔“

زرینہ نے اُن سب کے زخموں پر نمک چھڑکتے سوال کیا تھا۔ زرینہ جب بھی یہاں آئی تھی۔ رقیہ بیگم ہر بار اُسے دل کے
لیے کوئی بُرے سے بُرا رشتہ تلاش کرنے کو کہتی تھیں۔ زرینہ اُن کی بات پر حامی بھرنے کے باوجود خود کو ایسا کرنے کو تیار
نہیں کر پاتی تھیں۔ ایسا کرنے پر رقیہ بیگم نے اُنہیں منہ مانگی رقم دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ دل بہت شرارتی تھی اکثر اوقات

اُنہیں تنگ بھی کرتی تھی۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ نیک سیرت اور دل کی کتنی اچھی لڑکی ہے۔ اُن کا دل اس معصوم محرومیوں میں پلی لڑکی کے ساتھ غلط کرنے کے لیے کسی صورت نہیں مانتا تھا۔ جب اُن کی اپنی بیٹی بھی اسی عمر کی تھی۔ وہ ایسا کر کے پوری زندگی ضمیر کا بوجھ نہیں سہنا چاہتی تھیں۔

اُس دن رقیہ بیگم کے سامنے اُنہوں نے خود بھی جان بوجھ کر زورین شاہ کا نام نہیں لیا تھا۔ اُن نے ایک چھوٹی سی چال چلی تھی۔ جو کہ اب کامیاب ہو چکی تھی۔ کل زورین اور دل کا نکاح تھا۔ یہ لوگ اب چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایسا کر کے زورین شاہ سے سیدھا دشمنی مول لینے والی بات تھی۔

”اب کیا کریں آپا۔“

فاخرہ بیگم بے دلی سے بولی تھیں۔

”اب کیا ہو سکتا بھلا۔۔۔۔۔ تیاری کرو سب کل نکاح ہے۔ جس لڑکی کی اوقات دو کپڑوں میں رخصت کرنے کی ہے۔ اب صرف زورین شاہ کے شیانے شان محفل تیار کرنی پڑے گی۔“

رقیہ بیگم دانت پیستے خفگی سے بھرپور لہجے میں بولی تھیں۔ جبکہ اُن کی بات سن کر صوفیہ دل کے روم کی جانب بھاگ گئی تھی۔

”مبارک ہو مبارک ہو۔ فائنلی کل ہماری دل آویز میڈم کا نکاح ہے۔ وہ بھی زورین شاہ سے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ دل تم کتنی لکی ہو یار۔ رونا بند کرو اب۔ اندر سے تو تمہارے بھی لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔“

صوفیہ خوشی سے دل کے گرد چکر کاٹی جھومتے ہوئے بول۔ جبکہ باقی تینوں بھی اسی طرح بے حد خوش تھیں۔ سوائے دل کے۔

”بکو اس بند کرو۔ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“

دل نے جو تا اٹھا کر اُس کی کمر پر مارتے غصے سے چلا کر کہا تھا۔

”اُوئی جنگلی لڑکی تمہیں تو زورین شاہ ہی سیدھا کرے گا۔ اُس دن نجانے کیا جلوے دیکھا کر آئی ہو۔ کہ شاہ صاحب نے سیدھا رشتہ ہی بھیج دیا۔“

صوفیہ نے رازدانہ انداز میں اُس کے قریب جھکتے شوخی سے کہا تھا۔

”سویرا سے کہو میری نظروں سے دور ہو جائے ورنہ آج میرے ہاتھوں اس کا قتل تو ہو کے رہے گا۔ پھر تو میرا نکاح لازمی رک جائے گا۔“

دل جلے کٹے انداز میں بولی۔ اُس کو اس وقت ان سب کو خوشیاں مناتے دیکھ مزید رونا آ رہا تھا۔

”دل تم جانتی نہیں ہو۔ انجانے میں تمہارے ساتھ کتنا اچھا ہو گیا ہے۔ زورین شاہ کا نام ابھی تمہارے ساتھ جڑا بھی نہیں

ہے۔ اور دیکھو کیسے سب لوگ بے بس ہو گئے ہیں۔ میں مانتی ہوں سفیان بھائی بہت اچھے ہیں۔ مگر چاہنے کے باوجود وہ

تمہیں اس گھر میں کوئی مقام نہ دلا پاتے۔ وہ تو رشتے کے لیے منانے کے لیے بھی سب کے آگے ہار گئے ہی۔ سوچو پھر آگے

تمہاری لائف کیسی ہوتی۔ سفیان بھائی رشتوں میں الجھ کر تمہیں تمہارا مقام نہیں دلا پائیں گے۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں۔

کہ تم ان سے محبت نہیں کرتی۔ بچپن سے سب لوگوں کے سخت رویے کے بیچ ایک نرم مزاج شخص جس نے تمہارا خیال

رکھا ہے۔ اُس سے صرف ایک اُنسیت سی ہو گئی تھی تمہیں۔ اِسے محبت نہیں کہتے میری جان۔ میرا مخلصانہ مشورہ مانو تو خاموشی سے اِس نکاح کے لیے مان جاؤ۔ اِسی میں سب سے زیادہ بھلائی ہے تمہاری۔ اب جب کہ گھر میں سب کو پتا چل گیا ہے کہ سفیان بھائی تمہیں لائک کرتے ہیں۔ تو تمہارا اِس گھر میں رہنا مزید مشکل ہو جائے گا۔“

سویرا اُس کے قریب بیٹھتی محبت سے اُس کا ہاتھ تھامے سمجھا رہی تھی۔ دل نے نم آنکھیں لیے بے بسی سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ اُسے کیا بتاتی کہ جس انسان کی وہ اتنی تعریفیں کر رہی ہے۔ وہ اتنا اچھا بالکل بھی نہیں تھا۔ وہ سخت ناپسند کرتا تھا اُس کے گھر والوں کو، صرف ضد میں آکر ہی اُس سے شادی کرنے والا تھا۔ زیادہ ٹینشن میں وہ اِسی بات پر تھی۔ جس شخص کو وہ ایک منٹ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اُس سے شادی کرنا اُسے کسی عذاب سے کم نہیں لگ رہا تھا۔



”تو آخر ابہتاج لغاری رہا ہو گیا ہے۔ اور ہمیں خبر بھی نہیں ہوئی۔ میں بھی کہوں۔ اچانک ایسا کونسا مائی کالا ل پیدا ہو گیا۔ جو ہر بار اتنی بے دردی سے میرے آدمیوں کو پیٹ کر خالی ہاتھ لوٹا رہا ہے۔“

اپنے کرل کیے بالوں کو اُنکلی پر لپیٹتے وہ ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ سجائے بولی تھیں۔

”ہاں اپنی پوری سزا کاٹے بغیر نکلا ہے وہ۔ اتنے سال جال میں گزارنے کے بعد بھی اکڑ ویسی ہی ہے اُس کی۔ جتنا بڑا نقصان کر کے وہ ہمارا گیا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا۔ دیکھتے ہی گولی مار دوں اُسے۔“

سپیکر پر نفرت میں ڈوبی زہر خند آواز سن کر اُس عورت کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔

”اوہ ہو۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ہمیں اُسے مارنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اُس کا غصہ ہی اُس کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اُس کے اتنے سال جیل میں رہنے کی وجہ بھی یہی تھی۔ اور اب آگے بھی یہ غصہ ہی اُسے مزید تباہ کرے گا۔“

ابہتاج لغاری کی ساری باتوں سے واقف تھیں وہ۔ مقابل موجود قاسم اُس کی بات سن کر مسکرایا تھا۔

”اس کمزوری کے ساتھ ساتھ ایک اور کمزوری بھی پتا چل گئی ہے مجھے۔ جس سے ابہتاج لغاری کو تڑپانے میں بہت مزہ آئے گا۔“

کچھ یاد آتے قاسم کا غصہ کافی حد تک کم ہوا تھا۔

”کہیں اُس کمزوری کا نام سُلیں حبیب تو نہیں۔“

اب کی بار وہ عورت خباثت سے قہقہہ لگا گئی تھی۔ جس کا قاسم نے پورا پورا ساتھ دیا تھا۔

”اب زیادہ مزہ آئے گا۔ ابہتاج لغاری سے بدلہ لینے اور اُسے تڑپانے کا۔“

اُس عورت کا لہجہ ایک دم سفاک ہوا تھا۔

”ہممہ۔ آپ اس کھیل میں مجھے اپنا ہم قدم پائیں گی۔ اتنے سال سُلیں حبیب کی جو چاکری کی ہے۔ اُس کا فائدہ اٹھانے کا ٹائم آ گیا ہے اب۔“

قاسم آنکھوں میں نفرت بھرے بولتا فون بند کر گیا تھا۔

★★★★★★

”مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے سویر اپنا نہیں کیا ہو گا۔“

دل باہر جاتی سویرا کا ہاتھ تھام کر روکتے روہانے لہجے میں بولی تھی۔ ابھی کچھ دیر میں اُس کا نکاح تھا۔ وہ اس وقت وائٹ کلر کے موتیوں سے سجے لانگ فرائ میں نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ زرا سے میک اپ نے اُس کا دو آتشہ حُسن مزید نکھار دیا تھا۔ نازک سراپے پر نیٹ کے دوپٹے کو بہت ہی سٹائلش انداز میں سیٹ کیا گیا تھا۔ جس کے اوپر لال اور گنزا کے دوپٹے سے گھونگھٹ ڈالا گیا تھا۔ دوپٹہ ہلکا سا پیچھے کیے وہ آنکھوں میں نمی لیے خوفزدہ سی حُسن کی مورتی سویرا کو بھی ایک پل کے لیے مبہوت کر گئی تھی۔

جیولری کے نام پر سسرال والوں کی جانب سے بھیجا گیا ڈائمنڈ کا سیٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ اُس کے لیے آئی بے پناہ قیمتی چیزیں دیکھ سب گھر والوں کو نجانے کتنی بار غش پڑ چکے تھے۔ مگر رقیہ بیگم کے پاس ہاتھ ملنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ ماتھے پر سچی ماتھا پیٹی اور ناک میں پہنی ڈائمنڈ کی نتھ اُس کے چہرے کی معصومیت اور دلکشی میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔ نازک ملائم ہونٹوں پر سچی لال لپسٹک اُس کے ہوش ربا حُسن کی رعنائیوں کو مزید بڑھا رہی تھی۔

"تمہارے شاہ صاحب کی خیر نہیں ہے آج۔ بہت افسوس ہونے والا ہے انہیں اس بات پر۔ کہ رخصتی آج کیوں نہیں رکھی انہوں نے۔"

لابہ اُسے چھیڑتے ہوئے بولی تھی۔

"تم سب دور ہو جاؤ میری نظروں سے شکل دیکھانے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھ رہی ہوں میں تم لوگوں کی اس خوشی کو۔ مجھ سے جان جو چھوٹ رہی ہے۔"

دل اُن سب کے مسکراتے چہروں کو دیکھتی دل برداشتہ سی فراک دونوں ہاتھوں میں تھامے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ جبکہ اُس کے روٹھے انداز پر اُن سب کی ہنسی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ سب دل کے اچھے مستقبل کے لیے پُر اُمید تھیں۔ کم از کم اُن کے خود غرض گھر والوں سے تو جان چھوٹ رہی تھی اُس کی۔

”کہاں جا رہی ہو۔ اتنی جلدی ہے اپنے شاہ صاحب سے ملنے کی۔“

صوفیہ کی زبان میں ایک بار پھر کھجلی ہوئی تھی۔

”جہنم میں۔“

دل دانت پیس کر جواب دیتی واش روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

جبکہ وہ سب پیار بھری مسکراہٹ اُس پر اُچھالتی برائیدل روم سے باہر نکل گئی تھیں۔

زورین نے اُس کے گھر والوں کو کوئی بھی اربنچمنٹ کرنے سے منع کرتے نکاح کے فنکشن کے لیے شہر کا سب سے مہنگا ترین ہال بک کروایا تھا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا یہ لوگ چاہے جتنی بھی کوشش کر لیں۔ اُس کے سٹینڈرٹک فنکشن آرگنائز نہیں کروا سکتے تھے۔ فنکشن میں اُس کا سارا سوشل سرکل انوائٹڈ تھا۔ وہ اپنی رپوٹیشن کو لے کر کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔

ذکر یا منزل کے سبھی لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ اُس نے یہ سب اُن کے خیال سے کیا ہے۔ لیکن دل یہاں کی لوکیشن اور اتنے اعلیٰ پیمانے پر کیا گیا اربنچمنٹ دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی۔ کہ زورین شاہ نے یہ سب اچھائی میں بالکل بھی نہیں کیا۔ اُس مغرور انسان نے صرف اپنے سٹیٹس کی وجہ سے کیا ہے یہ۔ زورین شاہ کی سوچ سے وہ اب اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔

مگر چاہ کر بھی اس نکاح سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ جب ہمیشہ اُس کا خیال رکھنے والا سفیان بھی اُس کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ کسی اور سے بھلا وہ کیا اُمید کرتی۔



”خوش آمدید خوش آمدید۔ میرا شیر آیا ہے آج تو میرے غریب خانے پر۔ یہاں کی روشنیاں بڑھ گئی ہیں۔“
ابہتاج کو اندر آتا دیکھ پاشا اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا اُس کے استقبال میں آگے بڑھتا تھا۔ جبکہ ارد گرد موجود تمام آدمی سر جھکائے احتراماً کھڑے ہوئے تھے۔
”کیسے ہو پاشا۔“

اُس کے اتنے والہانہ انداز پر ابہتاج نے بھی جواباً گرمجوشی دیکھاتے اُسے سینے سے لگا لیا تھا۔
”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور تمہارے مضبوط سینے سے لگ کر تو مزا آ جاتا ہے۔“
پاشا نے ہر بار کی کہی جانے والی بات دوہرائی تھی۔ جس کا جواب ابہتاج نے سر ہلا کر دیا تھا۔
”تم نے تو خود کو مزید پاور فل کر لیا ہے۔“

ابہتاج نے آس پاس سیاہ وردی میں گھومتے اسلحہ سے لیس آدمیوں کو دیکھ کر کہا تھا۔ وہ دونوں چلتے پاشا کے سٹنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔

”تمہارے دشمنوں کو بھی دھول چٹانی ہے پاور فل تو ہونا ہی پڑے گا۔“

پاشا اُس کے ساتھ صوفے پر براجمان ہوتے بولا۔ پاشا کی بات پر ابہتاج کے چہرے کا رنگ بدلہ تھا۔

”تمہارا زخم کیسا ہے۔ دلاور بتا رہا تھا۔ وہ لڑکی تمہارے گھر بھی آئی تھی۔ اور نجانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ شاید انٹر سٹڈ ہو تم اُس لڑکی میں۔“

پاشا اُس کا موڈ خراب ہوتا دیکھ جلدی سے بات تبدیل کر گیا تھا۔ یہاں کا ڈان تھا وہ۔ جس کے صرف نام سے ہی لوگ خوف کھاتے تھے۔ مگر ابہتاج کے سامنے وہ ایسے ہو جاتا تھا۔ جیسے اُسی کے انڈر کام کرتا اُس کا کوئی ماتحت ہو۔

”زخم ٹھیک ہے۔ لیکن تمہارا یہ آدمی کچھ زیادہ بکواس نہیں کرتا ہے۔ اُس لڑکی کے بارے میں ایک لفظ نہیں سننا چاہتا میں۔“

مجھے کیوں بلایا ہے یہاں۔“

ابہتاج کا موڈ اب خراب ہو چکا تھا۔ جسے دیکھ پاشا اپنی بات پر کچھتانی لگا تھا۔

”آج ایک پارٹی میں انوائٹڈ ہیں ہم۔ میں چاہتا ہوں تم بھی وہاں میرے ساتھ آؤ۔ پلیز منع مت کرنا۔ بہت قریبی دوست ہے میرا۔“

پاشا چاہتا تھا وہ نارمل لوگوں کی طرح بی ہو کرے۔ اپنی یہ سر دمہری ختم کر دے۔

”مجھے کسی بھی پارٹی میں کوئی انٹر سٹ نہیں ہے۔“

ابہتاج نے اُس کی اُمید کے عین مطابق انکار ہی کیا تھا۔

”کچھ دیر کے لیے آ جاؤ۔ میں وہاں سب کو تمہارے آنے کا بتا چکا ہوں۔ اتنی سی بات تو مان سکتے ہونا تم میری۔ سب

تمہارے نہ آنے پوچھیں گے مجھ سے۔“

پاشا جانتا تھا وہ اتنی آسانی سے نہیں مانے گا۔

”تو بول دینا وہ نہیں آیا۔ تم جانتے ہو اس طرح کے بی ہیوئیر سے سخت الرجک ہوں میں۔ سٹاپ دس۔“

ابہتاج کی جانب سے دو ٹوک انکار تھا۔

جس پر پاشا نے اُمید بھرے انداز میں اُس کی جانب دیکھا تھا۔

”ٹھیک ہے چلو۔ مگر میں زیادہ دیر نہیں ٹھہروں گا وہاں۔“

ابہتاج اُس کے بار بار فورس کرنے پر کچھ سوچتے آخر مان گیا تھا۔

”ہاں بس تھوڑی دیر ہی رکھیں گے۔“

پاشا خوش ہوتا اُس کے ساتھ باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ جہاں گاڑی اُن کے لیے تیار کھڑی تھی۔

★★★★★★★★

”ہیلو سُلیمین بیٹے کیسی ہیں آپ۔“

قریشی صاحب سُلیمین کے ہاتھ سے بکے تھامتے خوش اخلاقی سے گویا ہوئے تھے۔ وہ اُس کے بابا کے پرانے جاننے والے

تھے۔ اُن کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کے بعد سے قریشی صاحب نے اُس کی بہت مدد کی تھی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں انکل۔ آئی اور حرا نظر نہیں آرہیں۔“

سُلیمین نے مسکرا کر جواب دیتے ارد گرد نظریں دوڑائی تھیں۔ قریشی صاحب سے کچھ دیر بات کرنے کے بعد وہ اُن کی

نشاندہی پر حرا کی جانب بڑھ گئی تھی۔

”ارے قاسم صاحب آپ یہاں۔ بتایا ہی نہیں آپ نے۔ آپ بھی اس پارٹی میں آرہے تھے۔“

سُلین قاسم کے اچانک سامنے آجانے پر خوش اخلاقی سے مخاطب ہوئی تھی۔

جس پر قاسم نے بھی مسکرا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ لائٹ پر پل کر تاشلوار میں بالوں کو کھول کر آگے کی جانب کندھے پر ڈالے شیفون کا دوپٹہ ہلکا سا سر اور کندھوں پر اوڑھ رکھا تھا۔ اُس کے کھلے بالوں کی دلکشی دیکھنے لائٹ تھی۔ قاسم چاہنے کے باوجود ایک نظر ڈالنے کے بعد اپنی نگاہ ہٹا نہیں پایا تھا۔ مہرون لپسٹک سے سچے ہونٹوں کے اوپری حصے پر دھمکتا تل سُلین کے حُسن کو ایک الگ ہی دلفریبی بخشتے ہوئے تھا۔

”جی وہ قریشی صاحب کے بیٹے سے بہت اچھی دوستی ہے میری۔ اُسی کے بار بار اسرار کرنے پر آگیا ورنہ ارادہ نہیں تھا میرا۔“

قاسم کے جواب پر سُلین سر ہلا گئی تھی۔ اُسے کچھ دیر سے عجیب سا محسوس ہونے لگا تھا۔ جیسے وہ کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہوں۔ کئی بار وہ ادھر ادھر دیکھ چکی تھی۔ مگر کوئی ایسا دیکھائی نہیں دیا تھا اُسے۔

جب اچانک کسی احساس کے تحت اُس کی نظریں دائیں جانب بیٹھے لوگوں کی جانب اُٹھتیں واپس پلٹنا بھول گئی تھیں۔ سامنے ہی صوفے پر ٹیک لگائے بڑے شاہانہ انداز میں ابہتاج لغاری براجمان اُسے ہی گھور رہا تھا۔ پارٹی میں ہونے کے باوجود اُس کی اُنکلیوں میں آدھ پیا سگریٹ دبا ہوا تھا۔

اُس کی اپنے وجود پر پڑتی گہری نظریں محسوس کرتے سُلین کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔ دل کی دھڑکن ابہتاج لغاری کو دیکھ اپنی رفتار پکڑ چکی تھیں۔ سُلین نے ایک بار پھر لرزتی گھنیری پلکیں اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ جس کی

انکھوں میں ناچتا غصہ اُس کی سانسیں روک گیا تھا۔ اُس نے سُلین کو قاسم کے قریب ہونے سے منع کیا تھا۔ اور وہ کب سے اپنی مخصوص مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اُس سے باتیں کر رہی تھی۔

سُلین انڈیپینڈنٹ لڑکی تھی۔ کسی کی دھمکیوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی اُسے۔ مگر ابہتاج لغاری کو دیکھ کر ہی اُس کے دل میں خوف بھر جاتا تھا۔ جو شخص اکیلا اتنے غنڈوں کو پیٹ سکتا تھا۔ میڈیا تک کو ہینڈل کر سکتا تھا۔ اُس کے لیے کیا چیز مشکل تھی بھلا۔

سُلین نے جلدی سے قاسم کے پاس سے ہٹنا چاہا تھا۔ جب اُس کے پیر میں پہنی سلور کلر کی پائل کھل کر اُس کے سینڈل کی سٹریپ میں الجھتی اُسے لڑکھڑانے پر مجبور کر گئی تھی۔
”میں ٹھیک ہوں۔“

قاسم کو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھتا دیکھ سُلین ہاتھ اٹھاتی فوراً انکار کر گئی تھی۔ قاسم کو سُلین کافی گھبرائی سی لگ رہی تھی۔ مگر ابہتاج پر ابھی تک نظر نہ پڑنے کی وجہ سے وہ اس بات سے انجان تھا۔
”آئی تھنک آپ کے پیر پر لگی ہے۔ میں نکال دیتا ہوں۔“

قاسم اُس کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ اُس کے پیر کے قریب جھکا تھا۔
”نہیں میں پلینز دور رہے مجھ سے۔ میں ٹھیک ہوں۔“

سُلین تیز لہجے میں کہتی اُسے وہی روک گئی تھی۔ اور ایک خوفزدہ نظر ابہتاج پر ڈالی تھی۔ جواب وہاں موجود نہیں تھا۔ اُسے نہ پا کر سُلین کے منہ سے بے اختیار سکھ کی سانس برآمد ہوئی تھی۔

پائل شاید ٹوٹ کر اُس کے سینڈل کی سٹریپ میں پھنس چکی تھی۔ جس کی کوئی نوکیلی چیز اب اُس کے پیر کو بُری طرح تکلیف میں مبتلا کر رہی تھی۔ سُلین ہکا بکا بیٹھے قاسم سے ایکسکوز کرتی ایک کونے میں پڑی کرسیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اِس پارٹی کا رینج باہر لان میں کیا گیا تھا۔ اِس حصے میں شاید لائٹس کم تھیں۔ اِس لیے وہ ابہتاج کی نظروں سے آرام سے بچ سکتی تھی۔

ابھی وہ کرسیوں کے قریب پہنچی ہی تھی۔ جب اچانک اپنے سامنے آجانے والے ابہتاج کو دیکھ اُس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ رو کی تھی۔

بلیک جینز اور وائٹ شرٹ کے اوپر بلیک جیکٹ زیب تن کیے وہ پوری محفل پر اپنا سحر طاری کر رہا تھا۔ وہ سُلین کے کافی قریب آن کھڑا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کے وجود سے اُٹھتی دلفریب خوشبو سُلین کے حواس جکڑ گئی تھی۔

”ویری گڈ کافی عقل مند ہو تم۔ ایک بار کہے میں میری بات سمجھ گئی۔“

اُس کے کندھے پر بکھرے بالوں پر دوپٹہ ٹھیک کرتا وہ پاکٹ سے ٹشو نکالتے بولا تھا۔ نگاہیں اُس کی ہونٹوں کے گرد پھیلی لپسٹک پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اُس کو ہونٹوں کی جناب ٹشو بڑھاتا دیکھ سُلین فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

”آہ۔۔“

روکنے کی کوشش کے باوجود درد سے اُس کی کراہ نکل گئی تھی۔ ابہتاج کی نظریں اُس کے پیر کی جانب گئی تھیں۔ جہاں سے نکلتی خون کی ہلکی سی لہر ابہتاج کی روشن پیشانی پر شکنوں کا جال بن گئی تھی۔

”تمہیں چوٹ لگی ہے۔ اور تم ایسے ہی کھڑی ہو۔“

ابہتاج ایک سیکنڈ کی بھی دیر کیے بغیر اُس کے پیر کی جانب جھکا تھا۔ جب سُلین کو پیر پیچھے کرتا دیکھ وہ اُسے ایک زبردست گھوری سے نوازتا کمر میں ہاتھ ڈالتے کسی گڑیا کی طرح اپنی بانہوں میں اٹھا گیا تھا۔

”آپ پاگل ہیں کیا۔ اُتاریں مجھے نیچے۔“

سُلین اُس کے اب جارحانہ عمل پر اُس کے گریبان سے جیکٹ دبوچتی غصے سے بولی تھی۔

مگر دوسری جانب پرواہ کسے تھی۔ وہ اُسے اٹھائے بنا کسی کی نظروں میں لائے بغیر پیچھے سے گزرتا اندر بنے گیسٹ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔



”آپ جیسا عجیب انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“

سُلین کوشش کے باوجود خود کو آزاد نہیں کروا پارہی تھی۔

”گڈ۔ آئندہ بھی کبھی نہیں دیکھو گی۔“

ابہتاج روم کے اندر داخل ہوتا پیر سے دروازہ بند کر گیا تھا۔ جو دیکھتے سُلین کی سانسیں رُکی تھیں۔

”آپ نیچے اُتاریں مجھے۔ آپ کے ساتھ پر اہلم کیا ہے۔ آپ ایسے کیسے میرے قریب آسکتے ہیں۔“

سُلین خود کو اُس سے چھوڑانے کی تگ و دو میں لگی غصے سے بولی تھی۔ جبکہ مقابل کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔

سامنے رکھے صوفے پر اُسے بیٹھاتے وہ دوزانوں اُس کے قریب بیٹھتا پیر سے سینڈل نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔“

سُلین آنکھیں پھاڑے اُس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

”آپ کے پیر ہر چوٹ لگی ہے۔ زخم دیکھنے دیں مجھے۔“

ابہتاج اُس کے چلانے کا نوٹس لیے بغیر سینڈل اتار چکا تھا۔ اب اُس کے ہاتھوں کا لمس سُلین کو اپنے پیروں پر محسوس ہوا تھا۔ وہ جی جان سے لرز اُٹھی تھی۔

ابہتاج نے اپنی گرفت میں اُس کے کپکپاتے پیر کو دیکھا تھا۔

”آپ کو اتنا نازک نہیں ہونا چاہئے۔ اس ناٹ گڈ فار یو۔“

اُس کی پائل اُٹھا کر اپنی پاکٹ میں رکھتے وہ اپنی جگہ سے اُٹھا تھا۔ سُلین ہکا بکا سی اُس کی ساری کاروائی دیکھ رہی تھی۔ یہ شخص اُس کی سمجھ سے بالکل باہر تھا۔

”آپ کون ہیں۔ کیوں اس طرح بنا میری اجازت کے میرے قریب آتے ہیں۔ آپ جس طرح کی لڑکی مجھے سمجھ رہے ہیں۔ میں ویسی نہیں ہوں۔ پلیز جانے دیں مجھے یہاں سے۔“

سُلین اُس کو اپنی بات سمجھانے کے لیے اب قدرے نرم لہجے میں بولی تھی۔ اس روبوٹک احساس سے عاری انسان سے کیسے بات کی جائے۔ اور وہ کیسے سمجھے گا۔ سُلین کو اس میں شدید دشواری ہو رہی تھی۔ ایک بات جو اُسے زیادہ اُلجھن میں ڈال رہی تھی۔ وہ تھی اس کی قاسم کے لیے ناپسندیدگی۔ قاسم کے زرا سا قریب ہونے پر ابہتاج کی آنکھوں سے نکلنے والے شعلوں کی تپیش وہ اب تک نہیں بھولی تھی۔

”آؤچ مجھے درد ہو رہا ہے۔“

ابہتاج اُس کی بات کا جواب دیئے بغیر اُس کے زخم کو صاف کرتا رہا تھا۔ سُلین جلن سے چلائی تھی۔ مگر وہ اپنا کام پورا کر کے ہی اُٹھا تھا۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں آپ مس سُلین۔"

ابہتاج کی گہری نظریں اُس کے سُرخ اناری چہرے پر جم گئی تھیں۔ نتھنے پھولائے وہ اُسے بہت کیوٹ لگی تھی۔
"مجھے جانا ہے یہاں سے۔"

سُلین اُسے اپنے آگے دیوار بنا کھڑا دیکھ بیچھے دھکیلتے بولی تھی۔

جس کے جواب میں ابہتاج نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے قریب کیا تھا۔ اُس کی اس غیر متوقع جارحانہ حرکت کے لیے سُلین قشچی تیار نہیں تھی۔ وہ ٹوٹی شاخ کی طرح اُس کے سینے سے آن لگی تھی۔ سُلین کو اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔

وہ صدمے کی کیفیت میں کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ ابہتاج کی گرم دکھتی سانسوں سے اُسے اپنا چہرا جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"ابہتاج لغاری دور رہو مجھ سے۔ تمہیں کوئی حق حاصل نہیں میرے قریب آنے۔ اور مجھے چھونے کا۔ میں تمہارے خلاف ہیریسمنٹ کا کیس دائر کر دوں گی۔"

سُلین نے کمزور سی کپکپاتی آواز میں اُسے دھمکی دی تھی۔ جو ابہتاج لغاری کی آنکھوں میں وہی مسکراہٹ پھیل گئی تھی جسے دیکھ اُس دن سُلین حبیب اُس کی مزید دیوانی ہوئی تھی۔

مگر اس وقت اس شخص کی گرفت میں بن پانی کی مچھلی کی طرح چل رہی تھی۔ اس بات سے انجان کہ اُس کی یہی سب حرکتیں ابہتاج لغاری کو مزید اُس کی جانب اٹریکٹ کر رہی تھیں۔

”آئندہ یہ بال کھلے نظر نہ آئیں مجھے۔“

ابہتاج اُس کے کندھے پر ڈالے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں اُس کے سر پر لگے کلپ میں مقید کرتا وارن کرتے لہجے میں بولتا اُسے مزید سہمنے پر مجبور کر گیا تھا۔

سُلین کو اس شخص سے اب شدید قسم کا خوف محسوس ہو رہا تھا۔

ابہتاج کے سینے پر دونوں ہاتھ جماتے پورا زور لگا کر اُسے پیچھے دھکیلنا چاہتا تھا۔ جس چکر میں وہ اُس کے مزید قریب آگئی تھی۔ وہ دونوں ہی اس بات سے انجان تھے۔ کہ کھڑکی میں کھڑا کوئی شخص اُن کی بہت ساری تصویریں لیتا چہرے پر خباثت بھری مسکراہٹ سجائے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

”آپ چاہتے کیا ہیں مجھ سے۔“

سُلین اُس کے عمل سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو چکی تھی۔ وہ جتنا اُس سے دور جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ابہتاج نجانے کس ضد میں اُسے مزید اپنے قریب کر رہا تھا۔ سُلین کی آنکھوں میں نمی بھر چکی تھی۔ اُسے یہ شخص اچھا لگا تھا۔ مگر پچھلی دو ملاقاتوں سے قاسم کو دیکھنے کے بعد جو حرکتیں وہ کر رہا تھا۔ سُلین کے لیے وہ سب سمجھ سے باہر تھا۔ جس شخص نے رات کے اندھیرے میں تن تنہا سنسان روڈ پر دیکھ کر اُس کی حفاظت کی تھی۔ ہر بار اُس کا محافظ ہی ثابت ہوا تھا۔ وہ بھلا لو ٹیرا کیسے ہو سکتا تھا۔

مگر وہ اب ایسا کیوں کر رہا تھا۔

”قاسم علی تمہارے ریسٹورنٹ کا مینیجر اُسے نکال دو اس جاب سے۔ یہی چاہتا ہوں میں۔“

ابہتاج اپنے سینے پر رکھے اُس کے ہاتھ کو تھامتا سرد مہری سے بولا تھا۔

”آخر آپ کو پر اہلم کیا ہے اُس سے۔“

سُلین نے اپنے دماغ میں چلتی بات پوچھ ہی لی تھی۔ اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ بھی اُس کی گرفت سے آزاد کر لیے تھے۔ بے

بسی کے احساس سے اُس کی آنکھوں سے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر نکل آئے تھے۔

ابہتاج لغاری اسی مقام پر آکر ہمیشہ کمزور پڑ جاتا تھا۔ اُس نے فوراً اُسے اپنے حصار سے آزاد کیا تھا۔

”مجھے نہیں پسند وہ انسان اس لیے۔“

ابہتاج کے چہرے پر سفاکی بھرے تاثرات نمایاں ہوئے تھے۔

”میں ایسا نہیں کروں گی۔“

سُلین خوف کے باوجود انکار کر گئی تھی۔ قاسم ہمیشہ اُس کے ساتھ رہا تھا۔ اُس کے ریسٹورنٹ کا آدھے سے زیادہ کام اسی

نے سنبھالا ہوا تھا۔ پھر وہ کسی اور کی ضد کی وجہ سے اپنے اتنے اہم سٹاف ممبر کو کیسے نکال سکتی تھی۔

”تو پھر مجھے ایسے ہی اپنے قریب دیکھنے کی عادت ڈال لو۔“

سُلین کو اُلٹے قدموں پیچھے جاتا دیکھ ابہتاج آگے بڑھا تھا۔

”آپ مجھے اس طرح خوفزدہ نہیں کر سکتے۔ اب اگر دوبارہ میرے قریب آئے تو میں آپ کے خلاف ایکشن لوں گی۔“

سُلیں دروازے کے قریب اُس کی پہنچ سے کافی دور ہوتی دلیری سے جواب دیتے بولی تھی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ اپنے لیے ایک باڈی گارڈ ہائز کریں گی۔ جس کے بعد یہ شخص اُس کے قریب بھی نہیں بھٹک سکے گا۔

ابہتاج اُس کی بات پر محفوظ ہوئے بنانہ رہ پایا تھا۔ اُسے دروازے کی جانب قدم بڑھاتا دیکھ سُلیں جلدی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔



"دل بس کرو۔ اتنا کیوں رو رہی ہو تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

زمین اپنے کندھے سے لگی دل کو ہچکیوں سے روتا دیکھ فکر مندی سے بولی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اُس کا نکاح ہو چکا تھا۔ جس کے بعد سے اُس کی آنکھوں کا سیلاب رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ گھر کے بڑے دیکھاوے کی خاطر اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر جا چکے تھے۔ وہ ساری ہی مل کر اُسے سنبھالنے میں ہلکاں ہوئی جا رہی تھیں۔

"دل بس کرو۔ اب اگر رونا بند نہیں کیا، تو میں تمہارے شاہ صاحب کو بلا لاؤں گی۔ پھر وہ ہی تمہیں چپ کروائیں گے اپنے طریقے سے۔"

سویرا اُسے چپ کروانے کا ہر حربہ آزمانے کے بعد اب آخر کار دھمکی آمیز لہجے میں بولی تھی۔

جسے سنتے دل کی ہچکیوں کو ایک دم بریک لگی تھی۔

"بکو اس مت کرو۔ منحوس عورت تمہاری وجہ سے ہی آج میں اس حال تک پہنچی ہوں۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

دل نے نرمین کے کندھے سے سر اٹھا کر بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑتے نگل جانے والی اُسے گھورا تھا۔

”میں نے کیا کیا ہے۔ تم تو ایسے بول رہی ہو۔ جیسے میرے کہنے پر ہی زورین شاہ تمہارا رشتہ لے کر آئے ہیں۔“

سویرا نے شک کی کیفیت میں منہ کھولتے نرمین کے اشارے پر اُسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کی تھی۔ ہوا بھی ایسا ہی تھا۔ دل اُس کے ساتھ الجھتی واقعی میں رونا بھول چکی تھی۔

”اگر تم مجھے کال کر کے رشتے سے انکار کرنے کا بے ہودہ مشورہ نہ دیتی تو زورین شاہ خود ہی اس رشتے سے انکار کر چکا ہوتا۔ صرف تمہاری وجہ سے قسمت پھوٹی ہے میری اُس فضول بندے سے۔“

دل کا افسوس وقت کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔

”پھوپھو کہہ رہی ہیں دل کو باہر لے کر آؤ۔ سب گیسٹ دلہن کے حسین چہرے کا دیدار کرنا چاہتے ہیں۔“

صوفیہ عجلت میں اندر آتی دل کو موت کا فرشتہ محسوس ہوئی تھی۔

”مجھے نہیں جانا باہر۔ تم کہہ دو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

دل اپنا حلیہ بگاڑنے کے لیے سر سے دوپٹہ کھینچنے ہی والی تھی۔ مگر نرمین اور سویرا نے اُس کے ہاتھ پکڑ کر یہ کوشش ناکام بنا دی تھی۔

”لگتا ہے اپنے دلہناپے میں بھی پھوپھو سے جوتے کھانے کا ارادہ ہے تمہارا۔ خاموشی سے چلو نیچے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر

آجانا۔“

زمین کی ڈانٹ پر دل منہ بسورتی اُن کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کا میک اپ ٹھیک کرتے وہ چاروں اُسے باہر لے آئی تھیں۔

”اتنے سارے لوگ ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

سیڑھیوں سے کھڑے ہو کر ہال مہمانوں سے بھرادیکھ دل نروس ہوتے بولی تھی۔

”حلائکہ ڈرنا تمہیں صرف زورین شاہ سے چاہیئے۔“

سویرانے اُسے پھر سے چھیڑا تھا۔ دل اُسے گھورنے کے سوا کچھ نہیں کر پائی تھی۔ کیونکہ ہال میں موجود سب لوگ اُن کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔

”ماشاء اللہ اللہ نظر بد سے بچائے۔ بہت پیاری بیٹی ہے آپ کی۔“

رقیہ بیگم کے قریب کھڑی منزہ ستائشی نظروں سے دل کی جانب دیکھتے بولی تھی۔ اُسے زورین جیسے غصے کے تیز اور حد درجہ

ضدی انسان کے لیے ایسی لڑکی کی ہی تلاش تھی۔ دل آویز کا معصوم حُسن اُسے پہلی نظر میں ہی بہت بھایا تھا۔

منزہ نے زورین کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں۔ جب اُسے ایک سائیڈ پر کھڑے ہو کر فون کرتا دیکھ وہ افسوس سے

سر ہلاتی اُس کی جانب بڑھی تھی۔ اس وقت بھی اس شخص کو صرف اپنے بزنس کی پرواہ تھی۔

”زورین سب لوگوں کو بتانا ضروری ہے کہ تم یہ نکاح صرف ایک فارمیٹی کے لیے کر رہے ہو۔ اس لڑکی کی آگے کی

لائف کا تو پتا نہیں مگر آج کے دن تو تم اُسے تھوڑی سی عزت دے سکتے ہو نا۔ یہاں موجود ہر انسان تمہارے اس بی بیویر کو

اچھی طرح نوٹ کر رہا ہے۔“

منزہ اُس کے قریب آتی اندر سے غصہ ہونے کے باوجود نہایت تحمل سے بولی تھی۔

”تمہارے کہنے پر نکاح تو کر چکا ہوں۔ اب مزید کیا چاہتی ہو تم۔“

زورین فون کان سے ہٹا تار کھائی سے بولا تھا۔

جس کے جواب میں منزہ نے کچھ بولے بنا سیڑھیوں سے اترتی دل کی جانب اشارہ کیا تھا۔

زورین نے فون کال کے دوران منزہ کے بار بار اس طرح ڈسٹرب کرنے پر غصے سے اُس طرف دیکھا تھا۔ مگر وہاں سے جلوا

انگیز ہوتی اُس پری پیکر کو دیکھ زورین کتنی ہی دیر نظریں ہٹانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

”تمہاری ہی بیوی ہے۔ صرف گھورنے کی نہیں ہاتھ تھام کر سیٹج پر لے جانے کی بھی اجازت ہے۔“

منزہ اُس کو دل آویز کے بے پناہ حُسن میں گم ہو تا دیکھ شوخی سے بولی تھی۔ دل نے اُن کے قریب سے ہی گزر کر سیٹج تک

جانا تھا۔

”نو تھینکس مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔“

منزہ کی آواز پر زورین ہوش میں آتا اپنی اس بے اختیار حرکت پر حیران ہوا تھا۔

”تمہارے سوشل سرکل کے ساتھ، بزنس ورلڈ کے تمام لوگ اور میڈیا بھی موجود ہے۔ تمہارے اس روڈی ہیوئیر کو ہر

بندہ ہی نوٹ کر رہا ہے۔ بلکہ وہ دیکھو کچھ رپورٹرز تو تمہاری سیکرٹری کے پاس تمہارے اس رشتہ کے حوالے سے پوچھ گچھ

بھی شروع کر چکے ہیں۔“

منزہ نے اُسے اُس کے مزاج اور پراؤر ٹیز کے لحاظ سے ڈیل کرنا چاہا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا۔ زورین سب کے سامنے اپنی رپوٹیشن خراب نہیں کرنا چاہے گا۔

”مطلب سب ٹھیک کہتے ہیں۔ زورین شاہ کا موڈ بدلنا صرف اُس کی بیسٹ فرینڈ منزہ شاہ کو ہی آتا ہے۔“

زورین اُس کی اتنی تمہید پر طنز یا مسکراہٹ اُس پر اُچھالتا آگے بڑھا تھا۔ جبکہ منزہ اُس کی بات پر خوشی سے کھکھلاتی قریب آتی دل کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

زورین شاہ کا اتنے کم حیثیت لوگوں میں شادی کا سن کر ہر شخص حیران اور متحسّس تھا۔ جس کی وجہ سے کافی زیادہ تعداد میں لوگ آئے ہوئے تھے۔ اور جانے مانے میڈیا اینکرز بھی مدعو کیے گئے تھے۔

زورین کو دل کی جانب بڑھتا دیکھ سب کی نظریں اُس جانب ٹک گئی تھیں۔

زورین اس وقت کریم کلر کے پیٹ کوٹ میں ملبوس اپنی چار منگ پر سنیلٹی کے ساتھ پوری محفل پر چھایا ہوا تھا۔ نجانے کتنے دلوں کی دھڑکن بناوہ دل آویز کے آگے اپنی چوڑی ہتھیلی پھیلا گیا تھا۔ دل نے لرزتی پلکیں اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ اس وقت اُس کا دل تیز رفتار سے دھڑکتا آؤٹ آف کنٹرول ہو چکا تھا۔ رہی سہی کسر خود پر اُٹھتی زورین کی پُرشوق نظروں نے پوری کر دی تھی۔

”دل۔۔۔“

زورین نے اُسے سٹیچو بنا دیکھ آہستگی سے کہنی ماری تھی۔ دل نے مہندی اور گجرے سے سجا اپنا کپکپاتا نازک ہاتھ اُس کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔ جسے اپنی گرفت میں لیتے زورین اُس مجسمہ حُسن کو لیے سٹیج کی جانب بڑھا تھا۔

زورین سے قدم سے قدم ملا کر چلتے اُسے اپنے دل کی کیفیت میں عجیب سا بدلاؤ محسوس ہوا تھا۔ ہمیشہ جن لوگوں کی ترس بھری ہمدردانہ نظریں خود پر اٹھتی دیکھی تھیں۔ آج انہیں میں اُس کے لیے رشک اور ستائش بھری تھی۔ ابھی کچھ سیکنڈز ہی گزرے تھے اُسے اس شخص سے جڑے ہوئے۔ اور اُس کی حیثیت بالکل بدل چکی تھی۔ دوسروں کی ٹھوکروں پر پلنے والی آج زورین شاہ کے محل کی شہزادی بن چکی تھی۔

دل نے انہیں سوچوں میں گم بے اختیار نظریں اٹھا کر اپنے ساتھ چلتے شہزادوں کی آن بان رکھنے والے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ آج تک ایسے ہی انسان کی خواہش کرتی آئی تھی۔ جو اُسے عزت دے اور لوگوں کی ترس بھری نظروں سے دور لے جائے۔ زورین شاہ نے وہی سب کر دیکھا تھا۔

دل کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتے اُس نے بھی نظریں جھکا کر دل کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ جب یہ بے پناہ حسین منظر کیمرے کی آنکھ میں ہمیشہ کے لیے قید ہو چکا تھا۔

”تم ٹھیک ہو۔“

دل کی آنکھوں میں چمکتی نمی دیکھ نجانے کس بات کے زیر اثر زورین نہایت نرمی سے بولا تھا۔

دل نفی میں سر ہلاتے فوراً نظریں پھیر گئی تھی۔ اُس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔

زورین اُسے تھام کر سیٹج پر لایا تھا۔ زورین اُسے کسی کانچ کی گڑیا کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا۔ دل اس دیکھاوے کی حقیقت جانے بغیر آہستہ آہستہ اُس کے سحر میں گرفتار ہو رہی تھی۔ اُس کا دل اُس کے قابو سے باہر ہو چکا تھا۔

وہاں موجود ہر انسان کی نظریں اُس بے پناہ حسین کپل پر ٹکی ہوئی تھیں۔ منزہ نے بے اختیار اُن دونوں کی نظر اُتاری تھی۔

رقیہ بیگم اور باقی سب جنہوں نے ہمیشہ دل پر ظلم ہی ڈھائے تھے۔ اُس کی ایک دم بدلتی یہ شہزادیوں جیسی حیثیت پر حسد بھری نظروں سے دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی کرنے سے بے بس تھے۔

"آپ کی بلا وجہ کی ضد نے۔ اس ہیرے کو کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا۔ اب لڑکی بھی گئی اور اس کے نام پر موجود جائیداد بھی۔ کہا تھا شادی کروادیں اس سے میری۔ ساری عمر پیر کی جوتی نہ بنا کر رکھتا تو کہتیں آپ۔"

تقی سے اپنے اشتعال پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ سونے کی چڑیا اُس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ صرف اور صرف اُس کی ماں کی بے جاد کی وجہ سے۔

"مان چکی ہوں میں، بہت بڑی غلطی ہو چکی ہے مجھ سے۔ مگر اب میں ہی سدھاروں گی اپنی یہ غلطی۔ دیکھنا اب کیا کھیل کھیلتی ہوں میں۔ زورین شاہ جیسا عزت دار شخص اس پر تھوکتا بھی پسند نہیں کرے گا۔ کچھ دیر خوش ہو لینے دو۔ ہماری خوشیوں کی قاتل اُس بے حیا عورت کی بیٹی کو۔ اُس کے بعد ساری زندگی تمہارے قدموں کی ہی خاک چھانے گی یہ۔"

رقیہ بیگم اپنے لفظوں کے ذریعے دل میں بھرا زہر نکالتے ہوئے بولی تھیں۔ تقی دل پر خباثت بھری نظریں گاڑھے سیٹج کی جانب بڑھاتا تھا۔

"اسلام و علیکم سر۔ میں دل کا خالہ زاد ہوں تقی۔ بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔"

تقی نے زورین کی جانب مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ جسے تھامتے وہ مروتا شکر یہ ادا کرتا مسکرایا تھا۔ تقی اُس سے مل کر سویرا کو دل کے قریب سے اٹھتا دیکھ تصویر بنوانے کے بہانے بیٹھ گیا تھا۔

اُس کے بالکل ساتھ لگ کر بیٹھنے پر دل جلدی سے زورین کی جانب کھسکتی اُس کے کندھے سے جا لگی تھی۔ ساتھ والے صوفے پر بیٹھے اپنے دوست سے بات کرتے زورین نے حیرت بھری نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ مگر اُس کے ساتھ بیٹھے تقی کو دیکھ وہ دل کا گریز سمجھتا اپنا بازو دل کے کندھے کے پیچھے سے گزارتا اُسے اپنے حصار میں لے گیا تھا۔ اُس کا بازو بیچ میں آجانے کی وجہ سے تقی خود بخود فاصلے پر ہوا تھا۔ زورین منہ سے کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر اُس کی تنبیہ کرتیں سرد نگاہیں دیکھ تقی گھبرا تا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

دل کتنے ہی لمحے زورین شاہ سے جڑی اُسے دیکھے گئی تھی۔ ہمیشہ تکلی سے اُس نے اپنی عزت خود ہی محفوظ رکھی تھی۔ کئی بار گھر میں اکیلا ہونے کی وجہ سے وہ صرف تقی کے ڈر سے پورا پورا دن کمرے میں بھوکی قید رہتی تھی۔ مگر کبھی کسی نے تقی کے حوالے سے کہی جانے والی اُس کی باتوں کا یقین نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ اس معاملے میں تو اُس پر جان چھڑکنے والی اُس کی کزنز نے بھی اُس کا یقین نہیں کیا تھا۔ کیونکہ تقی اُن کے سامنے بالکل شریف اور بھائیوں جیسا برتاؤ ہی کرتا تھا۔ لیکن آج پہلی بار کسی نے اُسے اس شخص کی بُری نیت اور نظروں سے محفوظ کیا تھا۔ بنا اُس کے کچھ بولے ہی زورین اُس کی پریشانی سمجھ گیا تھا۔ دل آہستہ آہستہ اس شخص کی اسیر ہوتی جا رہی تھی۔ اُسے خود بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ کچھ لمحوں میں ہی وہ اس شخص کی گرویدہ کیسے ہو سکتی تھی۔ جو اُسے سخت ناپسند تھا۔ نکاح کا بندھن اپنے بولوں میں اتنی طاقت رکھتا تھا کہ اُس کا دل اپنے مجازی خدا کے لیے موم ہونے کے ساتھ ساتھ اُس کا شیدائی ہونے لگا تھا۔

دل اُس کے حصار میں قید مضبوط کندھے سے لگی مسمرانزی اُسے دیکھے گئی تھی۔ زورین نے بھی چہرا جھکا کر اُس کے ماتھے پر چمکتیں پسنے کی بوندوں کو دیکھا تھا۔ اُس کے لپسٹک سے سچے لرزتے ہونٹ اور گھنیری پلکوں کا رقص زورین شاہ کو مبہوت کر گیا تھا۔

وہ بنار دگر اپنے جانب دیکھتے لوگوں کا لحاظ کیے ہاتھ بڑھا کر انہیں محسوس کرنے ہی والا تھا۔ جب منزہ کی قریب سے آتی کھانسی کی آواز پر اُسے ہوش آیا تھا۔ وہ پیچھے ہوا تھا مگر دل کے گرد سے حصار ابھی بھی ختم نہیں کیا تھا۔

”فوٹو گرافر کا کہنا ہے وہ اسی پوز میں آپ لوگوں کی فوٹو لینا چاہتا ہے۔“

منزہ نے آنکھوں میں شوخی بھرے زورین کی جانب دیکھا تھا۔

”اتنی دیر سے آپ کا فوٹو گرافر سویا ہوا تھا کیا۔ ہم پوز ہی تو دے رہے تھے۔“

زورین بناثر مندہ ہوئے ڈھٹائی سے بھنویں اچکا کر بولا تھا۔

”زرا میرے ساتھ آؤ، ضروری بات کرنی ہے تم سے۔“

زورین دل کے قریب سے اٹھتا منزہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا سٹیج سے اتر گیا تھا۔

”کیا ہوا سب خیریت ہے۔“

منزہ اُس کے اس طرح سائیڈ پر لانے پر حیران ہوتے بولی تھی۔

”میں چاہتا ہوں رخصتی بھی آج ہی ہو۔ تم ان لوگوں کو بتادو۔ ابھی کچھ دیر بعد نکلنا ہے ہمیں۔“

زورین کے منہ سے نکلنے والی بات پر منزہ آنکھیں پھاڑے اُس کی جانب ہونقوں کی طرح دیکھ رہی تھی۔

”مطلب تم دل آویز کو آج ابھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔“

منزہ کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”میرے مطابق تو رخصتی کا یہی مطلب ہوتا ہے۔“

زورین اُس کے ری ایکشنز دیکھ دانت پیس کر بولا تھا۔

”تو آخر اُس پیاری سی لڑکی کا جادو چل گیا تم پر۔ واؤ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ کتنے مزے کی بات ہے نا۔“

منزہ دل سے خوش ہوئی تھی۔

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں ابھی کچھ دنوں بعد تم لوگوں کی جانب سے رخصتی کا ڈرامہ شروع ہو جانا ہے۔ میں

اتنا فارغ انسان بالکل بھی نہیں ہوں کہ روز اپنی کروڑوں کی میٹنگز چھوڑ کر یہاں سٹیج پر شو پیس بن کر بیٹھوں۔ تو بہتر یہی

ہے آج ہی رخصتی ہو جانی چاہیے۔ تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو۔“

زورین اُسے دو ٹوک جواب دیتا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ جبکہ منزہ کی ساری خوشی دھری رہ گئی تھی۔ زورین سے اُس کی بچپن

سے دوستی تھی۔ وہ ایک ساتھ کھیلتے بڑے ہوئے تھے۔ زورین اُن دونوں میاں بیوی کو بہت عزیز تھا۔ وہ اُس کا گھر بستے

اُسے ایک خوشحال زندگی گزارتے دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے ہی وہ پچھلے اتنے عرصے سے زورین کے پیچھے لگے ہوئے

تھے۔ اب اچانک اُس کے مان جانے پر اُنہیں زرا سی بھی دیر کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔ زورین کا بھائی ثاقب تو ٹائیفاؤڈ کی وجہ

سے نہیں آپایا تھا۔ مگر منزہ اُس کی خوشیوں میں پوری طرح شریک تھی۔

”قصہ ختم نہیں ہوا میرے بھائی، اب شروع ہوا ہے۔ دیکھتی ہوں کب تک بچتے ہو تم۔“

منزہ پیار بھری نظروں سے سیٹج پر بیٹھی دل کو دیکھ کر سوچتی رقیہ بیگم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اپنے دیور جی کا جاری کیا گیا آرڈر اُس نے ہر حال میں پورا کرنا تھا۔

"دل تمہارے حُسن کا جادو چڑھ گیا تمہارے شاہ صاحب پر۔ وہ آج ہی رخصتی کروا رہے ہیں تمہاری۔"

سویرا کے قریب آکر سرگوشی کرنے پر دل جی جان سے لرز اُٹھی تھی۔

"کیا۔۔۔"

کپکپاتی آواز میں وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی تھی۔ اُس کے حواس تو ابھی تک جگہ پر نہیں آرہے تھے۔ اوپر سے یہ نئی آزمائش، وہ بالکل چکر کر رہ گئی تھی۔



سُلیں گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ جب پورے کمرے میں گونجتی موبائل کی آواز پر اُس کی نیند میں خلل پیدا ہوا تھا۔

"صبارت کے اس وقت کال کیوں کر رہی ہو۔ سب ٹھیک ہے۔"

مندى مندى آنکھوں سے فون آن کر کے کان سے لگاتے وہ نیند کے خمار میں بولی تھی۔

"میم جلدی سے ٹی وی آن کریں آپ کے لیے بہت بُری نیوز ہے۔"

صبا کی پریشانی میں ڈوبی آواز پر سُلیں کی نیند بھگ سے اڑ گئی تھی۔ اب پھر اُس کے لیے کیا بُری خبر تھی۔ ریمورٹ اُٹھا کر ٹی وی آن کرتے اُس کا دل بُری طرح لرزنے لگا تھا۔

مگر ٹی وی پر نظر پڑتے ہی اُسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئی تھیں۔ وہاں جو تصویریں ایک کے بعد دوسری سکرین پر جگمگا رہی تھیں۔ اور اُن کے نیچے لکھی تحریر پڑھ کر سُلیں کا دل شرم سے ڈوب مرنے کو چاہا تھا۔

ابہتاج لغاری کے سینے پر ہاتھ رکھے اُس کی بانہوں میں سمائے کھڑی تھی۔ کہیں وہ اُس کے بالوں کو تھامے کھڑا تھا۔ تو کہیں وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں نگاہیں گاڑھے کھڑے تھے۔

اِس قدر بدنامی پر سُلیں کا دل چاہا تھا خود کو ختم کر دے۔ ابہتاج لغاری اُس کے ساتھ اتنا بڑا کھیل کھیلے گا اُسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔

اُس نے جلدی سے ٹی وی آف کر دیا تھا۔ اپنے کردار کے بارے میں اتنی غلیظ باتیں سننا اُس کے بس سے باہر تھا۔
"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

اپنے بالوں کو دونوں مُٹھیوں میں جکڑے وہ ہزیرانی انداز میں چلائی تھی۔ کچھ ہی لمحوں میں اُس نے بیڈٹیش کے عالم میں کمرے کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ جس شخص کو اُس نے اپنا محافظ سمجھا تھا وہ اُس کے ساتھ اتنا بڑا کیم کھیل گیا تھا۔ آخر اُس نے کیا بگاڑا تھا ابہتاج لغاری کا۔ اُس کے ایک بات سے انکاری ہونے پر وہ اُسی کی عزت کے پرچے اڑا گیا تھا۔ زمین پر گرتے اِس طرح کی کئی باتیں سوچتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔

اُس کا فون ایک بار پھر سے بجنے لگا تھا۔ مگر اُسے اِس بات کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔
مسلسل آتی پندرہ بیس کالز کے بعد آخر سُلیں نے کال پک کر لی تھی۔

مگر صبا کے منہ سے سننے والی اگلی خبر نے اُسے زلزلوں کی لپیٹ میں لیا تھا۔ وہ ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ صبا کے کہنے پر ایک بار پھر ٹی وی آن کر گئی تھی۔ یہ اُس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا۔

سامنے ہی سکریں پر اُس کا نکاح نامہ چل رہا تھا۔ جو ابہتاج نے میڈیا پر دے کر سب کے منہ بند کروا دیئے تھے۔ سُلین پر اُٹھنے والی انگلیاں تو اُن دونوں کا نکاح نامہ دیکھ بند ہو چکی تھیں۔ مگر یہ نیا انکشاف سُلین پر بہت بھاری تھا۔ اُس کا نکاح بھلا کیسے ہو سکتا تھا۔ اِس انسان سے۔ شاید یہ بھی اُس کی چال کا کوئی حصہ تھا۔ سُلین کو لگا تھا وہ بہت غلط انسان کے چنگل میں پھنس چکی ہے۔۔۔ چکراتے دماغ کے ساتھ وہ خواہ کھوتی زمین بوس ہوئی تھی۔

”تم لوگ آج ادھر ہی رک جاؤ نا میرے ساتھ۔ پلیز مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

دل بیڈ سے اُٹھتی سویرا کا ہاتھ تھام کر نرم لہجے میں بولی تھی۔ اُس کا پورا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ رخصتی کا سن کر اُس نے فوراً انکار کر دیا تھا۔ مگر آج تک بھلا اُس گھر میں کبھی اُس کی کوئی بات سنی گئی تھی۔ جواب کوئی اہمیت دی جاتی۔ دل کا روناد ہونا کسی کام نہیں آیا تھا۔ اُسے کسی بوجھ کی طرح سر سے اُتار کر پھینک دیا گیا تھا۔ نجانے کتنے خدشات میں گھرے دل نے زورین شاہ کے عالیشان محل میں قدم رکھا تھا۔ جہاں بکھری روئیں اور چکاچوند دیکھنے لائق تھیں۔ دل کی ساری کزنز اُس کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں۔ مگر وہ اِس وقت ایسا کچھ سوچنے کی کنڈیشن میں نہیں تھی۔ جس طرح اُس کے گھر والوں نے اُسے سر سے اُتار رکھا تھا۔ زورین جیسا ہر چیز پر گہری نظر رکھنے والا انسان اُس کی

اہمیت کا اندازہ لگا چکا ہو گا۔ اور اب دل کی اُس کے آگے حیثیت کم ہو جانی تھی۔ یہی سب باتیں اُس کے ذہن میں گڈ مڈ ہوتیں اُس کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھیں۔

"دل ریلیکس رہو۔ زورین شاہ چاہتے ہیں تمہیں۔ اسی لیے تو انہوں نے یہ سب کیا ہے۔ پلیز اب تم بھی آگے سمجھداری سے کام لینا۔ کچھ اوٹ پٹانگ مت کرنا۔"

وہ سب اُسے پیار سے سمجھاتیں وہاں سے نکل گئی تھیں۔

دل اس وقت شدید قسم کی گھبراہٹ کا شکار تھی۔ اُس کا دل انجانے خوف سے دھڑک رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ زورین شاہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا تھا۔ مگر آج ہال میں سب کے سامنے جیسا برتاؤ زورین نے اُس کے ساتھ کیا تھا۔ زورین کے لیے اُس کے دل میں ایک انجانا سا احساس پیدا ہو چکا تھا۔ جس کی نوعیت سمجھنے سے وہ ابھی قاصر تھی۔ اُس کے ہاتھ زورین سے سامنے کا سوچ کر ہی ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔

وسیع و عریض شاندار بیڈروم میں جہازی سائز بیڈ پر سُرخ و سفید پھولوں کے درمیان بیٹھی وہ اُنہی کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔

وہ نجانے کتنی ہی دیر اپنی سوچوں میں الجھی رہتی جب ناک کی آواز پر اُس کا دل آؤٹ آف کنٹرول ہوا تھا۔ مگر دروازے سے وائٹ باربی فراک پہنے ایک پیاری سی بچی اندر داخل ہوئی تھی۔ اُس کے پیچھے منزہ بھی تھی۔

"واؤ آنی بابا کی دلہن تو بہت پر بیٹی ہیں۔ بالکل پرنسز جیسی۔"

میرادل کے قریب آتے اُسے دیکھتی چہکتے ہوئے بولی تھی۔ اُس کی معصوم آنکھیں خوشی کے احساس سے چمک رہی تھیں۔

دل کو وہ کیوٹ سی گڑیا پہلی نظر میں ہی بہت پیاری لگی تھی۔ یہ وہی بچی تھی جس کی فوٹو اُس دن دل نے زورین کے ٹیبل پر دیکھی تھی۔

"آپ بھی بہت بیوٹی فل ہو۔ اور پرنسز سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت ہو۔"

دل نے اُس کا نرم گال سہلاتی پیار سے جواب دیا تھا۔

"میں تو اپنے بابا کی پرنسز ہوں۔ وہ کہتے ہیں مجھ سے زیادہ بیوٹی فل اس پورے ورلڈ میں کوئی نہیں ہے۔"

میرا اپنے بالوں کو جھٹک کر ایک ادا سے بولتی اُن دونوں کو مسکرا نے پر مجبور کر گئی تھی۔

"یہ بات تو اُن کی بالکل ٹھیک ہے۔"

دل کو اُس بچی کے انداز میں زورین شاہ کے لیے بے پناہ محبت محسوس ہوئی تھی۔ وہ بے حس انسان کسی کے لیے اتنا سافٹ

کارنر بھی رکھ سکتا تھا۔ اُسے یقین نہیں آیا تھا۔

"دل یہ میرا ہے۔ زورین کی لاڈلی بیٹی۔"

منزہ نے تعارف کروانا ضروری سمجھا تھا۔

"بہت پیاری بچی ہے۔"

دل کو تو شروع سے ہی بچے بہت پسند تھے۔ پھر میرا تو بہت پیاری بچی تھی۔ مگر اندر کہیں ایک بار اُس کے دل میں زورین شاہ کی پہلی بیوی کو لے کر سوال اُبھرا تھا۔ جو وہ منزہ سے ضرور پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر میرا کہ سامنے نہیں پوچھ سکتی تھی۔ "دل تم چینیج کر کے ریٹ کر لو۔ زورین کسی ضروری کام سے گیا ہے۔ اُسے شاید دیر ہو جائے۔ اس سب سے تم کافی تھک گئی ہو گی۔"

کچھ دیر کے بعد منزہ شرمندہ سی اُس سے نظریں چراتے بولی تھی۔ اُس کی بات سن کر دل کے ہونٹوں پر تلخی بھری مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

جب اُسے اُس کی اوقات پتا تھی۔ تو اتنی خوش فہم کیوں ہوئی تھی وہ۔ زورین شاہ نے صرف ضد میں آکر اُس سے یہ شادی کی تھی۔ ورنہ اُس کے نزدیک دل کی ویلیو صفر تھی۔ یہ بات وہ اُس پر واضح کر گیا تھا۔

"آئم ریلی سوری دل۔ زورین ایسا ہی ہے۔ اُس کے لیے اُس کا بزنس سب سے آگے ہیں۔ میں تمہارے معاملے میں بہت سیلفش ہو گئی۔ ہمارے بہت اصرار پر ہی اُس نے یہ شادی کی ہے۔ شروع میں شاید تمہیں تھوڑا سیکر یفائز کرنا پڑے مگر زورین جتنا اوپر سے سخت بنتا ہے۔ دل کا اتنا ہی نرم ہے۔ تم بہت پیاری اور معصوم ہو میں جانتی ہوں۔ ایک دن تم اُس کا دل ضرور جیت لو گی۔"

منزہ اُس کا پھیکا پڑتا چہرہ دیکھ اُس کے ہاتھ محبت سے تھام گئی تھی۔

دل اُس کی باتوں پر خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔ اُس کے پاس منزہ کی کسی بھی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اُسے کیا کہتی کہ یہ سب پہلی بار نہیں ہو رہا تھا۔ جب سے اُس نے ہوش سنبھالا تھا۔ ہمیشہ سے ایسے ہی تو دھتکارا جا رہا تھا اُسے۔ دوسروں کی نظروں میں بے قدر اہونا ہی میں سیکھا تھا اُس نے۔ پھر وہ کسی بات کا دکھ مناتی۔



سُلمین نے آنکھیں کھول کر اجنبی نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیا تھا۔ یہ اُس کا بیڈ روم نہیں تھا۔
”میں کہاں ہوں۔“

اُس نے غائب دماغی سے چھت کو گھورا تھا۔ جب ہاتھ پر محسوس ہوتے اُس نے چہرہ اگھمایا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ڈرپ لگی تھی۔ اُس نے مر یغوں والا بلیو لباس پہنا ہوا تھا۔
وہ ہاسپٹل میں تھی۔

مگر وہ یہاں پہنچی کیسے تھی؟؟؟

اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

اپنے ہاتھ سے نیڈل نکال کر وہ اٹھنے ہی والی تھی۔ جب صبا دروازہ کھول کر اندر آتی دیکھائی دی تھی۔

”میم آپ پلیر لیٹی رہیں۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

صبا اُسے اٹھتے دیکھ جلدی سے قریب آئی تھی۔

”صبا تم لائی ہو مجھے یہاں۔ پلیر اٹھنے دو مجھے۔ بہت غلط کیا ہے اُس نے میرے ساتھ۔“

سُلین صبا کا بڑھایا ہاتھ پیچھے دھکیلتی اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اُس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ آنسو ایک بار پھر چہرہ بھگوانے لگے تھے۔

”نومیم، میں تو ابھی کچھ دیر پہلے پہنچی ہوں یہاں۔ ابہتاج سر ہی لے کر آئیں ہیں آپ کو۔ کافی فکر مند بھی لگ رہے تھے آپ کے لیے۔ ابھی بھی قریشی صاحب کے ساتھ باہر موجود ہیں۔“

صبا کی بات سنتے ہی سُلین کا چہرہ غصے سے لال ہوا تھا۔ اتنا سب کچھ کر لینے کے بعد بھی اُسے سکون نہیں ملا تھا۔ جو اُسے مزید بدنام کرنے کے لیے دوبارہ یہاں آگیا تھا۔

”صبا وہ اچھا انسان نہیں ہے۔ مجھے اُسی نے بدنام کیا ہے۔ اور ابھی وہ نکاح والا جھوٹ بول رہا ہے۔ میرا نکاح نہیں ہوا اُس سے۔“

سُلین صبا کا ہاتھ تھام کر اذیت سے بولی تھی۔ اُس کے کانوں میں بار بار وہی باتیں گونج رہی تھیں۔ جو میڈیا والے اُس کے کردار پر کیچر اُچھال رہے تھے۔

”میم کول ڈاؤن، ایسا کچھ نہیں ہے۔ باہر ابہتاج سر قریشی صاحب کے ساتھ موجود ہیں۔ اُنہوں نے بتا دیا ہے کہ آپ کے ساتھ اُن کا نکاح نہیں ہوا۔ صرف آپ کو بدنامی سے بچانے کے لیے اُنہوں نے نقلی نکاح نامہ دیکھایا ہے سب کو۔“

صبا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سُلین کو کیسے سنبھالے۔

”یہ بھی اُس کے کھیل کا کوئی حصہ ہے۔ مجھے اُسی نے بدنام کیا ہے۔ وہ تصویریں اُسی نے بنوائی ہیں۔ اور اب یہ سب کر رہا ہے۔ وہ شروع دن ایسے ہی گیمز کھیلتا آ رہا ہے مجھ سے۔“

اس کا مطلب وہ غنڈے بھی اُس کے ہی بھیجے ہوئے تھے۔ اتنے ٹائم سے وہ مجھے بے وقوف بناتا آرہا ہے اور میں بنتی آرہی ہوں۔“

سُلین کی سوچیں ابہتاج کے حوالے سے بالکل منفی ہو چکی تھیں۔ دروازے میں موجود ابہتاج نے زخمی نظروں سے قریشی صاحب کی جانب دیکھا تھا۔

”آپ کو ابھی بھی لگتا ہے۔ وہ مانے گی آپ کی بات۔“

ابہتاج کی نظریں بُری طرح روتی سُلین پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ صرف اُس کی وجہ سے تکلیف میں تھی۔ ابہتاج سختی سے مٹھیاں بھیجتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

جبکہ قریشی صاحب کچھ سوچتے اندر داخل ہوئے تھے۔

”سُلین بیٹا آپ کیوں خود کو اتنا ہلکا کر رہی ہیں۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

قریشی صاحب کو قریب آتا دیکھ سُلین کے آنسوؤں میں مزید روانی آئی تھی۔

”انکل مجھے ابہتاج لغاری کے خلاف ہر یسمنٹ کا کیس کرنا ہے۔ وہ اچھا انسان نہیں ہے۔ میں مزید بدنام نہیں ہونا چاہتی۔ وہ

مزید نجانے کیا گیم کھیلنے کا ارادہ رکھتا ہو گا۔ آپ اُسے یہاں سے بھیج دیں۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔“

سُلین ایک ہی سانس میں بولتی اُنہیں اپنے حواسوں میں نہیں لگی تھی۔ یہ سب جو کچھ ہوا تھا۔ اُس جیسی باکردار اور شریف

لڑکی کے لیے بہت بڑی چیز تھی۔ اُس کے بابا کی اتنے سالوں سے بنائی گئی عزت خاک میں مل گئی تھی۔

”سُلیں اِس سب میں ابہتاج کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح اِس سازش کا شکار ہوا ہے۔ اُس نے خود یہ سب نہیں کیا۔“

قریشی صاحب کی نہایت ہی نارمل انداز میں کہی جانے والی بات نے ایک پل کے لیے سُلیمین کو بھی ساکت کر دیا تھا۔

”نہیں انکل وہ اپنی پر سنیلٹی سے آپ کو بھی اپنے جال میں پھنسا رہا ہے۔ ورنہ وہ۔۔۔۔۔“

سُلیں سمجھ گئی تھی کہ وہ بھی اُس کی طرح ابہتاج لغاری کی سحر انگیز پرسنیلٹی کے زیرِ اثر آ چکے ہیں۔

”بیٹا یہ صرف آپ کی خود ساختہ منفی سوچیں ہیں۔ اور کچھ نہیں۔ دنیا دیکھی ہے میں نے۔ اچھے سے جانتا ہوں کون کیسا ہے۔ اور کیا گیمز کھیل رہا ہے۔ جس شخص پر آپ اتنے الزام لگا رہی ہیں۔ وہ اب بھی آپ کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ آپ کو قریب آتے ان سے بھی زیادہ بُرے حالات سے بچانا چاہتا ہے۔ اور اس سب میں، میں بھی اُس کا حامی ہوں۔“

قریشی صاحب کی بات پر سُلَیْن کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"کک کیسی مدد۔۔۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں سمجھی نہیں۔"

سُلیمن نے سوالیہ نظروں سے اُنہیں دیکھا تھا۔

”آپ پر اتنے ٹائم سے جو حملے ہو رہے ہیں۔ اور یہ جو کچھ ہوا ہے اس سب کے پیچھے تمہارے بابا کے دشمنوں کا ہاتھ ہے۔

جنہوں سے پہلے تمہاری ماں کو مارا، پھر حبیب پر حملہ کیا اور اب وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں تم اکیلی اور

کمزور ہو۔ ایک بات اور تمہارے آفس میں کافی ٹائم سے ایک جاسوس موجود ہے۔ جو تمہاری ہر بات کے بارے میں

دشمنوں کو خبر دے رہا ہے۔ اتنی بار جو تمہارے ریسٹورنٹ میں خسارہ ہوا ہے۔ صرف اُسی کی وجہ سے ہے۔ وہ لوگ تمہیں

پوری طرح گھیر چکے ہیں۔ اب اگر تم پولیس یا کسی ایجنسی سے رابطہ کرنا یا مدد مانگنا چاہو گی۔ تو وہ لوگ تمہیں ایسا کرنے سے پہلے ہی یا تو مار دیں گے۔ یا دنیا کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے غائب کر دیں گے۔“

قریشی صاحب روانی میں بولی جا رہے تھے۔ سُلین یک ٹک سی صدے اور حد درجہ خوفزدگی کے عالم میں اُنہیں دیکھ رہی تھی۔

”تمہیں میں نے نہیں بتایا۔ مگر مجھے نجانے کتنی بار دھمکیوں بھرے فون کالز آچکے ہیں کہ میں تمہارے معاملات سے دور رہوں۔ ورنہ وہ لوگ مجھے اور میرے گھر والوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس کریڈٹیل سچویشن میں صرف ایک ہی انسان ہے۔ جو تمہیں پروٹیکٹ بھی کر سکتا ہے اور اس مشکل سے نکلنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ اور اُس سے بھی بڑی بات تم پر لگی اس بدنامی کو ختم کر سکتا ہے۔ کیونکہ اُن لوگوں نے بہت سی جگہ پر یہ بات پھیلا دی ہے کہ تمہارا نکاح نامہ نقلی ہے۔“

قریشی صاحب بولتے جا رہے تھے۔ اور سُلین کو لگ رہا تھا۔ اُس کی سانسیں رک جائیں گی۔ وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی وہ کس انسان کی بات کر رہے تھے۔

”ان سب پر ابلمز کا ایک ہی حل ہے۔ تمہیں اب تاج لغاری سے نکاح کرنا ہو گا۔“

آخر کار اُنہیں نے سُلین کے سر پر بم پھوڑ ہی دیا تھا۔ سُلین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُنہیں دیکھ رہی تھی۔ صبا کو تو اُنہوں نے آتے ہی روم سے بھیج دیا تھا۔ کیونکہ جب سے اُنہیں قاسم کے بارے میں پتا چلا تھا اب کسی پر بھی وہ بھروسہ کرنے کے حق میں نہیں تھے۔

”انکل آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا میں اتنی بے بس اور لاچار ہو چکی ہوں۔ کہ صرف اپنے دشمنوں سے بچنے کی خاطر ابہتاج لغاری سے نکاح کروں گی۔ جو خود کسی غنڈے اور فراڈ سے کم نہیں ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میں یہ نکاح نہیں کروں گی۔“

سلیمن نفی میں سر ہلاتی تکلیف کی انتہا پر تھی۔ کچھ گھنٹوں میں اُس کے ساتھ اتنا کچھ ہو چکا تھا۔ اور مزید نجانے کیا کچھ ہونے والا تھا۔

”بیٹا مجھے اس وقت صرف آپ کی فکر ہے۔ حبیب سے میں نے تمہارا خیال رکھنے اور ہمیشہ ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ تمہیں ہمیشہ اپنی بیٹی مانا ہے اور تم نے بھی مجھے ہمیشہ حبیب جتنی عزت اور مان بخشا ہے۔ تم بتاؤ اگر حبیب میری جگہ ہوتا تو کیا تمہیں کچھ غلط قدم اٹھانے کو کہتا۔ وہ بھی وہی کرتا جو تمہارے لیے سب سے زیادہ بہتر ہو۔ اور اس وقت ابہتاج سے نکاح کرنے سے زیادہ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا تمہارے حق میں۔“

تمہاری زندگی اور تمہارے بابا کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تمہارے پاس کچھ وقت ہے۔ سوچ لو تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر خود کو خطرے میں ڈالنا چاہتی ہو۔ یا میرے کیے گئے فیصلے پر عمل کر کے اپنے دشمنوں سے اپنے ماں باپ پر کیسے گئے مظالم کا بدلہ لینا چاہتی ہو۔“

قریشی صاحب کی ساری باتیں سن کر وہ عجیب سی کشمکش کا شکار ہو چکی تھی۔

”میں تیار ہوں اس نکاح کے لیے مگر میری ایک شرط ہے۔“

سلیمن کی بات پر واپس جاتے قریشی صاحب کے قدم رک گئے تھے۔

”کیسی شرط۔۔۔“

اُس کے مان جانے پر وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

”ابہتاج لغاری سے یہ نکاح صرف میری پروٹیکشن کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تو میں اُس شخص سے گارنٹی چاہتی ہوں کہ وہ میری یہ پرابلم سالو ہوتے ہی مجھے طلاق دے دے گا۔ اُسے نکاح سے پہلے مجھے اسٹامپ پیپر پر سائن کر کے دینے ہوں گے۔ کیونکہ مجھے اُس انسان پر بالکل بھی بھروسہ نہیں ہے۔“

سُلیمن فیصلہ کرتی مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ قریشی صاحب نے اُس کے بابا کا ہمیشہ ہر مشکل وقت میں ساتھ دیا تھا۔ اُس وقت بھی جب اُس کے قریبی ترین رشتے بھی اُن سے منہ موڑ چکے تھے۔ تب بھی وہ اُس کے بابا کے ساتھ کھڑے رہے تھے۔ پھر اب وہ بھلا کیسے اُس کے لیے کوئی غلط فیصلہ کر سکتے تھے۔ اور جو کچھ اتنے ٹائم سے ہو رہا تھا اُس کے ساتھ واقعی اُسے ایک انتہائی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔ اگر ابہتاج کا ہاتھ تھا اس میں تب بھی وہ اُس کے قریب رہ کر ہی اُسے بے نقاب کر سکتی تھی۔

”ٹھیک ہے بیٹا جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہو گا۔ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے تم نے ہر بار کی طرح آج بھی میری بات کا مان رکھا۔ جیتی رہو، خوش رہو۔“

قریشی صاحب اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے وہاں سے نکل گئے تھے۔

اُن کے جاتے ہی سُلین نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا گیا اپنا موبائل اُٹھا کر قاسم کو کال ملائی تھی۔ مگر اُس کا فون بند ہونے کا سن کر اُس کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔ ہمیشہ قاسم اُسے ہر بات میں گائیڈ کرتا آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ قاسم کو یہاں دیکھنا چاہتی تھی۔ اُس سے اپنے فیصلے کے ٹھیک غلط ہونے کے حوالے سے مشورہ لینا چاہتی تھی۔ مگر وہ نجانے اس وقت کہاں تھا۔



صبح چھ بجے کے قریب اُس نے اپنے بیڈ روم میں قدم رکھا تھا۔ اُس کی کمپنی پچھلے ایک مہینے سے ایک بہت بڑے پراجیکٹ پر کام کر رہی تھی۔ جس کے کامیاب ہونے پر اُسے کروڑوں کا فائدہ ہونا تھا۔ دو دن بعد اسے کلائنٹ کے سامنے پیش کرنا تھا۔ مگر رات کو اچانک اُسے پتا چلا تھا۔ کہ اُس کے سٹاف کا ہی کوئی آدمی اُس کے بزنس رائیولز کے ساتھ مل کر اُس کے پراجیکٹ میں گڑبڑ کر رہا تھا۔ جسے ٹھیک کرنے ہی اُسے ارجنٹ آفس جانا پڑا تھا۔

دروازہ بند کر کے اندر کی جانب بڑھتے اُس کی پہلی نظر ہر طرف سچے پھولوں اور اپنے بیڈ پر پورے استحقاق سے سوئے وجود پر پڑی تھی۔ اُس نے خود کو سر سے پیر تک پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ زورین اس لڑکی میں زرا بھی انٹرسٹ نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس لیے فوراً نظریں پھیرتے وہ فریش ہونے کے لیے واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

ساری رات جاگنے کی وجہ سے وہ کافی تھک چکا تھا۔ اور اب ایک گہری نیند چاہتا تھا۔

بیڈ کے قریب جاتے اُس کی نظر دل پر پڑی تھی۔ وہ اُسی کی سائیڈ پر کروٹ لیے لیٹی ہوئی تھی۔ اب کمبل اُس کے چہرے سے ہٹ چکا تھا۔ اُس کا سنڈر مکھڑا زورین کے بالکل سامنے تھا۔ بیڈ پر لیٹتے اُس کی نظر بار بار بھٹک کر دل کی جانب اُٹھ رہی

تھیں۔ اُس کی دودھیارنگت میں گھلی گلابیاں اُس کے چہرے کو مزید حسین بنارہی تھیں۔ دل کے ملائم ہونٹ سوتے وقت ہلکے سے کھلے ہوئے تھے۔ یہ چیز اُس کی معصومیت میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔

زورین کے ہونٹوں پر ایک بے اختیار سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

وہ شدید تھکاوٹ کا شکار تھا۔ سونا چاہتا تھا۔ مگر دل کے چہرے سے نظریں ہٹا کر آنکھیں بند نہیں کر پاتا تھا۔ آخر کار خود سے ہی جھنجھلاتے اُس نے سیدھا ہو کر کبل واپس دل کے چہرے پر ڈال دیا تھا۔ وہ گہری نیند میں اپنی دلکشی سے زورین شاہ کے دل پر بجلیاں گرا رہی تھی۔ رات کو وہ جو رو کر اور اپنی بے وقعتی پر تکلیف زدہ سی سوئی تھی۔ اپنی ایک جھلک سے ہی وہ زورین شاہ کو بے آرام کر کے انجانے میں اُس بات کا بدلہ لے رہی تھی۔

"اِس لڑکی کو اِس بیڈ روم تک لانا صرف تمہاری ضد تھی۔ اِس کی تمہارے نزدیک اتنی اہمیت بالکل بھی نہیں ہونی چاہیے کہ اِس کی موجودگی تمہیں ڈسٹر ب کرے۔"

زورین شاہ اپنی اِن عجیب احساسات پر خود کو سختی سے سرزنش کرتا کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے کا دل کا اثراب اُس کے اوپر سے زائل ہو چکا تھا۔ اُس نے خود کو واپس اپنے کریکٹر میں ڈھال لیا تھا۔

★★★★★★

"سلین حبیب کو اِس بات کی گارنٹی چاہیے کہ میں اُسے یہ پرابلم سالو ہوتے ہی چھوڑ دوں۔ امیزنگ۔"

ابہتاج نے سرد لہجے میں پوچھتے قریشی صاحب کی جانب دیکھا تھا۔ جنہوں نے اثبات میں سر ہلاتے مدد طلب نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔

”آپ فکر مت کریں قریشی صاحب۔ میں سُلین حبیب کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔“

ابہتاج نے اُن کو مزید کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر فوراً رضامندی دے دی تھی۔

”تھینکیو سو مچ۔ آپ جانتے نہیں ہیں۔ آپ نے میرا کتنا بڑا بوجھ کم کر دیا ہے۔ سُلین مجھے میری سگی بیٹیوں کی طرح عزیز

ہے۔ اُس کو محفوظ ہاتھوں میں جاتا دیکھ میں بہت خوش ہوں۔ بیٹا وہ شاید آپ سے تھوڑی بدگمان ہے۔ مگر بہت پیاری اور

نیک بچی ہے۔ اُس کی باتوں پر درگزر کر دیجئے گا۔“

قریشی صاحب کا لہجہ خوشی سے لبریز تھا۔ جس طرح وہ ابہتاج سے بات کر رہے تھے۔ وہ صاف ظاہر کرتا تھا۔ وہ لوگ پہلے

سے ہی ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔

اُن کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں ابہتاج نے محض سر ہلانے کے علاوہ کچھ نہیں کہا تھا۔ اُس کی ریزرو نیچر سے اچھی

طرح واقف ہونے کی وجہ سے قریشی صاحب اسی پر ہی خوش ہوتے وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ اُنہیں ابھی کچھ دیر بعد ہونے

والے نکاح کے لیے سب اراکین سنجمنٹس بھی کرنی تھیں۔

سُلین تھوڑی دیر پہلے ہی صبا کے ساتھ گھر جا چکی تھی۔

ابہتاج نے پاشا کو اس بارے میں بتا کر فون بند ہی کیا تھا۔ جب موبائل ایک بار پھر بجنے لگا تھا۔ مگر اب کی بار جو نمبر سکریں

پر جگمگا رہا تھا۔ وہ سیونہ ہونے کے باوجود وہ اچھے سے پہچانتا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کال پک کر تا فون کان سے لگا گیا تھا۔

”ہیلو ابہتاج میری جان کیسے ہو تم۔ جیل سے رہا ہو چکے ہو تم۔ مگر ایک بار بھی اپنی ماں کے پاس آنا گوارہ نہیں کیا تم نے۔ تم جانتے ہو تمہیں صرف ایک نظر دیکھنے کے لیے میں کتنی تڑپ رہی ہوں۔ ایک بار اپنی آواز ہی سنا دو۔ میری تڑپتی ممتا کو سکون مل جائے۔ جیل میں کتنی بار تم سے ملنے آئی مگر تم نے ہر بار انکار کر دیا۔ اتنے کھٹور کیوں بن گئے ہو تم۔“

دوسری جانب سے اپنی ماں کی بے تابی بھری آواز پر ابہتاج کے ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں۔ وہ جیل سے باہر اسی لیے نہیں آنا چاہتا تھا۔ کہ کہیں اُسے یہی آواز نہ سننی پڑ جائے۔

”ملنے اسی لیے نہیں آیا کہ مسز لغاری کیونکہ مجھے آپ کی صورت سے بھی نفرت ہے۔ کھٹور تو میں پہلے سے تھا۔ مگر اب درندہ بن چکا ہوں۔ شکر کریں آپ کا سامنا نہیں ہوا مجھ سے۔ ورنہ کافی مشکل ہو جانی تھی آپ کو۔ دوبارہ مجھے کال کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔“

ابہتاج زبان سے شعلے برساتا کال کاٹ گیا تھا۔

غصے سے پاگل ہوتے اُس نے مکاناتے سامنے موجود کانچ کے دروازے پر دے مارا تھا۔ یہ سب اُس نے اتنی پاور سے کیا تھا۔ کہ دروازہ کئی حصوں میں ٹوٹا اُس کا ہاتھ بُری طرح لہو لہان کر گیا تھا۔

”میم آپ یہ ڈریس پہنیں گی۔ میں آپ کو کوئی اور نکال دوں۔“

صبا سُلیں کی جانب دیکھ کر جھجھکتے ہوئے بولی تھی۔ چاہے سُلیں بہت نرم مزاج کی مالک تھی۔ مگر تھی تو اُس کی باس۔ وہ اُسے کسی چیز کے لیے فورس نہیں کر سکتی تھی۔

ابھی کچھ دیر میں سُلین کا نکاح تھا۔ اور نکاح کے لیے اُس نے انتہائی سَمپل سائیک ڈریس پہن رکھا تھا۔ پلین شرٹ اور ٹراؤزر میں ریشمی دوپٹہ سر پر اوڑھے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے وہ سوگوار سے حُسن اور سادگی میں بھی بہت اٹریکٹو لگ رہی تھی۔ اُس سے نظریں ہٹانا کافی مشکل امر تھا۔

”نہیں میں اِس ڈریس میں زیادہ کمفرٹیل ہوں۔“

سُلین کی طبیعت ابھی بھی سنبھلی نہیں تھی۔ کل رات شدید ٹینشن لینے کی وجہ سے اُس کا زروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے ریسٹ کرنے کو کہا تھا۔ مگر وہ جب سے ڈسچارج ہو کر آئی تھی۔ ایک منٹ کے لیے بھی ٹک کر نہیں بیٹھی تھی۔ ریسٹورنٹ میں سب ٹھیک چل رہا ہے یا نہیں اُسے اِس بات کی بہت ٹینشن تھی۔ وہ مسلسل زاہد سے رابطے میں تھی۔ قاسم سے ابھی تک کوئی کانٹیکٹ نہیں ہو پایا تھا۔

”او کے میم۔“

صبا بے چارگی سے اُس کی جانب دیکھتی خاموش ہو گئی تھی۔ اُسے قریشی صاحب سے ہی سننے میں ملا تھا۔ کہ نکاح کے ساتھ رخصتی بھی تھی۔ صبا اپنی زندگی میں پہلی بار کسی دلہن کو سیاہ لباس میں دیکھ رہی تھی۔ آج تک اُس نے ایسا سنا بھی کبھی نہیں تھا۔

مگر اپنی لباس کے حکم کی پابند وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

نیچے مولوی صاحب اور باقی گواہان آچکے تھے۔ نکاح کا قریب آتا وقت سُلین کی سانسیں مدھم کیے جا رہا تھا۔

”میم قریشی صاحب آپ کو بلارہے ہیں نیچے۔“

صبا کی بات اُسے اپنی موت کا پیغام لگ گئے تھی۔ مگر کچھ حقائق کے تحت اُسے اس موت کے کنویں میں اترنا پڑ رہا تھا۔
ابہتاج لغاری کا منجمد کرتا لہجہ، روح میں اترتی لہورنگ آنکھیں، اُس کی خود میں جکڑتی مسحور کن خوشبو۔ یہ سب کچھ اب
اُسے برداشت کرنا تھا۔ چاہے کچھ ٹائم کے لیے ہی سہی۔ مگر اُسے اُسی شخص کے ساتھ رہنا تھا۔ جس کے لیے وہ اپنے دل
میں فیلنگ محسوس کر رہی تھی۔ مگر ابہتاج لغاری کے دھوکے نے اُن پھوٹی کونپلوں کو مسل کر رکھ دیا تھا۔
قریشی صاحب کے ساتھ چلتے اُس نے ڈرائنگ روم کے اندر قدم رکھا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے اُس نے خود ایک اور بڑی
سی سیاہ چادر میں لپیٹ تھا۔

اُسے پورے ڈرائنگ روم میں نظریں دوڑانے کے باوجود ابہتاج لغاری کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ یہ خفیہ نکاح کی تکریب
تھی۔ اس لیے گواہان کے علاوہ اور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

"بیٹا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

اُسے پوری طرح کپکپاتے دیکھ قریشی صاحب فکر مندی سے بولے تھے۔

"جی انکل میں ٹھیک ہوں۔"

سُلمین خود کو مضبوط ظاہر کرتے بولی تھی۔

اُس وقت جب آپ کو اپنے قریبی رشتہوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ ایک
خونی رشتہ بھی نہیں۔ قریشی صاحب کی وائف اور بیٹی اُن کے بیٹے کی ناساز طبیعت کی وجہ سے رات کو ہی امریکہ چلی گئی
تھیں۔

سُملین کے ایک جانب صبا بیٹھی تھی۔ جبکہ دوسری جانب جگہ خالی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر رکھی چیئر پر مولوی صاحب بیٹھے نکاح پڑھوانے کو تیار تھے۔ ابہتاج لغاری ابھی تک نہیں آیا تھا۔ سُملین کو یہ بات بہت غصہ دلارہی تھی۔ کہ یہ شخص ابھی سے ہی احسان جتنا شروع ہو چکا تھا۔ کہ وہ اُس کی مدد کر رہا ہے۔

قریشی صاحب کے کال کرنے کے کچھ ٹائم بعد وہ اُسے ایک درمیانی عمر کے شخص کے ساتھ اندر آتا دیکھائی دیا تھا۔ پیچھے تین چار لوگ اور بھی تھے۔ مگر اب وہ نظریں پھیر چکی تھی۔ ابہتاج اُس کے ساتھ آکر براجمان ہوا تھا۔ وہ فاصلہ رکھ کر ہی بیٹھا تھا۔ مگر پھر بھی اُسے جتانے کے لیے وہ اُس سے مزید فاصلہ برقرار رکھتی صبا کی جانب کھسک گئی تھی۔

ابہتاج نے اُس کی یہ حرکت بہت غور سے دیکھی تھی۔ مگر ہونٹ بھیجنے اس وقت بالکل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ ابہتاج تو ہمیشہ کی طرح بلیک کپڑوں میں ہی ملبوس تھا۔ بلیک قمیض شلوار میں سلیوز کہنیوں تک فولڈ کیے وہ بے نیازی اور مغروریت بھرے تاثرات کے ساتھ بیٹھا۔ پورے ماحول پر چھایا ہوا لگ رہا تھا۔ صبا نے ستائشی نظروں سے اس منفرد سے سیاہ لباس میں موجود کپل کو دیکھا تھا۔ دونوں ہی ایک ساتھ بیٹھے کمال کے لگ رہے تھے۔ جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔

مولوی صاحب نکاح پڑھوانا شروع ہو چکے تھے۔ نکاح کے ہر بول کے ساتھ سُملین کے دل کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ نکاح نامے پر سائن کرتے کتنی بار پین اُس کے ہاتھ میں لرز گیا تھا۔ اپنا آپ کسی ایسے شخص نام لگانا جس کے نام سے زیادہ آپ کچھ نہیں جانتے بہت مشکل امر تھا۔ جو صرف اپنے ماں باپ کی خاطر کڑوا گھونٹ اُسے پینا تھا۔

نکاح کی رسم ہو چکی تھی۔ سب مبارک دے رہے تھے۔ قریشی صاحب نے باپ جیسی شفقت بھرا ہاتھ اُس کے سر پر رکھا تھا۔ اب اُنہیں سُلیں کی جانب سے بالکل بھی ٹینشن نہیں رہی تھی۔ اُن کے بیسٹ فرینڈ کی اکلوتی نشانی اب محفوظ ہاتھوں میں تھی۔

صبا نے بھی خوش ہوتے سُلیں کو گلے لگایا تھا۔ جو بہت مشکل سے اپنے آنسو روکے بیٹھی تھی۔ قریشی صاحب کی باتوں میں آکر اُس نے اتنا بڑا قدم اٹھا تو لیا تھا۔ مگر اُس کے دل میں ایک انجانا سادرد بیٹھ گیا تھا۔ وہ ابھی تک اسی اُلجھن میں گرفتار تھی۔ کہ جس انسان کو وہ اپنا آپ سوئپ چکی تھی۔ کیا وہ اُس کا محافظ ہی تھا یا کہیں اُس کی اصل بربادی کا ذمہ دار۔ وہ جلد از جلد اس حقیقت سے پردہ اٹھانا چاہتی تھی۔ شاید نکاح کی بڑی وجہ بھی یہی تھی۔ اسٹامپ پیپر پر سائن کروانے کا اصل مقصد ہی یہی تھا۔ کہ جب وہ اس شخص کی اصلیت دنیا کے سامنے لائے۔ تو آزادی کا پروانہ بھی اُس کے پاس ہو۔

"قاسم سے کوئی کانٹیکٹ ہوا۔"

سُلیں کی سرگوشی نما آواز میں کہی بات بھی قریب بیٹھے ہونے کی وجہ سے باآسانی ابہتاج کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اُسے جتنی اس بندے سے نفرت تھی۔ سُلیں اتنا ہی اُس کا نام لے کر ابہتاج کو جلا کر خاک کر دیتی تھی۔

وہ نجانے کیسے غصہ ضبط کرتا وہاں سے اُٹھ گیا تھا۔ اُس کے یوں جھٹکے سے اُٹھ جانے پر سُلیں کے ہونٹوں پر محفوظ کن مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

اس انسان نے اُسے زہنی ٹارچر کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب وہ اس سے سارے بدلے لینا چاہتی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ کہ اصل کلپیٹ ابہتاج لغاری ہی تھا۔

"میم ابھی کچھ دیر میں آپ کی رخصتی ہے۔ ان سے تو آپ کو نیند آجائے گی۔"

سُلیم صبا کے ساتھ روم میں آچکی تھی۔ اور ڈاکٹر کی دی گئی دوائیاں، جو اس ٹائم بالکل بھی نہیں لینی تھیں۔ سُلیم بہت ہی آرام سے انہیں پانی سے نکل گئی تھی۔

"آج رخصتی ہو یہ پتھر پر لکیر تو نہیں بن گئی نا۔ نکاح ہو چکا ہے، رخصتی کل یا پرسوں ہو جائے گی۔"

سُلیم دوائیوں کے زیر اثر بولتی بیڈ پر لیٹ چکی تھی۔ اگلے چند لمحوں بعد وہ غنودگی میں جا چکی تھی۔

صبا بے چارگی سے اُسے دیکھتی پلٹ گئی تھی۔ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ اب کیا ہونے والا تھا۔



روم میں دبیز پردے گرے ہونے کی وجہ سے بالکل اندھیرا ہو چکا تھا۔ دل اپنی عادت کے مطابق لائٹ آن کر کے سوئی ہوئی تھی۔ جو زورین نے سونے سے پہلے آف کر دی تھی۔ کیونکہ اُسے زرا سی بھی روشنی میں نیند نہیں آتی تھی۔

دل نیند میں ہوتے ہوئے بھی زرا لائٹ آپ ہونے پر جاگ جاتی تھی۔

اس وقت بھی کسی انجانے احساس کے تحت دل کی آنکھ کھلی تھی۔ اجنبی نظروں سے ہر طرف نظر دوڑاتے اُسے اپنے ہاتھ پر کوئی بوجھ سا محسوس ہوا تھا۔ جیسے ہی چہرہ اگھمانے پر اُس کی نظر اپنے سامنے سوئے زورین شاہ پر پڑی اُس کا دل بے قابو ہوتا زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

زورین کروٹ کے بل لیٹے اُس کے کافی قریب تھا۔ اُس کا وزنی ہاتھ دل کے ہاتھ کے اوپر رکھا تھا۔ جس سے وہ بالکل دب سا گیا تھا۔ دل آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھے گئی تھی۔ سوتے وقت تو وہ اکیلی تھی۔ پھر زورین شاہ کب آیا تھا۔ ہر وقت آگ

اُگلتی اور دوسروں کو نیچا دیکھاتی مغرور آنکھیں موندے وہ بے خبر سویا، دل کی حالت غیر کر گیا تھا۔ وہ فوراً نظریں پھیر گئی تھی۔ اس شخص کے نزدیک وہ اپنی اہمیت سے واقف تھی۔ اس لیے کسی قسم کی خوش فہمیاں پال کر بعد میں اپنے آپ کو ہرٹ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

دل گھبراہٹ اور عجیب سی کیفیت کا شکار ہوتی۔ اُس کا ہاتھ جھٹکتی پیچھے ہٹی تھی۔ اُس کے یوں جھٹکا دینے سے زورین کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔
"واٹ نان سینس۔ یہ کیا طریقہ ہے۔"

زورین جو ابھی کچھ دیر پہلے سویا تھا۔ اپنی نیند یوں خراب کیے جانے پر، یہ بات بھلائے کہ یہ اُس ایک دن کی نئی دلہن ہے، غصے سے اونچی آواز میں اُس سے مخاطب ہوا تھا۔ اُسے نیند میں اس طرح ڈسٹرب کیے جانے پر شدید غصہ آتا تھا۔ کئی بار میرا کو بھی ڈانٹ پڑ چکی تھی۔

زورین کی نیند کے خمار سے لال پڑتی آنکھیں خود پر گڑھی دیکھ اُس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ مگر فوراً اپنی نظروں پر قابو رکھتے اُس نے زورین شاہ کو اُسی جیسے غصے بھرے تاثرات سے گھورا تھا۔
"آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں آپ کے قریب آنے کا۔"

اُس کی نظروں سے دل کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ بات کہتی بیڈ سے اٹھنے ہی والی تھی۔ جب زورین نے اُس کی کلائی گرفت میں لیتے وہیں روک دیا تھا۔

”اوہ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ آئی تھینک کل رات نکاح ہوا ہے ہمارا۔ تم اُسی وجہ سے میرے روم میں موجود ہو اس وقت۔

ایسا ہی ہے نا۔ یا میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔ جس میں تم بیوی کی حیثیت سے میرے کمرے میں موجود ہو۔“
دل جو اُس کی گرفت سے اپنی کلائی آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔ زورین کے ہتک آمیز لہجے پر دل نے آنکھوں میں
بھر جانے والی نمی کو پیچھے دھکیلتے نظریں اٹھا کر اُس سنگدل ترین انسان کی جانب دیکھا تھا۔

”آپ کا تو پتا نہیں مگر میرے لیے واقعی کسی بھیانک خواب سے کم نہیں ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو یہ نکاح کبھی نہ
کرتی۔ مگر میرے پاس کسی نے ایسا کوئی آپشن ہی نہیں چھوڑا تھا۔“

دل نے اپنی کلائی اُس کے ہاتھ سے آزاد کروانے کے ساتھ ساتھ اپنا حساب بھی بے باک کیا تھا۔

جبکہ اُس کی بات زورین کو بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔ اتنی دیر میں اُس نے پہلی بار ایک بھرپور نظر دل کے سراپے پر
ڈالی تھی۔ کل نکاح کے وقت وہ جتنا غضب ڈھا رہی تھی۔ اس وقت اتنی ہی سادگی کی مورت بنی ہوئی تھی۔ مہرون کلر کے
سادہ سے سوٹ میں بالوں کو کچھچھر میں مقید کرنے کی ناکام کوشش کیے وہ اس وقت سادگی میں بھی بے انتہا خوبصورت لگ
رہی تھی۔ اُس کا فریش چہرہ مقابل کو بھی تازہ دم کر جاتا تھا۔ جیسا اس وقت زورین کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ دل کا چاہے خون
ہی جلاتے مگر وہ اُس سے باتیں کرتا اب کافی حد تک فریش ہو چکا تھا۔

دل کے سیدھے سلکی بال اُس کے چہرے کے گرد ہالہ بنائے اُس کے چہرے کی شادابی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔
زورین کے لیے نظریں ہٹانا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کہ اگر یہ لڑکی صرف اُس کی ضد تھی، اُس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ تو اس وقت اُس کے بیڈ روم میں بیوی کی حیثیت سے کیا کر رہی تھی۔

دل کے الفاظ کے جواب میں زورین نے بنا کچھ بولے اُس کی کلائی کو جھٹکتے اپنی جانب کھینچا تھا۔ دل جو پہلے ہی بازو چھڑوانے کے لیے مزاحمت کرتی اُس کے قریب آگئی تھی۔ زورین کے اس حملے پر کوشش کے باوجود سنبھل نہیں پائی تھی۔ وہ سیدھا اُس کے سینے پر جا گرتی مگر دل نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے درمیان میں فاصلہ برقرار رکھا تھا۔ دل کا یہ گریز بھرا انداز زورین نے بہت غور سے نوٹ کیا تھا۔

"ہممہ۔ تم تو اپنے کزن کے سہانے خواب دیکھتی ہو گی۔ قسمت نے لا کر یہاں پُنج دیا۔ مجھ جیسے جذبات سے عاری انسان کے پاس۔"

زورین کی کہی جانے والی ہر اگلی بات اُسے پہلے سے زیادہ ہرٹ کر رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو لڑھک کر گال پر پھسلا تھا۔ جسے زورین نے گرنے سے پہلے ہی اپنی پوروں میں جذب کر لیا تھا۔

زورین کے ہاتھ کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کرتے اُس کی حالت مزید غیر ہوئی تھی۔

"میں اپنے ماضی کے حوالے سے آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔ وہ جیسا بھی گزرا ہو یا جس سے بھی محبت کی ہو میں نے۔"

دل نے بلاوجہ زچ کرنے کی کوشش کرتے زورین کا ہاتھ جھٹکنا چاہا تھا۔ جب اُس کا دوسرا ہاتھ بھی زورین کی گرفت میں آگیا تھا۔

دل سے اُس کا چہرہ کافی قریب دیکھ اپنی دلی حالت پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں بُری طرح دھک دھک کرنے لگی تھیں۔ مگر وہ اس بارے میں زورین کو محسوس نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ کیونکہ پھر اس سنگدل ترین انسان نے اُس کا مذاق بنا کر جینا حرام کر دینا تھا۔ کہ وہ اُس کی محبت میں گرفتار ہو رہی ہے۔

”کافی خوبصورت ہو تم۔“

زورین نے اُس کے ہاتھ ابھی بھی آزاد نہیں کیے تھے۔ اور نہ ہی اُسے خود سے دور کیا تھا۔ دل کا چہرہ اپنی گہری نظروں کی گرفت میں لیے بولتا وہ اُسے پزل کر رہا تھا۔

”مگر مجھے تم میں بالکل بھی انٹرسٹ نہیں ہے۔ تم اچھے سے جانتی ہو میں نے یہ شادی کیوں کی ہے۔ صرف اپنی ضد پوری کرنے اور دنیا کے سامنے شادی شدہ ہونے کا دکھوا کرنے کے لیے۔ اس سے زیادہ میرے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ بات ہمیشہ اپنے زہن میں واضح رکھنا۔“

زورین اُسے خود سے دور جھٹکتا کروٹ لے کر واپس لیٹ گیا تھا۔

اُس کا دل چاہا تھا۔ اس بے حس انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دے۔ جس نے اُس کی پہلے سے برباد زندگی کو مزید خراب کر دیا تھا۔

★★★★★★

”صبا آپ جائیں سُلین کو لے آئیں۔ رخصتی کا ٹائم ہو چکا ہے۔“

قریشی صاحب ابہتاج کے ساتھ صبا کے قریب آتے بولے تھے۔ جو شرمندہ سی اُن کی جانب دیکھے گئی تھی۔ وہ کیسے بتاتی کہ اُس کی کی باس صاحبہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوچکی ہیں۔ اُس نے ہیوی ڈوز لی تھی، جس سے اگلے کئی گھنٹے کسی کے جھنجھوڑنے پر بھی اُسکا کی آنکھ نہیں کھلنی تھی۔

”کیا ہوا مس صبا۔ کوئی پر اہلم تو نہیں ہے۔ سُلین ٹھیک تو ہے نہ۔“

قریشی صاحب فوراً فکر مند ہوئے تھے۔ ابہتاج نے بھی جانچتی نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔
 "نوسر میم بالکل ٹھیک ہیں۔ مگر وہ۔۔۔۔۔"

وہ سو گئی ہیں۔ اپنی میڈیسن لے کر۔۔۔ تو رخصتی ابھی تو پاسبل نہیں ہو سکتی۔“

صبا نے بات کرتے ڈرتے ڈرتے ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔ اُس پہلے دن سے ہی ابہتاج سے بہت ڈر لگتا تھا۔ جس کے سرد ترین تاثرات رگوں میں خون جمادیتے تھے۔ لیکن اُسے حیرت کا شدید جھٹکا تو اُس وقت لگا تھا۔ جب سُلین کی اس حرکت کے بارے میں سن کر غصہ ہونے کے بجائے ابہتاج کی آنکھوں میں ایک مسکراہٹ سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ جس کا دورانیہ چند سیکنڈز سے زیادہ نہیں تھا۔

مگر اب تہاج کی دلکش مسکراہٹ نے اُسے بہت متاثر کیا تھا۔ اُس کی نرم جذبوں میں گندھی پیاری سی باس کے لیے یہ وجہہ انسان بالکل پرفیکٹ تھا۔

”اوہ اب پھر۔۔۔۔۔“

قریشی صاحب کو سُلین سے اِس غیرِ زمہ داری کی اُمید بالکل بھی نہیں تھی۔ وہ ابہتاج کے سامنے شرمندہ سے ہو گئے تھے۔

”ڈونٹ وری قریشی صاحب رخصتی تو ابھی بھی ہو سکتی ہے۔ نکاح ہو چکا ہے، دشمن اب پہلے سے زیادہ الرٹ ہونگے میں نہیں چاہتا۔ سلین کو وہ مزید کوئی نقصان پہنچائیں۔ رخصتی اپنے مقررہ ٹائم پر ہی ہوگی۔ آپ پلیز مجھے اُن کا روم دیکھا دیں۔“

ابہتاج کی بات قریشی صاحب کو بالکل ٹھیک لگی تھی۔ وہ صبا کی راہنمائی میں سلین کے روم کی جانب بڑھا تھا۔ جہاں وہ بیڈ پر کمبل سینے تک اوڑھے خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ اُس نے ابہتاج سے بچنے کے لیے نیند کا سہارا لیا تھا۔ یہ بات کافی محفوظ کن تھی اُس کے لیے۔ سلین کو اس بات کا اندازہ تھا شاید وہ اُس کے روم میں آئے، اس لیے اُن نے سوتے وقت بھی دوپٹہ اچھے سے اوڑھ رکھا تھا۔

ابہتاج نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اُس کے اوپر سے کمبل ہٹاتے اُسے اپنی بانہوں میں اٹھالیا تھا۔ صبا خاموشی سے ایک سائیڈ پر کھڑی اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سلین اگر سیر تھی تو ابہتاج اُس کے لیے سوا سیر ثابت ہوا تھا۔ اُس کی ساری پلاننگ ناکام بناتے وہ اُسے اٹھائے روم سے باہر نکل آیا تھا۔

صبا نے ایسا انوکھا کپل اور اُس سے بھی کہیں زیادہ انوکھی رخصتی آج تک نہیں دیکھا تھا۔

★★★★★★

”زورین کہاں ہو تم۔ میں پچھلے کتنے گھنٹوں سے کال کر رہی ہوں تمہیں۔ اٹینڈ کیوں نہیں کر رہے تم۔“

منزہ اچھی خاصی بھڑکی ہوئی تھی۔ وہ کئی سو بار کال کر چکی تھی۔ مگر زورین اپنی میٹنگ میں بڑی ہر چیز فراموش کر جاتا تھا۔ ابھی بھی اُس سے بات نہیں ہو پانی تھی۔ اگر منزہ اُس کی سیکرٹری کا ڈانٹ کر فون میٹنگ روم میں لے جانے کو نہ کہتی تو

"کیا ہوا سب خیریت ہے۔ میرا تو ٹھیک ہے نا۔"

زورین کو فوراً میرا کی فکر ہوئی تھی۔

"میرا ٹھیک ہے سب خیریت ہے۔ مگر تم ابھی اور اسی وقت آفس سے نکلو۔"

منزہ کو اُس کا دل کو یکسر فراموش کر جانا پسند نہیں آیا تھا۔

"آپ وجہ بتانا پسند کریں گی۔ اپنی اتنی امپورٹنٹ میٹنگ چھوڑ کر کس لیے آؤں میں۔"

زورین نے اُسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔

"کیونکہ تمہاری اب ایک عدد بیوی بھی ہے۔ جسے کل ہی اپنے ساتھ رخصت کروا کر آئے ہو تم۔ جیسے تمہیں اپنے باقی

فیملی ممبرز سے محبت ہے۔ اُن کی عزت اور مان رکھتے ہو۔ ویسا ہی برتاؤ اب تمہیں اپنی بیوی کے ساتھ بھی کرنا ہو گا۔ جو

صرف تمہاری وجہ سے ہی اپنے سارے رشتے چھوڑ کر آئی ہے۔

آج رسم کے مطابق دل آویز صبح اپنے گھر والوں کے ساتھ مکلاوے میں گئی ہے۔ تمہیں ابھی اُسے لینے جانا ہو گا۔ رسم کے

مطابق تو شوہر کو بھی رات وہی ساتھ رکنا ہوتا ہے۔ مگر تمہارے مزاج کے پیش نظر میں نے رات کو ہی تم دونوں کے

واپس آنے کی بات کر لی ہے اُن سے۔"

منزہ رسائیت سے سمجھاتے ہوئے بولی تھی۔

"واٹ ریش۔ تمہیں لگتا ہے میں ایسی فضول رسموں کا حصہ بنوں گا۔ آپ جائیں لے آئیں اُسے۔"

زورین نے اُس کی سوچ کے عین مطابق ری ایکشن دیا تھا۔

”جب شادی تم نے کی ہے۔ تو اُس کی ساری رسمیں بھی تمہیں ہی نبھانی پڑیں گی۔“

منزہ کو اب خود پر ہی افسوس ہو رہا تھا۔ کہ اپنے اس نک چڑھے دیور کے ساتھ کسی معصوم لڑکی کو پھنسا کر کتنی بڑی زیادتی کی تھی۔

”تمہیں ہی شوق چڑھا ہوا تھا، میری شادی کروانے کا۔ اب بھگتو سب اور ویسے بھی جب وہ مجھ سے پوچھے بغیر گئی ہے۔ تو میں اُسے لینے کیوں جاؤں۔“

زورین نے انکار کی ایک اور وجہ ڈھونڈی تھی۔

کیونکہ صبح جب وہ سویا ہوا تھا۔ دل اپنے گھر والوں کے ساتھ چلی گئی تھی۔

”تم کیسی ٹیپیکل مردوں والی بات کر رہے ہو۔ بے وقت تم سوئے ہوئے تھے۔ اگر وہ تمہیں جگا کر جانے کی اجازت لیتی تو تم نے الگ ہی بھڑک جانا تھا۔ میں نے ہی کہا تھا اُسے چلے جانے کو۔ اور تم جانتے ہو اُس کے گھر والوں کے سامنے ہمیں کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ تمہارے وہاں نہ آنے کی وجہ سے۔“

منزہ کو صبح والی بات ایک بار پھر غصہ دلا گئی تھی۔

”اب تم صرف میرا ٹائم ویسٹ کر رہی ہو۔ اس وقت میری بہت امپورٹنٹ میٹنگ چل رہی ہے۔ میں۔ کسی صورت نہیں

جاسکتا۔ تم ڈرائیور کو بھیج دینا لے آئے گا اُسے۔“

زورین اُس کی مزید کچھ بھی سنے بغیر کال کاٹ گیا تھا۔

اُسے زہر سے بھی بُرے لگتے تھے دل کے گھر والے۔ وہاں قدم نہ رکھنے کی وجہ سے ہی تو اُس نے ہال میں نکاح کا فنکشن
ارنج کروایا تھا۔ پھر اب وہ بھلا کیسے چلا جاتا ہوں۔



بھرپور نیند لے کر اُس نے انگڑائی لیتے آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ خوش تھی، اُس نے نکاح ہوتے ہی ابہتاج لغاری کی ایک
بات تو رد کر ہی دی تھی۔ رخصتی نہ کروا کر۔ اب وہ آگے بھی مزید ایسا سب کرنے کا ارادہ ہی رکھتی تھی۔
تکیے کے سہارے اُٹھ کر بیٹھتے اُس کی نظر سامنے لگے سیاہ پردوں کو دیکھا تھا۔ اُسے بلیک کلر پسند تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ روم
میں بھی ہر جگہ یہی یوز کرتی۔ نکاح میں بھی سیاہ رنگ صرف ابہتاج لغاری سے نکاح کے سوگ میں پہنا تھا۔
پردے سے نظریں ہٹاتے اُس نے ارد گرد کا جائزہ لیا تھا۔ یہ اُس کا روم نہیں تھا۔ سُلین کا سر چکر اگیا تھا۔
اُس نے بے اختیار اپنے حلیے پر نظر دوڑائی تھی۔ باقی سب تو ٹھیک تھا مگر سوتے وقت اپنے گرد لیٹا دوپٹہ اس وقت تکیے کے
ساتھ پڑا تھا۔ اور بالوں سے کچر نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا گیا تھا۔ بظاہر اُس کے آرام کا مکمل خیال رکھا گیا تھا۔ مگر سُلین
کو یہ بات آگ لگ گئی تھی۔ ابہتاج لغاری واقعی ایک انتہا کا ضدی اور خود سر شخص تھا۔ اپنی منوا کر ہی رہا تھا۔
وہ ابھی اسی غم و غصے کا شکار تھی۔ جب سائیڈ ٹیبل پر پڑا اپنا موبائل بجاتا دیکھ پہلے تو وہ حیران ہوئی تھی۔ مطلب اُس کی ہر چیز
پہلے سے ہی یہاں پہنچا دی گئی تھی۔

”میم آپ اُٹھ گئیں۔ طبیعت کیسی ہے اب آپ کی؟“

صبا کی آواز میں پوشیدہ شوخ پن اُسے مزید تپا گیا تھا۔

”میں اس وقت کہاں ہو؟“

سُلین کو خود بھی یہ بات پوچھتے عجیب لگ رہا تھا۔ مگر آگے سے سُلین کو جو بات صبانے بتائی تھی۔ اُس کا چہرہ شرم و حجالت سے تپ اُٹھا تھا۔ وہ انسان اُس کی سوچ سے بھی کہیں زیادہ بے باک اور شاطر تھا۔ جس کے لیے کبھی بھی کچھ بھی کر جانا مشکل نہیں تھا۔

وہ سائیڈ پر رکھے دوپٹے اور کیمچر کو دیکھ کر ہی شرم و غصے سے لال ہو رہی تھی کہ ابہتاج نے اُسے چھوا تھا۔ وہ ایک بار پھر اُس کے قریب آیا تھا۔ لیکن اب تو وہ ایسا کرنے کا حق رکھتا تھا۔ وہ اُس کی بیوی بن کر اُس کے گھر میں آچکی تھی۔ اُس ہٹ دھرم انسان کو بھلا وہ کیسے روک سکتی تھی۔ سُلین کی دھڑکنوں کی رفتار تیز ہوئی تھی۔

اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ نکاح والا فیصلہ ٹھیک تھا یا غلط۔ اپنے بابا کے دشمن کے ساتھ یہ رشتہ جوڑ کر کہیں اُس نے اپنی زندگی برباد تو نہیں کر دی تھی۔

انہی باتوں میں اُلجھے اُس کا دل چاہا تھا۔ اس خوبصورتی سے سب کمرے کا حشر بگاڑ دے۔ کمبل اپنے اوپر سے ہٹا کر دوپٹہ اُٹھاتی وہ باہر نکل آئی تھی۔

★★★★★★

”تو اپنے شوہر کے میں بھی یہی اوقات ہے تمہاری۔ ظاہر سی بات ہے، دولت سے کھیلنے والے اُس رئیس زادے کی نظر میں تمہاری اہمیت کسی نوکرانی سے زیادہ تو ہوگی نہیں۔“

رقیہ بیگم کے زہر میں ڈوبے الفاظ دل کو بُری طرح چھلنی کر گئے تھے۔ اُس نے نکاح کے بعد زورین کا اتنا اچھا سلوک دیکھ جو سنے دیکھنے شروع کیے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے ٹوٹتے اُسے لہو لہان کر رہے تھے۔ مگر وہ اس میں بھی سارا قصور اپنا ہی مان رہی تھی۔ جب اُس کو پتا تھا کہ وہ کتنی بد نصیب ہے تو پھر کیا سوچ کر اُس نے زورین شاہ سے کوئی اُمیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ صبح بھی صرف اُس کا گھر دیکھنے اور باقی کی سن گن لینے اُس کی خالہ اور ممانیاں اُسے لینے گئی تھیں۔ منزہ کو یہی لگا تھا کہ وہ سب دل کی محبت میں کھینچی چلی آئی ہیں۔ اُس وقت بھی زورین اُوپر سویا رہا تھا۔ اُن سے نہیں ملا تھا۔ اور اب بھی منزہ اُسے زورین کا انکار بتا چکی تھی۔ مگر دل کو سمجھ نہیں آرہی تھی، وہ کیسے بتائے سب کو یہ بات۔ یہاں تو پہلے ہی اُس کی عزت کی دھجیاں اُڑائی جا رہی تھیں۔

آنکھوں میں اُترتی نمی پیچھے دھکیلے وہ مزید اُن کی جلی کٹی باتیں سننے کا حوصلہ نہ رکھ پاتے وہاں سے اُٹھ گئی تھی۔
"پھوپھو، ماما، بابا کہہ رہے ہیں۔ جلدی سب سیٹ کریں زورین شاہ باہر آچکے ہیں۔ وہ کسی بھی لمحے یہاں ڈرائنگ روم میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

صوفیہ ہڑبڑاہٹ کا شکار بہت مشکل سے اپنی بات کمپیٹ کر پائی تھی۔ جبکہ اُس کی بات پر وہاں موجود تمام خواتین کے رنگ اُڑ گئے تھے۔ اُنہیں ایک پرسنٹ بھی یقین نہیں تھا کہ زورین شاہ یہاں آئے گا۔ وہ اُوپنچی ناک رکھنے والا ریمیں زادہ صرف دل کی خاطر یہاں تک آ گیا تھا۔

یہ بات اُن سب کو جلا کر خاکستار کرنے کے لیے کافی تھی۔ ڈرائنگ روم کا حلیہ جو کہ اُن سب کے اودھم مچانے سے اچھا خاصہ بگڑا ہوا تھا۔ کچھ ہی سیکنڈز میں سب کچھ سیٹ کر دیا گیا تھا۔

اندر داخل ہوتے زورین شاہ کی چار منگ پر سنیلٹی اور چہرے کے مغرور وجہہ نقوش دیکھ رقیہ بیگم دل کی اتنے اچھے نصیب پر ایک بار پھر پچھتا کر رہ گئی تھیں۔ زورین کی پہنی ایک ایک چیز انتہائی بیش قیمت تھی۔ جس لڑکی کی زندگی وہ برباد کرنا چاہتی تھیں۔ وہ اب عیش کرنے والی تھی۔

مگر اتنی آسانی سے یہ سب ہونے دینا انہیں منظور نہیں تھا۔

”بیٹا کیسے ہیں آپ۔ آپ کو یہاں دیکھ بہت خوشی ہو رہی ہے۔“

رقیہ بیگم آگے ہوتیں خوشدلی سے بولی تھیں۔

وہ وہاں موجود ہر شخص زورین شاہ کی شخصیت سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

زورین نے صرف سر ہلا کر ہی انہیں ان کی بات کا جواب دیا تھا۔ اُس کی متلاشی نظریں دل کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ جسے لے کر وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ جبکہ وہ سب اس بے تابی کا کچھ اور ہی مطلب نکالتے دل کی اتنی اہمیت پر جیلس ہوئے بنا نہیں رہ پائی تھیں۔

”دل آویز کہاں ہے نظر نہیں آرہی۔“

زورین نے تنویر صاحب کے کہنے پر صوفے پر بیٹھتے دل کے بارے میں پوچھ ہی لیا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے منزہ کی اُس کے آگے صرف ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ گئی تھی۔ باقی اُس نے سب کچھ کیا تھا۔ وہ رشتوں کی ان باریکیوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی زورین کے بُرے بی ہوئیر کی وجہ سے دل کو اپنے میکے والوں کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا

”وہ اوپر اپنے روم میں ہے۔ میں اُسے بلا کر لاتی ہوں۔“

فاخرہ بیگم فوراً اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔ تنویر صاحب کی اُن کو خاص ہدایت تھی کہ سب نے زورین کے سامنے دل سے بہت اچھا رویہ رکھنا ہے۔ وہ زورین سے رشتہ جڑ جانے کے بعد سے اپنے بزنس کی ترقی کے الگ ہی خواب دیکھنے لگے تھے۔

”نہیں آپ رہنے دیں۔ میں خود ہی مل لیتا ہوں۔ روم کس سائیڈ پر ہے۔“

زورین اُن کو منع کرتا اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ گھر کے سبھی افراد ہی وہاں موجود تھے۔ سوائے سفیان کے۔ جو نکاح کی ڈیٹ فائنل ہوتے ہی اپنے کسی دوست کی طرف چلا گیا تھا۔ اور اب تک نہیں لوٹا تھا۔

فاخرہ بیگم کے بتانے پر زورین اُس جانب بڑھ گیا تھا۔

”دیکھا کتنی میسنی اور چالاک ہے یہ لڑکی۔ ایک ہی دن میں کیسے قابو میں کر لیا ہے اپنے شوہر کو۔ اتنا باحیثیت آدمی اُس بے غیرت شہلا کی بیٹی کی جھولی میں ڈال دیا۔ مت ماری گئی تھی میری۔“

رقیہ بیگم کا چچھتاوا کسی طور کم ہونے کا نام ہی نہیں لیے رہا تھا۔

”آپا اچھی بات ہی ہے نا۔ اگر زورین شاہ دل کے قابو میں رہا تو فائدہ ہمارا ہی ہے۔ وہ بے وقوف لڑکی ہمارے پیار کی ترسی ہوئی ہے۔ زرا دو میٹھے بول بولنے پر ہمارا کام کر دے گی۔ آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔ زورین شاہ کی سپورٹ سے ہمارا کاروبار کہاں پہنچ سکتا ہے۔ بہت بڑا نام اور مقام ہے زورین شاہ کا بزنس کی دنیا میں۔ جس سے بھی ہاتھ ملاتا ہے وہ کمپنی راتوں رات ترقی کی منزل طے کر جاتی ہے۔ اور جس سے بگڑتی ہے اُس کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔“

تنویر صاحب نے اُن سب پر اپنی سوچ ظاہر کرتے دے سے اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی تھی۔



سُلین کو سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اِس اتنے بڑے بنگلے کا راستہ کس طرف تھا۔ ایک گول چکر کاٹ کر وہ پاس اُسی روم کے سامنے آن پہنچی تھی۔ جہاں سے وہ نکلی تھی۔ ابہتاج لغاری کی طرح اُس کی ہر چیز اُلجھی ہوئی ایک پہیلی ہی تھی۔ جو سُلین کو محسوس ہو رہا تھا، اُسے ہی حل کرنی تھی اب۔

”یہ راستہ ہے کس طرف۔ کہاں جاؤں میں۔“
سُلین بُری طرح اکتا گئی تھی۔

جب اچانک کچھ فاصلے پر نظر پڑتے وہ خود کو کوس کر رہ گئی تھی۔ سیڑھیاں یہیں پاس ہی تھیں۔ وہ غصہ ہونے کی وجہ سے دیکھ بھی نہیں پائی تھی۔

وہ ریلنگ تھام کر کافی چوڑائی میں بنائی گئی سیڑھیاں عبور کرتی نیچے اتر رہی تھی۔ جب کافی نیچے آکر اُس کی نظر سامنے کے منظر پر پڑی تھی۔

اُس نے آنکھیں پھاڑے حیرت سے صوفے پر بیٹھے ابہتاج اور اُس کے قدموں میں بیٹھی لڑکی کی جانب دیکھا تھا۔ وہ لڑکی روتے ہوئے کچھ کہتی اُس کے پیروں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ابہتاج اُس کی صورت دیکھنے سے بھی گریزاں اُسے دور جھٹکتے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

سُلین کافی فاصلے پر ہونے کی وجہ سے کچھ سن نہیں پارہی تھی۔ مگر سامنے کا منظر اُسے ابہتاج کے حوالے سے مزید مشکوک کر گیا تھا۔

تو اس شخص کا کردار بھی اس جیسا گھٹیا ہی نکلا تھا۔ کوئی لڑکی بھلا کیوں اُس کے پیروں میں گر کر ایسا کرے گی۔ یقیناً کوئی بڑی بات ہی تھی۔

اگلے لمحے ابہتاج کے اشارے پر ایک ہٹی کٹی ملازمہ آکر اُس لڑکی کو دونوں بازو سے جکڑتے گھسیٹ کر وہاں سے باہر لے گئی تھی۔

سُلیمن اُس کے ساتھ اتنا بُرا سلوک کیے جانے پر منہ پر ہاتھ رکھتی صدمے کی کیفیت میں وہاں کھڑی رہ گئی تھی۔ اُس کا ابہتاج لغاری کے اس قدر سفاکیت بھرے برتاؤ پر غم و غصے سے بُرا حال تھا۔

مگر اُس سے بھی کہیں زیادہ اُسے ابہتاج کی لال انگارہ آنکھوں سے خوف ہونے لگا تھا۔

ابہتاج کی نظر سُلیمن پر ابھی تک نہیں پڑی تھی۔ اسی لیے اپنے جنونیت بھرے رُوپ میں غصے کا اظہار کرتے اُس نے سامنے پڑا لکڑی کا چھوٹا سا ٹیبل اٹھا کر پوری شدت سے سامنے لگے والے سائز کے مرر پر دے مارا تھا۔ جو چھناکے سے ٹوٹتا چمکنا چور ہوتا کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔

سُلیمن بہت زیادہ خوفزدہ ہو چکی تھی۔ وہ کپکپاتی ٹانگوں کے ساتھ واپس اُسی روم میں داخل ہوتی، دروازہ اندر سے لاک کر گئی تھی۔



زورین نے بنانا کیسے دل کے روم میں قدم رکھا تھا۔ مگر اندر داخل ہوتے اُس کے قدم وہیں ساکت ہوئے تھے۔ دل بیڈ پر اوندھے منہ گری بُری طرح ہچکیاں لیتے رو رہی تھی۔ اُس کا دھیان دروازے کی جانب بالکل بھی نہیں تھا۔ نہ ہی اُس کے وہم و گمان میں تھا۔ کہ زورین شاہ یہاں تک آسکتا ہے۔

زورین آنکھوں میں الجھن لیے اُس کی جانب بڑھا تھا۔ اُس کے گھر والوں میں تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ تو پھر دل کا یوں بکھر کر رونا۔ اُسے بے اختیار اُس کی جانب متوجہ کر گیا تھا۔

دل کی ہچکیاں اب اُس کے ضبط سے باہر ہو چکی تھیں۔ اُس نے آگے بڑھ کر زورین کو بازو سے پکڑ کر اوپر کی جانب کھینچ لیا تھا۔ اس اچانک اور جارحانہ حملے پر دل کے منہ سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے سامنے کھڑے زورین شاہ کو دیکھ وہ شاک میں جا چکی تھی۔

اُس کے لیے زورین کی یہاں موجودگی کا یقین کرنا بہت مشکل امر تھا۔

وہ جس طرح بہتی آنکھوں اور بے یقینیت بھرے چہرے کے ساتھ گلابی ہونٹ واں کیسے اُسے دیکھ رہی تھی۔ زورین شاہ کی ایک بیٹ مس ہوئی تھی۔ وہ چند پل کے لیے مبہوت ہی تو رہ گیا تھا۔ اس دلفریب منظر کو دیکھ کر "رو کیوں رہی ہو"

زورین نے شاید اب تک کے عرصے میں پہلی بار اُس سے اتنی نرمی سے بات کی تھی۔

زورین کو پہلے یہاں دیکھ خوشی کے احساس سے اور اب اُس کے اتنے نرمی بھرے لہجے پر دل کے آنسوؤں میں مزید شدت آگئی تھی۔ وہ بنا کچھ سوچے زورین کے سینے سے لگتی مزید شدت سے رونے لگی تھی۔

اُس کے اِس قدر استحقاق بھرے عمل پر زورین خود بھی لمحے بھر کو سمجھ نہیں پایا تھا ہوا کیا ہے۔

اُس کے کپکپاتے وجود کے گرد اپنے بازو کا حصار قائم کرتے زورین نے اُسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔ نجانے یہ کونسا طلسم تھا جو اُسے دل کے ساتھ باندھے جا رہا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود اِس سحر سے خود کا نکلنے میں کامیاب نہیں ہو پایا تھا۔ مگر وہ اتنا جانتا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ ہونا نہیں چاہئے تھا۔

کافی دیر بعد اپنے دل کا بوجھ زورین کے مضبوط سینے پر اتارتے وہ ہوش کی دنیا میں واپس لوٹتی فوراً پیچھے ہوئی تھی۔ مگر زورین کا بازو ابھی بھی اُس کے گرد گھیرا کیے ہوئے تھا۔
"واٹ ہیپنڈ۔ کسی نے کچھ کہا ہے تم سے۔"

زورین نے بغور اُس کا گھبراہٹ اور حیا سے لال پڑتا چہرہ دیکھ سوال کیا تھا۔ جواب کافی حد تک سنبھل جانے کے بعد کمزور لمحے میں سرزد ہوئی اپنی اِس بے اختیار حرکت پر خفت کا شکار ہوئی تھی۔ اِس شخص نے اب تک اپنی ہر بات سے اُس کی انسٹ ہی کی تھی۔ پھر بھی اُس کا کا دل ہمک ہمک کر زورین شاہ کی جانب جاتا تھا۔

دوسری طرف اُس کی نظریں بھٹک کر دل کی بھیگی مترنم آنکھوں کا طواف کرنے لگی تھیں۔ جو بات دل کو مزید پزل کر گئی تھی۔

"نہ نہیں کسی نے کچھ نہیں کہا۔۔۔۔۔ یہاں تو سب بہت پیار کرتے ہیں۔ مجھے میرے۔۔۔۔۔ پیرنٹس کی یاد آرہی تھی۔ اِس لیے میں تھوڑی ایمو شنل ہو گئی۔ آئم سوری۔"

دل اپنی بے وقوفی پر جی بھر کر کچھتائی تھی۔ اس شخص کی نظر میں تو اُس کی پہلے بھی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اگر اُسے گھر والوں کے رویہ کا پتا چل جاتا تو زورین نے اُس کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا تھا۔ کیونکہ زورین اور اُس کے گھر والے دل کے پیرنٹس کے بارے میں یہی جانتے تھے۔ کہ اُن کی ایک ایکسٹنٹ میں ڈیٹھ ہو چکی ہے۔

”تم جھوٹ بول رہی ہو۔“

زورین کے سر دلچے پر دل نے جھٹکے سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ کہیں وہ اُس کی سچائی سے واقف تو نہیں ہو گیا تھا۔

"رونے کی وجہ کچھ اور ہے۔ لیکن جو بھی ہے آئندہ میں تمہیں روتے نہ دیکھوں۔ سخت ناپسند ہیں مجھے یوں روتی بسورتی لڑکیاں۔"

زورین اُسے اپنے حصار سے آزاد کرتا پیچھے ہٹا تھا۔

دل جو کچھ دیر پہلے اُس کے نرمی برتنے پر ایک بار پھر اُس کی اسیری کے زیرِ اثر آگئی تھی۔ اب اچانک واپس سے زورین کا بوں روڈ ہو جانا اُسے خوابوں سے نکالتا حقیقت میں پُچھ گیا تھا۔

”آپ صاف یہ کیوں نہیں کہہ دیتے، آپ کو میں ہی سخت ناپسند ہوں۔“

دل اس وقت بہت دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ اس لیے زچ ہوتی غصے سے بول گئی تھی۔

"امپریسو، تم تو سب جانتی ہو۔ اتنی بے وقوف نہیں ہو جتنا میں سمجھتا ہوں۔"

زورین کو اُسے تنگ کرنا اچھا لگتا تھا۔ دل کی غصے سے پھولی چھوٹی سی ناک مزید پھول گئی تھی۔

”آپ اتنے گھمنڈی اور۔۔۔۔۔“

دل ابھی مزید کچھ کہتی جب زورین اچانک اُسے کمر سے تھام کر دیوار سے لگاتا اُس کے کافی قریب ہو آیا تھا۔
دل پھٹی پھٹی نظروں سے اُس کو دیکھنے لگی تھی۔ ابھی تو وہ لڑ رہا تھا۔ پھر اچانک اُسے کیا ہوا تھا۔ دل کی بولتی تو ویسے ہی بند
ہو چکی تھی۔ اُس نے زورین کے کندھوں پر دباؤ ڈالتے اُسے پیچھے ہٹانا چاہا تھا۔ جب زورین اُس کی دونوں کلائیاں اپنی
گرفت میں جکڑ کر دیوار کے ساتھ لگاتے اُس کے کان کے قریب جھکا تھا۔
"تمہاری فیملی ممبرز دروازے پر کھڑے ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے لگا تھا مینرز کی کمی صرف تم میں
ہے۔ مگر تمہاری تو پوری فیملی ایسی ہے۔"

زورین کی طنز میں ڈوبی سرگوشی نما آواز پر دل نے حیرت بھری نظروں سے دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ وہاں پڑتے
سائے دیکھ وہ زورین کے سامنے شرمندگی سے گڑھ گئی تھی۔

"انہیں اس کا سبق تو ملنا چاہیے تاکہ آئندہ ایسی غیر اخلاقی حرکت کرنے سے پہلے ہزار بار سوچیں۔"
زورین انہیں ابھی تک وہیں جمادیکھ دل کو چھوڑتا دروازے کی جانب بڑھا تھا۔
"پلیز۔۔۔۔۔"

دل فوراً اُس کے راستے میں آتی اُسے دونوں بازوؤں سے تھامتی وہیں روک گئی تھی۔
"میں تمہاری طرح اتنا فراح دل کا نہیں ہوں۔ ایسی باتوں پر تو کبھی نہیں بخشتا۔"

زورین اُسے سائیڈ پر کرتا آگے بڑھ کر آدھ کھلا دروازہ پورا کھول گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں رقیہ بیگم کی بھیجی گئیں۔ دل کی دونوں ممانیاں جو بالکل دروازے کے سہارے آگے ہو کر کھڑیں اُن کی باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پاتیں لڑکھڑاتی اندر آچکی تھیں۔

جبکہ انہیں ایسی غیر اخلاقی حرکت کرنے سے روکنے کی کوشش کرنے کے لیے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑی سویرا اور لائبرے نے منہ پر ہاتھ رکھتے بہت مشکل سے اپنا قبضہ روکا تھا۔

”جی فرمائیں۔ آپ یہاں دروازے سے کان لگا کر کون سا ضروری کام کر رہی تھیں۔“

زورین اپنے مزاج کے خلاف زرا سی بات ہو جانے پر ایسے ہی بنا لحاظ کیے اگلے بندے کی کر کے رکھ دیتا تھا۔ وہ دونوں زورین کی خوشنمگی نظروں پر مزید شرمندگی سے ڈوب چکی تھیں۔

دل زورین کے پیچھے کھڑی خود بھی شرمسار ہوئی تھی۔ یہ اُس کے لیے بہت آکورد سچویشن تھی۔

”وہ ہم یہاں کھڑی نہیں تھیں۔ بلکہ ناک کر کے آپ کو ڈنر لگ جانے کا انفارم کرنے آئی تھیں۔“

فاخرہ بیگم نے جلدی سے بات بنائی تھی۔ مگر زورین کے کچھ جتلاتے تاثرات دیکھ وہ فوراً نظریں جھکا گئی تھیں۔ یہ امیر زادہ اُن کی سوچ سے کہیں زیادہ سخت گیر اور اکھڑ مزاج تھا۔ انہیں اب اس بات پر شک ہونے لگا تھا۔ کہ بھلا یہ دل کے ساتھ اتنی جلدی اتنا اچھا ریلیشن کیسے بنا سکتا تھا۔

”ارے بیٹا آپ لوگ ابھی ادھر ہی کھڑے ہیں۔ آجائیں نیچے کھانا لگ چکا ہے۔ آپ ہی کا ویٹ ہو رہا ہے۔“

سویرا کے بلانے پر رقیہ بیگم بھی جلدی سے وہاں پہنچ کر بات سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔

”نو تھینکس۔ میں صرف دل کو لینے آیا تھا۔ کھانا ہم گھر جا کر ہی کھائیں گے۔ اب ہم نکلتے ہیں چلو دل۔“

زورین کا موڈ اچھا خاصہ خراب ہو چکا تھا۔ اُس کے دو ٹوک انکار پر رقیہ نے اُس کے پیچھے کھڑی دل کو آنکھوں سے اشارہ کرتے زورین کو روکنے کو کہا تھا۔ وہ زورین کو یوں ناراض بھی نہیں جانے دینا چاہتی تھیں۔ اور یہ بھی دیکھنا چاہتی تھیں۔ کہ زورین کے نزدیک دل کی بات کی کس قدر اہمیت ہے۔

دل رقیہ بیگم کے اشارے پر مرے مرے قدم اٹھاتی زورین کے قریب آئی تھی۔ زورین کا موڈ خراب تھا۔ دل کو لگا تھا اُس کی بنائی گئی عزت کا فالودہ نکلنے والا ہے۔

”سب نے بہت محبت سے ڈنر تیار کیا ہے۔ وہ سب اتنا فورس بھی کر رہی ہیں۔ اُن کا دل رکھنے کے لیے تھوڑی دیر رُک جاتے ہیں۔“

دل زورین کے قریب آکر اُسے بازو سے تھام کر چہرے پر اپنی دلکش مسکان سجائے بولتی زورین کو اس لمحے بہت پیاری لگی تھی۔ اُس نے زورین کے بازو پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے پلینز کرتے رک جانے کو کہا تھا۔

”او کے اگر تم بھی یہی چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔ ہم ڈنر کر کے ہی جائیں گے۔“

زورین نے اُس کی مسکراہٹ پر نجانے کیسے اپنا قیمتی ٹائم قربان کر دیا تھا۔ باقی سب نے تو حسد بھری نظروں سے اُن کی جانب دیکھا ہی تھا۔ دل خود بھی یہ بات ہضم نہیں کر پائی تھی۔

زورین اُس کا ہاتھ تھامے اُن سب کے بیچ سے نکلتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اُن سب کی ہونقوں جیسی شکلیں دیکھ دل کو اُس لمحے بہت مزا آیا تھا۔ ایک عورت کے لیے شوہر کا ساتھ کتنا ضروری اور قابلِ عزت ہوتا ہے۔ یہ بات وہ اب جان پائی

تھی۔ ورنہ ہمیشہ اُس کے لیے شادی مرد کے آگے غلام بننے سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ شوہر کی مرضی سے اُٹھنا، بیٹھنا، کھانا اور پینا۔

اُس کا اور زورین کاریلیشن اچھا نہیں تھا۔ ہر بینڈ وائف جیسا تو بالکل بھی نہیں۔ مگر اب اُس کے اندر ایک خواہش سی پیدا ہو چکی تھی۔ اگر یہ شخص صرف دیکھو ا کرتے اتنا کسرتنگ ہو سکتا تھا۔ تو اگر حقیقت میں اُس کی محبت دل کو مل جاتی تو وہ دنیا کی سب سے زیادہ خوش قسمت لڑکی ثابت ہو سکتی تھی۔

لیکن پھر وہ اپنے کبھی نہ تکمیل پانے والے خواب پر اپنا ہی تمسخر اڑاتی ہنس دی تھی۔ زورین شاہ اُس سے محبت کرے یہ ناممکن بات تھی۔ اور نہ ہی وہ اتنی خوش نصیب تھی کہ اُس کی لائف میں ایسا کوئی معجزہ ہو پاتا۔



اتنی توڑ پھوڑ کے بعد بھی ابہتاج کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا، ہر شے تہس نہس کر کے رکھ دے۔

اُس کے اس جنونی رُوپ میں ملازمین بھی اُس کے قریب آنے سے خوف کھاتے تھے۔ رضیہ اور شاکر دونوں میاں بیوی اُس کے بہت پُرانے ملازم تھے۔ جیسے ہی انہیں ابہتاج کے رہا ہونے کا پتا چلا تھا۔ وہ واپس اُس کے پاس نوکری کے لیے آگئے تھے۔ کیونکہ ان کے مطابق ابہتاج سے اچھا باس انہیں آج تک کوئی نہیں ملا تھا۔

رضیہ سلین کو بھاگ کر اوپر جاتا دیکھ چکی تھی۔ اس لیے وہ اور شا کر ابہتاج کو بتانا چاہتے تھے۔ مگر ابہتاج کے قریب جانے سے بہت ڈر بھی لگ رہا تھا۔ کہیں غصے میں اُنہیں ہی نہ کچھ دے مارے۔ جیل سے آنے کے بعد اُس کے غصے کی شدت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔

”سروہ بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔“

شا کر ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا۔ جب ابہتاج ہوش میں آتے اُس کی جانب پلٹا تھا۔

”کیا ہوا سلین کو۔۔۔۔“

ابہتاج کا غصہ اُڑن چھو ہو چکا تھا۔ اور چہرے پر پریشانی کی لہر دوڑ گئی تھیں۔

”بیگم صاحبہ شاید یہ سب کچھ دیکھ چکی ہیں۔ آپ کا غصہ کرنا بھی اور کافی خوفزدہ ہو کر اپنے روم میں گئی ہیں۔ اُنہوں نے اپنا روم بھی اندر سے لاک کر لیا ہے۔“

شا کر ابہتاج کے ایک بار پھر غصے سے بدلتے تاثرات دیکھ خود بھی خوفزدہ ہو چکا تھا۔

”تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ ڈیم ایٹ۔“

ابہتاج اُس پر غضبناک نظر ڈالتا بھاگتے قدموں سے اوپر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”سلین دروازہ کھولیں۔“

ابہتاج نے دروازہ پیٹتے ساتھ اُسے آواز دی تھی۔ مگر اُس کے کافی دیر کو شش کرنے کے بعد بھی اندر ایسی ہی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ابہتاج کو فکر ہونے کے ساتھ ساتھ سُلین کے اس بچنے پر شدید غصہ بھی آرہا تھا۔ سُلین کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اگر کہیں زیادہ بگڑ جاتی تو۔

ملازمہ کے ڈوپلیکیٹ کیز لا کر دینے پر ابہتاج فوراً دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا تھا۔ جہاں صوفے پر خوفزدہ سی بیٹھی سُلین کو بالکل ٹھیک دیکھ ابہتاج کی سانس میں سانس آئی تھی۔ جبکہ سُلین اُسے دیکھ کر مزید خوفزدہ ہو چکی تھی۔ اُس کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔

ابہتاج کو اپنے قریب آتا دیکھ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”آپ نے دروازہ کیوں لا ک کیا۔ آپ جانتی ہیں میں کتنا پریشان ہو گیا تھا۔“

سُلین کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے ابہتاج نے انگوٹھے سے اُس کا گال سہلایا تھا۔ وہ اپنے حوالے سے اُس کا خوف کم کرنا چاہتا تھا۔

”دور رہیں۔ آپ بہت بُرے انسان ہیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ ڈر لگ رہا ہے مجھے آپ سے۔ میں آپ کو اپنے ساتھ ویسا بُرا سلوک نہیں کرنے دوں گی۔ جیسا آپ نے اُس لڑکی کے ساتھ کیا۔ میں سُلین حبیب ہوں نہیں ڈرتی کسی سے۔“

سُلین نے یہ آخری الفاظ لرزتے کپکپاتے لہجے میں کہا تھا۔ اُس کا انداز ہی ظاہر کر رہا تھا۔ کہ وہ کس قدر خوفزدہ تھی اُس سے۔ اُس کے سخت الفاظ پر ابہتاج کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔ سُلین کو اُس کی مسکراہٹ سے بھی اب خوف آنے لگا تھا۔ یہ اُسے خود میں جکڑ لیتی تھی۔ وہ اس ساحر کے طلسم میں قید نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"تھینکس بتانے کے لیے۔ مگر یہ بات میں پہلے سے جانتا ہوں، بہت بُرا انسان ہوں میں۔ پر اب کیا ہو سکتا۔ اب تو میں صرف تمہارا ہو چکا ہوں۔ اگر اس طرح خوفزدہ ہونے کی بجائے مجھے سدھارنے کی کوشش کرو گی۔ تو ساری زندگی احسان مند رہوں گا تمہارا۔"

ابہتاج نے اُس کے بالوں سے کیچر نکالتے اُس کی حسین زلفوں کو آبشار کی طرح کندھوں پر پھسلتے دیکھا تھا۔ سُلین اُس کی حرکت اور الفاظ کی نوعیت سمجھتی مجسمے کی طرح اپنی جگہ سن سی کھڑی رہ گئی تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ کیسا حیوانوں جیسا بی ہو کر رہا تھا۔ اور اب ایک نرم مزاج محبت کرنے والے انسان میں ڈھل چکا تھا۔ یہ شخص کون تھا؟ کس ہنر سے واقف تھا آخر؟

اس کے پھونکے جانے والے سحر سے نکل پانا سُلین کو ناممکن لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا کہیں یہ بُرا انسان اچھا تو نہیں لگنے لگا گیا۔"

ابہتاج نے سرگوشی نما آواز میں اُس کے کان کے قریب جھکتے گہرا سانس اندر کھینچتے اُس کے بالوں سے اُٹھتی مہک سے اپنی سانسیں معطر کی تھیں۔ سُلین اُس کی گرم سانسیں اپنی گردن پر محسوس کرتی جی جان سے لرز اُٹھی تھی۔ اُسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔ کہ ہر ٹائم چہرے پر سرد تاثرات سجائے رکھنے والا شخص ایسی حرکتیں بھی کر سکتا ہے۔

"پلیز۔۔۔ دور رہیں مجھ سے۔۔۔ آپ اس طرح میرے قریب نہیں آسکتے۔ یہ نکاح صرف مجبوری اور ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔ جو بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ آپ کے پاس کوئی حق نہیں ہے اس طرح میرے قریب آنے کا۔"

سُلیمن اُس کی بے باک نظروں کا فوکس اپنے ہونٹوں پر محسوس کرتی اب کی بار خاموش نہیں رہ پائی تھی۔ پوری ہمت مجتمع کرتے اُس سے دور ہونے کی کوشش کرتی بول گئی تھی۔ اُسے اس شخص سے کسی بھی بات کی اُمید نہیں تھی۔ یہ کبھی بھی کچھ بھی کر سکتا تھا۔

اُس کی بات ابھی ختم ہی ہوئی تھی۔ جب ابہتاج نے اُسے کلائی سے دبوچتے پورا اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ سُلیمن کٹی پتنگ کی طرح اُس کی بانہوں کا حصہ بنی تھی۔

ابہتاج اُسے اچھے سے سمجھانا چاہتا تھا۔ اُسے خود سے دور رہنے کا بول کر وہ بہت بڑی غلطی کر گئی ہے۔

"میں تم پر کتنا حق رکھتا ہوں۔ یہ بات لگتا ہے تمہیں خود ہی باور کروانی پڑے گی مائی لو۔ ہمارے نکاح میں صرف ایک ہی شرط رکھی گئی تھی۔ یہ پر اہلم ختم ہوتے ہی میں تمہیں تمہاری مرضی کے مطابق آزاد کر دوں گا۔ اس کے علاوہ تو میرے خیال میں کوئی شرط نہیں رکھی گئی۔ یہ تو بالکل بھی نہیں، کہ میں اپنی وائف سے پیدا نہیں کر سکتا۔ اپنا حق استعمال نہیں کر سکتا۔ سو میری شدتیں سہنے کے لیے خود کو تیار کر لو۔"

سُلیمن کے ہونٹوں کے اوپر حصے پر موجود لرزتے سہمے ہوئے تل کو سہلاتے وہ اُس کی دھڑکنیں منتشر کر گیا تھا۔

"دل بیٹا آپ بھی لو نا کچھ۔"

رقیہ بیگم چاشنی بھرے لہجے میں دل سے مخاطب ہوئی تھیں۔ جسے پہلے ہی زورین کی جانب سے شاک پر شاک مل رہا تھا۔
رقیہ بیگم کے لہجے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔

اوپر کمرے میں سب کے سامنے زورین اُسے اتنی عزت سے لایا ہی تھا۔ مگر ڈائمنگ ٹیبل پر آکر بھی زورین شاہ نے پہلے اُس کے لیے کرسی کھینچی تھی۔ پھر وہ خود بیٹھا تھا۔ دل کے لیے یہ عام بات بالکل نہیں تھی۔ وہیں باقی سب بھی اُس کی قسمت پر رشک کیے بنا نہیں رہ سکی تھیں۔ اُس کی ساری کزنز زورین کے اُس کے ساتھ رویے پر بہت خوش تھیں۔ دل نے بھی اُن کی غلط فہمی دور نہیں کی تھی۔ وہ اپنے دکھ ہمیشہ اپنے اندر ہی رکھنے کی عادی تھی۔ کسی کو ان میں شریک کر کے ہمدردی بٹورنا اُسے پسند نہیں تھا۔

رقیہ بیگم کی بات پر دل نے مسکرا کر پلیٹ میں تھوڑا سا کھانا ڈال لیا تھا۔ اُسے تو خود پر ہی ہنسی آرہی تھی۔ جس کا قسمت نے مذاق بنا کر رکھ دیا تھا۔ اُس کے گھر والے اُس سے پیار کا نائک کر رہے تھے زورین کو دیکھانے کے لیے۔ اور زورین نائک کر رہا تھا اُس کے گھر والوں کو دیکھانے کے لیے۔ جبکہ حقیقت میں دونوں کے لیے ہی وہ برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اُس کے ہونے نہ ہونے سے دونوں کو رتی برابر فرق نہیں پڑتا تھا۔

اپنی بے وقعتی کے خیال سے دل کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے تھے۔ اُس نے ہمیشہ یہی دعا کی تھی۔ اُس جیسی قسمت خدا دشمنوں کو بھی نہ دے۔

دل نے اپنی لامحدود سوچوں سے نکلتے اُس کی نظر اپنے موبائل کی سکرین پر پڑی تھی۔

تقی صبح سے اُسے عجیب و غریب میسجز کر رہا تھا۔ دھمکی آمیز، اُس کی سچائی زورین کے سامنے کھول دینے کی دھمکی۔

اس وقت تقي کے يهاں آجانے کا سوچ دل کی حالت غير ہوئی تھی۔ تقي جيسے گھٹيا شخص سے وہ کسی بھی بات کی توقع کر سکتی تھی۔ زورين شاه کے اتنے بُرے رویے کے باوجود بھی اب اُس کا دل زورين سے رشتہ ختم ہو جانے کا سن کر عجيب بے چين سا ہو جاتا تھا۔ وہ اُسی کے ساتھ رہنے کا تمنائي بن چکا تھا۔ چاہے زورين شاه کے آگے اُس کی اہميت صفر ہی کیوں نہ ہوتی۔

”دل تمہاری طبيعت تو ٹھيک ہے نا۔“

زورين دل کا زرد پڑتا چہرہ اديکھ حقيقت ميں پریشان ہوا تھا۔ باقی سب نے بھی دل کی جانب ديکھا تھا۔

”نہیں ميں بالکل ٹھيک ہوں۔“

دل نے سب کو يوں اپنی جانب متوجہ ہوتا ديکھ فوراً چہرے پر مسکراہٹ سجاتے تاثرات نارمل کيے تھے۔

دل کچھ دير بعد گھٹن کے احساس سے نا محسوس طريقے سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ باہر لان ميں کھلی فزا ميں آتے اُس نے اپنی بو جھل ہوتی سانس ميں بحال کرنی چاہی تھیں۔ مگر گيٹ سے انڑ ہوتے تقي کو ديکھ اُس کی سانس ميں رُک گئی تھیں۔ تقي کی نظر بھی اُس پر پڑ چکی تھی۔ وہ آنکھوں ميں کمينگی بھری مسکراہٹ بھرے اُس کی طرف قدم بڑھا گیا تھا۔

”ارے میری پياری کزن گھر آئی ہوئی ہے اور مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔ لگتا ہے ايک دن بھی میرے بغير نہیں رہ سکی تم۔“

تقي اُس کو سر سے لے کر پير تک ديکھتا طنز يا لہجے ميں بولا تھا۔

”تمہیں تکليف کيا ہے۔ شادی شدہ ہوں ميں اب۔ اب تو میری جان چھوڑ دو۔ تم تو پہلے ہی بے غيرت تھے۔ مگر اب تو لگتا ہے رہی سہی بھی ختم ہو چکی ہے تم ميں۔“

دل نے اپنا لہجہ کمزور نہیں پڑنے دیا تھا اُس کے سامنے۔ اگر تقی کو محسوس ہو جاتا کہ وہ خوفزدہ ہے تو تقی نے اُسے مزید بلیک میل کرنا تھا۔

"پہلے سے کہیں زیادہ ہمت آگئی ہے تم میں۔ زورین شاہ سے شادی کر کے۔ مگر ایسے رئیسوں کے بل بوتے پر اتنا نہیں اچھلنا چاہیے۔ یہ کچھ دن دل بہلا کر واپس اصلی اوقات تک پہنچا دیتے ہیں۔"

تقی کو اُس کا لہجہ سخت ناگوار گزرا تھا۔

"تم چاہتے کیا ہو۔"

دل سمجھ گئی تھی۔ اُس کے دماغ میں کچھ تو چل رہا ہے۔

"پانچ لاکھ۔۔۔۔۔ براپیسہ ہے نا تمہارے شوہر کے پاس۔ اپنے کزن کی اتنی مدد تو کر ہی سکتی ہو۔ اُس کی دولت کے خزانوں میں زرا فرق نہیں پڑے گا۔ اتنی چھوٹی رقم نکلنے سے۔"

تقی کے لالچی انداز پر اُس کا دل چاہا تھا۔ اس بیچ کا منہ توڑ دے

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔"

دل نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"تمہیں ایسا کرنا پڑے گا۔ ورنہ میں تمہارے شوہر کو تمہاری ساری سچائی بتا دوں گا۔"

تقی اُس کے صاف انکار پر غصے میں آتا اُس کی جانب بڑھا تھا۔

"کیسی سچائی۔۔۔۔۔"

اپنے پیچھے سے آتی آواز اور تلقی کے جامد ہوتے قدم دیکھ دل نے زور سے آنکھیں میچ لی تھیں۔
”نہیں وہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم تو ویسے ہی۔۔۔۔“

تلقی کو بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔ کہ زورین بھی یہاں آیا ہوا ہے۔ زورین کے خطرناک تیور اُسے اچھا خاصہ خوفزدہ کر گئے تھے۔ جیسا کچھ دیر پہلے وہ دل کے ساتھ کر رہا تھا۔
”دل گاڑی میں جا کر بیٹھو۔“

زورین کے سر دلچے پر دل کا خون خشک ہوا تھا۔ وہ اندازہ نہیں لگا پارہی تھی۔ کہ زورین نے پوری بات سنی تھی۔ یا یہ شدید ری ایکشن صرف آخری بات پر تھا۔
”زورین میری بات۔۔۔۔۔“

دل ہولے سے منمنائی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہیں پیچھے سے تلقی اُسے ساری حقیقت نہ بتا دے۔
”میں نے کہا تم گاڑی میں جا کر بیٹھو۔“

زورین اُس کی بات کا ٹٹا سخت لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔ دل خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔
گاڑی کا رخ دوسری جانب تھا۔ اس لیے وہ چاہ کر بھی نہیں دیکھ پائی تھی۔ کہ زورین نے تلقی کے ساتھ کیا کیا تھا۔
دس منٹ بعد زورین اُس کے برابر ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھتا گاڑی فل سپیڈ میں گیٹ سے باہر نکال لایا تھا۔ زورین کے خطرناک تیور دیکھ دل میں کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں رہی تھی۔

وہ کھڑکی کے ساتھ چپک کر بیٹھتی باہر اندھیرے میں نظریں گاڑھ گئی تھی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا۔ اب اُس کی زندگی پہلے سے بھی ٹُف ہونے والی تھیم کیونکہ زورین نے خود اُسے بتایا تھا۔ وہ ایسی باتوں پر کبھی نہیں بخشتا تھا۔



"پپ پلیرز۔۔۔ م مجھے۔۔۔ مجھے کچھ وقت چاہئے میں ابھی مینٹلی طور پر اس رشتے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یہ۔۔۔۔۔ سب بہت جلد بازی میں۔ ایکسیپٹ نہیں کر پار ہی اسے۔"

سُلین کو اس وقت نجات کے لیے اس بات کے علاوہ اور کوئی ریزن دماغ میں نہیں آیا تھا۔ وہ بس فل وقت ابہتاج کو کوئی بھی پیش قدمی کرنے سے روکنا چاہتی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اُس نے ابہتاج کا جو روپ دیکھا اُس کی بعد تو دل میں اس انسان کے لیے تھوڑی بہت فیئلنگز ہونے کے باوجود وہ اُس سے کوئی بھی تعلق استوار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اوکے۔ جتنا وقت چاہتی ہیں آپ لے سکتی ہیں۔ مگر اُس کے بعد ان آنکھوں میں میرے لیے اس خوف کی جگہ محبت بھرے جذبات ہونے چاہئے۔"

ابہتاج نے سُلین کی دونوں حیرانی بھری آنکھوں پر باری باری لب رکھتے محبت پاش لہجے میں کہا تھا۔ جس انسان کا ہمیشہ اُس نے سرد اور بے حسی بھرا انداز دیکھا تھا۔ آج اُس کا یہ محبت سے لبریز روپ سُلین کے لیے حیران کن تھا۔

اُس کی شدت بھرے لمس پر سُلین کی جان ہوا ہو چکی تھی۔ اُس کا ابہتاج کی گرفت میں لرزتا وجود اب پوری طرح اُسی کے سہارے پر تھا۔ اگر ابہتاج اپنا حصار ہٹالیتا تو اُس نے فوراً گر جانا تھا۔

"نکاح کے فوراً بعد سٹامپ پیپر سائن کرنے کی شرط تھی۔ اور یہ بھی کہ وہ پیپر ز میرے حوالے کیے جائیں گے۔"

سُلین نے اُس کی پُر تپیش نظروں سے گھبرا کر جلدی سے اپنی بات بدل دی تھی۔

”میں آپ کے سامنے سائن کرنا چاہتا ہوں۔“

ابہتاج اپنی پاکٹ سے وہ پہ پیپر نکالتا ٹیبل کی جانب بڑھا تھا۔ سُلین کی آنکھوں کے سامنے سنگنیچر کر کے ابہتاج نے پیپر ز اُس کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

سُلین نے بہت غور سے پیپر پڑھا تھا کیونکہ اُسے ابہتاج کا اتنی تابیداری سے سائن کرنا تھوڑا مشکوک لگا تھا۔
”آپ کو کچھ دینا ہے میں نے۔“

ابہتاج جھک کر دراز سے کچھ نکالتا وہاں سے جاتی سُلین کی کلائی ایک بار پھر گرفت میں لیتے اُسے روک گیا تھا۔
”یہ کیا ہے۔“

لمبائی میں بنی مخملی ڈبیا اُس کے ہاتھ میں دیکھ سُلین نے سوالیہ نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔
”آپ کی منہ دیکھائی۔“

ابہتاج اُس میں سے ایک نازک سی بیش قیمت پائل نکالتے بولا تھا۔ جبکہ سُلین کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں۔ وہ خود سمجھ نہیں پار ہی تھی یہ انسان بھلا اُس کے بارے میں اتنا کیسے جانتا تھا کہ سُلین کو جیولری میں صرف پائل ہی پہنتی تھی۔ یہ اُسے بہت پسند تھی۔

”میں خود پہن لوں گی۔“

ابہتاج کو اپنے پیروں کی جانب جھکتا دیکھ سُلین فوراً پیچھے ہٹ گئی تھی۔

ابہتاج کو اُس کی یہ حرکت بالکل بھی اچھی نہیں لگی تھی۔

اگلے ہی لمحے اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے بیڈ پر بیٹھاتے ابہتاج پنچوں کے بل اُس کے سامنے بیٹھتے سُلین کا پیر تھام کر اپنے گھٹنے پر رکھا تھا۔

سُلین دم سادھے خاموشی سے اُس کا یہ عمل دیکھ رہی تھی۔ ابہتاج نے پائل اُس کے پیر میں پہناتے گہری نظروں سے سُلین کا گلہابی پڑتا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ جتنا بھی چھپانے کی کوشش کرتی مگر ابہتاج جان گیا تھا۔ کہ اُس کی موجودگی سُلین کو بہت افیکٹ کرتی تھی۔ اُس کے زرا سا قریب آنے پر سُلین کی لرزتی پلکیں اور گالوں کی سُرخی ابہتاج لغاری کو بہت کچھ باور کروا جاتی تھی۔

جو اُس کی وحشت زدہ ویران آنکھوں میں زندگی کا احساس جگانے کے لیے کافی تھا۔

”آج کا دن میری لائف کا حسین ترین دن ہے۔ کیونکہ آج میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی اس میں شامل ہو چکی ہے۔ جب تک ہم ساتھ ہیں میں آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔ آئی ریلی لویو۔“

سُلین کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگاتا وہ اُس کے گرد اپنے لفظوں کا جال بنتا، اُس جذبات سے گندھی نازک لڑکی کو اپنے ساتھ باندھ رہا تھا۔

ابہتاج اُس پر اپنا سحر پھونکتا وہاں سے جا چکا تھا۔

مگر سُلین کا دماغ مزید الجھ گیا تھا۔ ابہتاج کی آنکھوں میں موجود اپنے لیے محبت کو کوشش کے باوجود وہ جھٹلا نہیں پارہی تھی۔ اُن میں اُسے سچائی صاف نظر آرہی تھی۔ اُس کے ہر مشکل وقت میں یہی انسان اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اُس کے

لیے لڑنے آیا تھا۔ تو پھر وہ بنا ثبوت کہ ہر بات کا قصور وار اُسے کیسے ٹھہرا رہی تھی۔ سُلین کا دماغ جلدی سے چلنے لگا تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی۔ اگر واقعی اُس کا دشمن ابہتاج لغاری نہیں تھا تو پھر کون ایسا تھا۔ جو اُسے اور اُس کے بابا کو مارنا چاہتا تھا۔



”کون ہو تم لوگ۔ چھوڑ دو مجھے۔ میں نے بھلا کیا گاڑا ہے تمہارا۔“

اندھیرے کمرے میں اُس شخص کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ مگر کوئی سننے والا نہیں تھا۔ اُسے پیچھلے پانچ گھنٹوں سے بھوکا پیاسا یہاں پر باندھا گیا تھا۔

اب تو چلا چلا کر اُس کا گلا بھی رندھ چکا تھا۔

کافی دیر بعد دروازے پر ہوتی آہٹ پر اُس کے خوف میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ پتا نہیں آنے والے لوگ اُس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے۔

کمرے میں ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ صرف اُس کے سر کے اوپر ایک پیلا بلب لٹک رہا تھا۔ اسی لیے وہ آنے والے کو دیکھ نہیں پایا تھا۔ مگر بھاری قدموں کی چاپ اُسے مزید سہاگئی تھی۔

”کون ہو تم۔ کیوں لائے ہو مجھے یہاں۔“

وہ آدمی آنکھیں پھاڑ کر گھپ اندھیرے میں کھڑے شخص سے مخاطب ہوا تھا۔ قدموں کی چاپ سے وہ اتنا ہی اندازہ لگا پایا تھا۔ کہ وہ شخص اُس کے قریب آن کھڑا ہوا ہے۔

”اگر اپنی اور اپنے خاندان والوں کی سلامتی چاہتے ہو تو میری بات کا سچ اور سیدھا جواب دینا۔ ورنہ نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔“

اپنی گردن پر اُس شخص کی انگلیوں کا دباؤ محسوس کرتے اور منجمد کر دینے والے اِس سرسراتے لہجے پر اُسے اپنی سانسیں اٹکتی محسوس ہوئی تھیں۔

اُس کی آواز ہی نہیں نکل پار ہی تھی۔ جب اگلے سوال پر اُسے لگا تھا۔ پوری دنیا اُس کی نظروں میں گھوم گئی ہو۔

”ہمایوں اور اُس کی بیوی کے ساتھ کیا کیا تھا تم نے۔ کہاں ہیں وہ لوگ۔“

اُس کا دماغ اِن الفاظ پر بالکل چکر اگیا تھا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔ میں قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔ میں اُن لوگوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

اُس نے گڑ گڑاتے نفی میں سر ہلاتے انکار کیا تھا۔ گردن پر بڑھتا اُس شخص کے ہاتھ کے دباؤ پر اب اُس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

”میں نے کہا تھا جھوٹ مت بولنا مجھ سے تم ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“

اُس شخص نے گردن بالکل دبا دی تھی۔ جب وہ تڑپتا ہاتھ پاؤں مارتا اُسے اب بتانے کو تیار ہو گیا تھا۔ وہ پھولی سانسوں کے ساتھ اُس کے ہر سوال کا جواب دینے لگا تھا۔

★★★★★★

سُلمین کو ملازمہ سے ہی پتا چلا تھا۔ کہ ابہتاج اِس وقت جم میں ہے۔ اِس لیے وہ اُس سے سامنا کیے بغیر جلدی سے ریسٹورنٹ کے لیے نکل جانا چاہتی تھی۔ کہ کہیں وہ پھر نہ ہوئی رول لاگو کر دے۔

رات اُس کے روم سے جانے کے بعد سے اُن دونوں کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی ابہتاج گھر میں موجود ہی نہیں تھا۔ یا ویسے ہی اُس کے روم میں نہیں آیا تھا۔

لیکن کل والی لڑکی کے بارے میں جاننے کا تجسس ابھی بھی سُلین کے اندر موجود تھا۔ اور کہیں نہ کہیں تھوڑی بہت جلن بھی۔ وہ ابہتاج سے خوفزدہ ہونے کے باعث وہ پوچھ نہیں پائی تھی۔

باہر کی جانب قدم بڑھاتے کچھ سوچ کر وہ واپس پلٹی تھی۔ کچن کی جانب جاتی رضیہ اُس کے پکارنے پر جلدی سے اُس کے قریب آئی تھی۔

"وہ لڑکی کون ہے جو کل یہاں آئی تھی۔ جس کے بعد سے تمہارے صاحب بہت سخت غصے میں آگئے تھے۔"

سُلین کچھ دیر نرمی سے اُس سے گفتگو کرنے کے بعد اصل بات کی جانب آئی تھی۔ جسے سنتے رضیہ کی رنگت بدلی تھی۔ اُس نے چونک کر سُلین کی جانب دیکھا تھا۔ سُلین جو بہت غور سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اُس کے اس طرح بوکھلانے پر سُلین سمجھ گئی تو کہ وہ اُس لڑکی کے بارے میں سب جانتی ہے۔

"بیگم صاحبہ ہم تو ملازم ہیں ہمیں معلوم یہاں کون لوگ آتے جاتے ہیں۔"

رضیہ نے سنبھلتے جواب دیا تھا۔

"آپ مجھ پر ٹرسٹ کر کے بتا سکتی ہیں۔ میں پر امس کرتی ہوں ابہتاج کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔ مگر میں اُن کی لائف کے بارے میں سب جاننا چاہتی ہوں۔ بہت محبت کرتی ہوں اُن سے۔ اُنہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے آپ کی ہیلپ کی ضرورت ہے۔"

سُلیں تو اب اُس سے پوچھنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ اس لیے چہرے پر ابہتاج کے لیے فکر ظاہر کرتے اُس نے ملازمہ کو نرم کر کے بات نکلوانی چاہی تھی۔

ملازمہ کشمکش کا شکار ہوئی اُسے دیکھے گئی تھی۔

”تم اچھے سے سوچ لو۔ اس میں تمہارے صاحب کی ہی بھلائی ہے۔“

سُلیں اُس کے ہاتھ میں کچھ پیسے تھماتی اُس سے بات اُگلوانے کا ہر حربہ آزماتی وہاں سے نکل آئی تھی۔ اُس کے لیے ابہتاج کا سچ جاننا بہت ضروری تھا۔

★★★★★★

”مجھے بات کرنی ہے آپ سے۔“

دل آفس کے لیے تیار ہوتے زورین کے قریب آتے بولی۔ اُنکی چٹختے وہ زورین کو پریشان سی لگی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی لگاتے اُس نے مرر سے ایک نظر دل پر ڈالی تھی۔ پیرٹ کلر کے کپڑوں میں بالوں کی چٹیا کیے وہ چہرے پر گرتی لٹوں کو بار بار کانوں کے پیچھے اڑتی اُسے اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی۔

”میرے پاس تمہارے خاندان کی کہانیاں سننے کے لیے ٹائم نہیں ہے۔“

زورین اپنا کوٹ اٹھاتے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اُس کے انداز پر دل کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔ پہلے بھی وہ اُس کے لیے کوئی خاص اہمیت کی حامل نہیں تھی۔ مگر کل واپسی کے بعد سے تو وہ اُس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ دل کو لگا رہا تھا وہ تقی کی کسی گھٹیا بات پر یقین کر چکا ہے۔ دل کو زورین پر غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ اُس نے ایک بار بھی اُس سے کچھ کیوں

نہیں پوچھا تھا۔ ایک بار اُس نے یہی سوچا تھا۔ اس شخص کو اسی کے حال پر چھوڑ دے۔ مگر پھر نجانے دل کیوں سکون میں نہیں آ پارہا تھا۔ جب تک وہ اُس سے کلیئر نہ کر لے۔

دل سیڑھیاں اُتر کر نیچے آگئی تھی۔ جہاں اُس کی بات سنے بغیر عجلت میں آنے والا اب بہت ہی آرام سے میرا کے پاس صوفے پر بیٹھا اُس کی باتیں سن رہا تھا۔ دل کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر نیچے گال پر پھسل آیا تھا۔ جسے وہ بے دردی سے صاف کرتی چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے میرا کے بلانے پر اُن کے قریب آئی تھی۔

میرا بہت ہی پیاری بچی تھی۔ دل سے ایک دن میں ہی کافی اٹیچ ہو گئی تھی۔

"ماما آپ جانتی ہیں میرے بابا کتنے اچھے ہیں۔"

میرا کے اس طرح ماما کہنے پر زورین نے سخت نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ اُس کے چہرے سے ظاہر تھا۔ اُسے یہ بات کتنی ناگوار گزری ہے۔ اُسے یہی لگا تھا یہ ماما لفظ دل نے خود کہلوا یا ہے میرا سے۔ جبکہ دل کے لیے تو خود یہ بات نئی تھی۔

"جی بہت اچھے ہیں۔"

دل اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر قریب بیٹھتی زورین پر ایک ناراضگی بھری نظر ڈال کر بمشکل جواب دے پائی تھی۔ زورین کے بھی دیکھنے کا انداز کچھ ایسا ہی تھا۔ میرا کی موجودگی کی وجہ سے وہ دونوں زبان سے کچھ بھی نہیں بول پارہے تھے۔ میرا زورین کا گال چومتی اپنی سکول وین آجانے ملازمہ کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔

”صرف نام دے دینے سے رشتہ نہیں بن جاتا۔ تم اُس کی ماں نہیں ہو اس لیے بننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میری بیٹی سے دور رہنا۔“

زورین کافی روڈ لہجے میں دل کو وارن کرتے بولا تھا۔ جس پر اب کی بار دل بھی خاموش نہیں رہ پائی تھی۔

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے۔ آپ جیسے خود غرض اور خود پسند انسان کے رشتوں کو نبھانے کا۔ میں نے میرا کو یہ بولنے کو نہیں کہا۔ نہ ہی میں جانتی ہو اُسے کس نے ایسا بولنے کو کہا ہے۔“

دل بات کرنے کے دوران چاہنے کے باوجود آنکھوں میں آئی نمی چھپا نہیں پائی تھی۔ جبکہ اُس کے الفاظ زورین کو مزید غصہ دلا گئے تھے۔

”اگر میں خود غرض ہوتا تو کل اپنا اتنا وقت تمہارے اُن فضول رشتہ داروں میں ضائع نہ کرتا۔ میرا مجھے بہت زیادہ عزیز ہے۔ اُس سے بڑھ کر اس دنیا میں میرے لیے کوئی نہیں ہے۔ اُس سے دور رہنا، تم اس گھر میں صرف ایک شو پیس کے طور پر لائی گئی ہو۔ اُس سے زیادہ کچھ بننے کا سوچنا بھی مت۔“

زورین درمیان موجود دو قدموں کا فاصلہ بھی طے کرتا اُس کے انتہائی قریب آتا ایک ایک لفظ چبا کر بولتا اپنی نظروں میں اُس کی اوقات واضح کر گیا تھا۔ دل نے چہرہ اٹھا کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ جو غصہ برساتی نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔ دل سمجھ نہیں پار ہی تھی۔ بغیر کسی وجہ کہ بھلا کوئی کسی کو اتنا ناپسند کیسے کر سکتا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب کھڑے نظریں ملائے ایک اُن دیکھی آگ میں جل رہے تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی اندرونی کیفیت سے انجان تھے۔

”آہم آہم۔۔۔ لگتا ہے میں غلط وقت پر آگئی۔“

منزہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی اُن دونوں کو دیکھ کچھ اور ہی اخذ کرتی خوشگواریت سے بولی تھی۔
دل کے لال چہرہ پر اُس ایک معنی خیز نظر ڈال کر اُس نے زورین کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔
”اوپلیز منزہ۔۔۔۔۔ ڈونٹ بی سو سلی۔“

زورین اُس کو بھی غصے سے جھاڑتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ جبکہ منزہ نے اُس کے شدید ری ایکشن پر حیرت سے پلٹ کر دل کی جانب دیکھا تھا۔ جو خاموش نظروں سے اُس کی جانب دیکھتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

★★★★★★

”ہم نے یہ سب کر کے سُلیم کو ابہتاج سے بدگمان کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ تو ہم سے ہی کھیل گیا۔“
قاسم کو جب سے ابہتاج اور سُلیم کے نکاح کا پتا چلا تھا۔ وہ تب سے ایسے ہی غصے سے پاگل ہوا پھر رہا تھا۔
”ہم سے ہی بھول ہوئی ہے۔ ہم نے ابہتاج لغاری کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہونے کے بعد بھی ایسا کچا کام کیا۔ ہمیں پہلے ہی سُلیم کو اغوا کر لینا چاہیے تھا۔ جس کے بعد سونے کی چڑیا تو ہمارے قبضے میں ہوتی ہی۔ اُس کا دیوانہ بھی ہمارے قدموں میں آجاتا۔ ابہتاج لغاری کی ایک کمزوری اگر سُلیم حبیب ہے تو دوسری اُس کا بے پناہ غصہ ہے۔ جس میں آکر آج تک اُس نے اپنی زندگی تباہ ہی کی ہے۔“

گلشن بیگم بھی قاسم کی طرح شدید پچھتاوے کا شکار تھی۔

"اب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ سُلین کے قریب رہ کر تم اُسے ابہتاج کی ساری سچائی بتا کر اُس کے خلاف بدگمان کرو۔ میں اچھے سے جانتی ہوں۔ یہ سن کر کے ابہتاج لغاری قاتل ہے اور وہ جیل کاٹ کر آیا ہے۔ سُلین ایک پل بھی ضائع کیے بغیر اُسے چھوڑ دے گی۔"

گلشن آرقاسم کو اپنا نیا پلان سمجھاتے بولی تھیں۔ اُن کا سب سے پہلا مقصد سُلین اور ابہتاج کو ایک دوسرے سے الگ کر کے کمزور کرنا تھا۔ جس کے لیے کی جانے والی اُن کی پہلی کوشش ابہتاج سُلین کو اپنے نکاح میں لے کر ناکام بنا چکا تھا۔

★★★★★★★★

"واٹ دل گھر سے مسنگ ہے۔ ایسا بھلا کیسے ہو سکتا۔"

زورین ابھی میٹنگ روم سے نکلا تھا۔ جب منزہ کی کال پر دی جانے والی اطلاع نے اُس کا دماغ گھما دیا تھا۔

"ہاں میں پورے گھر میں تلاش کر چکی ہوں اُسے۔ وہ کہیں نہیں ہے۔ ابھی وائچ مین نے بتایا ہے۔ کہ دل کو باہر جاتے دیکھا ہے اُس نے۔"

منزہ کی آواز سے پریشانی صاف چھلک رہی تھی۔

"اپنے اُن فضول قسم کے رشتہ داروں کے پاس ہی گئی ہو گی۔ اور کہاں جاسکتی بھلا۔ تم اُدھر کال کر کے پتا کر لو۔"

زورین نے اُسے مشورے سے نوازتے فون بند کرنا چاہا تھا۔

"وہ وہاں پر بھی نہیں ہے۔ تم سے پہلے میں اُدھر کی کال کر کے بہانے سے پوچھ چکی ہوں وہ نہیں ہے وہاں۔ سچ بتاؤ ابھی صبح ڈانٹ رہے تھے نا تم اُسے۔ اتنی معصوم اور پیاری سی تو ہے وہ۔ اُس کے ساتھ اتنی زیادتی کیوں کر رہے ہو۔ مجھے تو اپنا آپ مجرم لگ رہا ہے۔ بہت غلط کیا میں نے اُس کی تم سے شادی کروا کے۔"

منزہ اُس کا اب بھی اتنا لا پرواہ انداز دیکھ بھڑک اُٹھی تھی۔

"تھینک گارڈ تمہیں احساس ہوا کہ تمہارا میرا شادی کروانے کا فیصلہ کتنا غلط تھا۔ زیادتی میں نہیں تم نے کی ہے، اپنی اُس معصوم لڑکی سے۔ تم مجھے اچھے سے جانتی تھی۔ میں ہمیشہ سے ایسا ہی بد لحاظ اور احساس سے عاری انسان ہوں۔ اب بھگتو تم خود ہی۔"

زورین غصے سے اُسے جواب دیتا فون بند کر کے ٹیبل پر پٹخ گیا تھا۔

اپنی پیشانی مسلتے وہ لیپ ٹاپ کھول کر کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ مگر وہ کوشش کے باوجود کنسنٹریٹ نہیں کر پایا تھا۔ اندر کہیں دل میں بے چینی سی سر اٹھانے لگی تھی۔ جسے وہ چاہنے کے باوجود دبا نہیں پارہا تھا۔

"آخر کہاں گئی ہو گی وہ بے وقوف لڑکی۔"

زورین گاڑی کی چابیاں لے کر اٹھا ہی تھا۔ جب ڈرائیور کی آتی کال پر وہ فوراً الرٹ ہوا تھا۔

"سر وہ بیگم صاحبہ میرے ساتھ قبرستان پر آئی تھیں۔ مگر پچھلے ایک گھنٹے سے میں انتظار کر رہا ہوں اُن کا۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آئیں۔ میں اندر جا کر بھی دیکھ آیا ہوں۔ مگر وہ کہیں نہیں ہیں۔"

ڈرائیور کی تشویش زدہ آواز سن کر اب حقیقت میں زورین کو فکر ہوئی تھی۔

اُسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔ کہ اُس کی کہی باتوں کا وہ اتنا اثر لے گی۔ وہ ڈرائیور کو ہدایت دیتا باہر نکل گیا تھا۔



”صبا قاسم صاحب کو میرے آفس میں بھیجیں۔“

سُلین انٹرکام پر صبا کو ہدایت دیتی فون بند کر گئی تھی۔ اُن تصویروں والے سکینڈل نے اُس کے ریسٹورنٹ کو بہت متاثر کیا تھا۔ بہت سارے کلائنٹس جو اپنے ایونٹس ہمیشہ اسی ریسٹورنٹ میں کرواتے تھے۔ وہ اپنی آگے کی بکنگز کینسل کروا چکے تھے۔ سُلین کے لیے یہ بہت تشویش کی بات تھی۔

وہ ابھی فائلوں پر جھکی انہی پر ابلمز میں الجھی ہوئی تھی۔ جب درازہ کھلنے اور بند ہونے کے ساتھ اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔

”قاسم صاحب بغیر بتائے کہاں غائب تھے آپ۔“

سُلین یہی سمجھی تھی قاسم ہے۔ وہ فائلز پر جھکی مصروف سے انداز میں مخاطب ہوئی تھی۔ مگر قدموں کو ٹیبل کے اُس پار رُکنے کے بجائے قریب آتا دیکھ اور اپنے ارد گرد بکھرتی خوشبو پر اُس نے جھٹکے سے سر اٹھا کے اوپر دیکھا تھا۔ پاس کھڑے ابھتاج لغاری کو اپنی جانب گہری نظروں سے دیکھتا پا کر سُلین کا دل زور سے دھڑک اُٹھا تھا۔ وہ اسی شخص سے فرار ہو کر اتنی جلدی آفس آگئی تھی۔ وہ یہاں بھی پہنچ گیا تھا۔

”گڈ مارننگ مائی لو۔“

ابہتاج نے اُس کی کرسی کا رخ اپنی جانب موڑتے جھک کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔ سُلین نے اُس کی اس جسارت پر گڑبڑا کر سیدھا ہونا ہی چاہا تھا۔ جب ابہتاج اُس کی چیخِ زکے دنوں طرف ہاتھ رکھتا اُس کی جانب پوری طرح جھک آیا تھا۔ سُلین سانس روکے اُسے دیکھ رہی تھی۔ جس نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے اُسے کسی اور جانب دیکھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔

”میرے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہیں تو مجھ سے پوچھیں نا۔ میرے بچارے ملازمین کو آزمائش میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔“

ابہتاج آنکھوں میں استہزایہ مسکراہٹ لیے اُس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ سُلیم اُس کی بات پر خفت زدہ سی ہوتی چہرہ موڑ گئی تھی۔ کیونکہ ابہتاج اب وہی نوٹ اپنی پاکٹ سے نکال کر سُلیم کے ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔ جو سُلیم نے رضیہ کو آتے وقت دیئے تھے۔ سُلیم اپنی حرکت پر شدید پشیمان ہوئی تھی۔ اگر رضیہ نے اُسے یہ سب بتایا تھا تو محبت والی بات تو لازمی بتائی ہوگی۔ یہ سوچ دل میں آتے اُس نے چور نظروں سے ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔

”میں کچھ نہیں جانتا چاہتی۔“

سُلمین نے نظریں چراتے انکار کیا تھا۔

”آریو شیور۔۔۔۔۔“

ابہتاج نے ایک بار پھر تسلی کی تھی۔ سُلین نے جواب میں ہولے سے سر ہلادیا تھا۔ ابہتاج کی لوحِ دیتی نظروں سے اُسے اپنا آپ پگھلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

دروازے پر ناک ہوا تھا۔ سُلین نے گھبرا کر ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔ جو اُس سے پیچھے ہٹتا جانے کے بجائے سامنے پڑی کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

سُلین نے ایک نظر اُس کا شاہانہ انداز دیکھ باہر موجود نفوس کو اندر آنے کی پرمیشن دی تھی۔ اندر داخل ہوتے قاسم کو دیکھ ابہتاج کے چہرے کے تاثرات میں ایک دم برہمی آگئی تھی۔ جسے سُلین نے بہت غور سے نوٹ کیا تھا۔
"قاسم صاحب آپ پلینز بیٹھیں۔"

سُلین نے قاسم کو ابہتاج کے برابر والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔
"نو کروں کی اوقات مالکوں کے برابر بیٹھنے کی نہیں ہوتی۔"

ابہتاج نے قاسم کو کرسی کی جانب بڑھتا دیکھ کرسی کا ہی ٹانگ مار کر اُلٹ دیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں قاسم کے لیے نفرت کا الاؤں بھڑک رہا تھا۔ سُلین اُس کے ایسے ری ایکشن پر گھبرا کر اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔ اُس نے ابہتاج کو اپنے ملازمین کے ساتھ بہت اچھے سے پیش آتے دیکھا تھا۔ پھر اُسے بھلا قاسم سے کیا پر اہلم تھی۔ سُلین کی الجھن میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ قاسم کی آنکھوں سے بھی ابہتاج کے لیے خون ٹپک رہا تھا۔ جو ابہتاج کی جانب متوجہ ہونے کی وجہ سے سُلین نہیں دیکھ پائی تھی۔

"ابہتاج یہ سب ----"

سُلین نے قاسم کی موجودگی کا خیال کرتے بہت نرمی سے ابہتاج کو مخاطب کیا تھا۔ جو ابھی بھی ویسے ہی ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے ریلیکس بیٹھا تھا۔

”ریلیکس مائی لو۔ کچھ لوگوں کو کبھی کبھی اُن کی اوقات یاد دلانی پڑ جاتی ہے۔“

ابہتاج پتا لگو اچکا تھا۔ اُن دونوں کی تصویریں بنوا کر بدنام کرنے کی کوشش کرنے والا قاسم ہی تھا۔ جس حرکت کی اُس نے ابھی قاسم کو کوئی سزا نہیں دی تھی۔ سُلین کا اپنے ہی مجرم کو اتنی عزت دیتا دیکھنا اُسے بالکل بھی ہضم نہیں ہوا تھا۔

”میم آئی تھنک ہم یہ بعد میں ڈسکس کر لیتے ہیں۔“

قاسم سُلین کے سامنے فلحال اپنا میج بالکل بھی منفی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اِس لیے ابہتاج کی طرف سے کی جانے والی اتنی بے عزتی کے بعد بھی اُس نے خود پر کنٹرول نہیں کھویا تھا۔

”ایک منٹ مسٹر قاسم علی۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے جانے کی۔ مینیجر ہونا تم اِس ریسٹورنٹ کے تو اپنے نیو باس سے ملتے جاؤ پہلے۔ اور باقی سٹاف سے بھی متعارف کروادینا۔“

ابہتاج کی بات پر قاسم کے ساتھ ساتھ سُلین نے بھی ٹھٹھک کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ ابہتاج نے سُلین کو آنکھوں کے اشارے سے فل وقت چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ جبکہ قاسم خاموش نظروں سے ابہتاج کی چلی جانے والی چاک سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ابہتاج ہاتھ بڑھا کر سُلین کے ٹیبل پر پڑی بیل بجائی تھی۔ جس کے اگلے ہی لمحے دروازہ کھولتے پینٹ کوٹ میں ملبوس ایک انتہائی سٹائلش سی لڑکی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اندر داخل ہوتی ابہتاج کے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔

سُلین کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ ابہتاج آخر کرنا کیا چاہتا ہے۔

"یہ ہیں تمہاری نیو باس۔ آج سے یہی اس ریسٹورنٹ کو اون کریں گی۔ یونو ہماری نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ ہم کچھ ٹائم ساتھ میں گزارنا چاہتے ہیں۔"

ابہتاج قاسم کی چھپ چھپ کر سُلین کا کاروبار ڈبونے کے لیے چلنے والی چالیں اُسی پر اُلٹ دی تھیں۔ سُلین اُس پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔ ابہتاج جانتا تھا اُس کے خلاف سُلین بنا کسی ثبوت کے کوئی بات نہیں سنے گی۔ اس لیے اُس نے اپنی ایک بہت خاص دوست رمشا کو یہ کام سونپ دیا تھا۔ جو بزنس میں بہت ماہر تھی۔ اتنے سالوں سے ابہتاج کا سارا کاروبار اُسی نے نہ صرف بہت اچھے سے سنبھالا تھا۔ بلکہ دشمنوں کی سازشوں سے بچا کر اُسے ترقی کی منزلیں بھی طے کروائی تھیں۔

"سُلین آپ یہاں سائن کر دیں۔"

ابہتاج نے رمشا کو یہاں کے ڈائریکٹر کی پوسٹ پر فائز کیا تھا۔ جبکہ سُلین سی ای او کی پوسٹ پر تھی۔ سُلین ابہتاج کا خود ہی اتنا بڑا فیصلہ کرنے پر اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی تھی۔ مگر یوں سب کے سامنے سائن کر کے انکار کر کے وہ اُسے شرمندہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے خاموشی سے سائن کر دیئے تھے۔ اُسے اس طرح ایک بار کے کہے پر سائن کر تا دیکھ ابہتاج کو اپنی کیوٹ سی بیوی پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ جو غصے سے بھرے لال گالوں کے ساتھ بھی اُس کی بات مان گئی تھی۔ وہی دوسری جانب قاسم کو آگ لگ چکی تھی۔

وہ سُلین کو اتنے ٹائم سے بے وقوف بناتا آیا تھا۔ اُس کے قریب رہ کر اُس کے آفس اور گھر پر پورا کنٹرول بھی رکھا تھا۔ مگر اب رمشا جیسی شاطر لڑکی کے ہوتے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ اس نے تو انویسٹی گیٹ کر کے اُس کا سارا کچا چھٹا کھول کر سامنے رکھ دینا تھا۔

”رمشا مجھے پورا یقین ہے۔ تم اس ریسٹورنٹ کو ویسے ہی سنبھالو گی جیسے تم نے میرے بزنس کو سنبھالا۔ دشمنوں کی پے در پے سازشوں کے باوجود۔“

ابہتاج رمشا کے مقابل آتا نہایت ہی فخریہ لہجے میں بولا تھا۔ اتنی نرمی سے سُلین نے اُسے صرف اپنے ساتھ ہی بات کرتے دیکھا تھا۔ کسی اور کو ابہتاج کے نزدیک اپنے جیسا مقام ملتا دیکھ سُلین کو بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ ہونٹ بھیجنے اُسے دیکھے گئی تھی۔ ابہتاج کو رمشا سے مصافحہ کرتا دیکھ اُسے مزید آگ لگی تھی۔

اُسے کسی مرد کے سامنے دیکھ کر بھی محترم غصے سے پاگل ہو اُٹھتے تھے۔ مگر خود نجانے کون کون سی لڑکیوں کو جانتے تھے۔ اُس دن وہ روتی پیر پکڑتی لڑکی اور آج یہ رمشا جسے وہ بے انتہا یقین کا اظہار کر رہا تھا۔

”ابہتاج ڈونٹ وری اب میں سب سنبھال لوں گی۔ آپ لوگ بے فکر ہو کر انجوائے کریں۔ ہیو آنالس ڈے۔“

رمشا خوش دلی سے بولی تھی۔ اُسے ابہتاج کی وائف بہت پسند آئی تھی۔

”سیم ٹویوڈیر۔“

ابہتاج کا لہجہ رمشا کے لیے شائستگی بھرا تھا۔ سُلین کا موڈ سخت آف ہو چکا تھا۔ جس کا اظہار اُس کا غصے سے متمتا چہرہ کر بھی رہا تھا۔

”چلیں۔“

ابہتاج نے سُلین کا نازک ہاتھ اپنی گرفت لیتے اپنے ساتھ آنے کو کہا تھا۔ جس پر وہ اُسے خفگی سے گھورتی مگر ساتھ چل پڑی تھی۔

”مسٹر قاسم آپ پچھلے تین منتھس کی ساری فائلز میرے ٹیبل پر پہنچادیں۔“

رمشا قاسم کو آرڈر دیتی سُلین والی کرسی پر جا بیٹھی تھی۔

”اوکے میم۔“

قاسم رمشا کو خوشخوار نظروں سے دیکھتا باہر نکل گیا تھا۔ رمشا اُس کی اڑی رنگت دیکھ اپنی ہنسی نہیں روک پائی تھی۔

قاسم سُلین کو ابہتاج کے خلاف بدگمان کرنے کے لیے اُس کے قریب رہنا چاہتا تھا۔ مگر ابہتاج اُس کی ساری پلاننگ دریا میں اُنڈیل گیا تھا۔

”ابہتاج لغاری اور اپنی بیوی کے ساتھ باہر نکلا ہے۔ اُس پر حملہ کر دو۔ پر دھیان رکھنا وہ جان سے نہیں جانا چاہیے ابھی بہت سارا حساب کتاب رہتا ہے اُس سے۔ اور نہ ہی اُس کی بیوی کو کوئی خراش آنی چاہئے۔ جلد از جلد ابہتاج لغاری کی خون میں لت پت تصویر سینڈ کرو میں۔ میرے سینے میں لگی آگ اُسی سے ہی بجھ سکتی ہے“

قاسم باہر آکر فون پر اپنے خاص آدمی کو ہدایت دیتا زہر خند لہجے میں بولا تھا۔ ابہتاج لغاری کی ہر بار جیت نہیں ہو سکتی تھی۔

★★★★★★

”مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا۔ اس دنیا میں کوئی میرا اپنا نہیں ہے۔ سب لوگوں کے لیے میں صرف ایک کھلونا ہوں۔ جس

کا جب دل چاہتا ہے۔ میرے جذبات سے کھیل جاتا ہے۔ آپ لوگ کس کے سہارے چھوڑ کر چلے گئے مجھے۔“

دل اپنے نانائانی کی قبروں کے درمیان بیٹھی آنسو بہاتی اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔ ہمیشہ جب بھی وہ رقیہ بیگم کے رویے سے بہت زیادہ دالبرداشتہ ہوتی تھی۔ تو یہاں آجاتی تھی۔ گھنٹوں یہاں بیٹھ کر وہ ایسے ہی اپنی اندر کا دکھ اُن سے شیئر کرتی تھی۔

وہ نجانے کتنی ہی دیروہاں بیٹھی رہتی۔ جب خود پر پڑتی کسی کی نظریں محسوس کرتے وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔ لیکن کچھ ہی فاصلے پر کھڑے شرابی شخص کو دیکھ اُس کی سانس حلق میں ہی اٹک گئی تھی۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھورتا قریب آ رہا تھا۔

دل خوفزدہ ہوتی وہاں سے اُٹھ کر بھاگی تھی۔ مڑ کر اُس شخص کو اپنے پیچھے آتا دیکھ دل کے قدم میں مزید تیزی آئی تھی۔ اُس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ قبرستان میں بھی لوگ اس وقت نہ ہونے کے برابر تھے۔ اور جو تھے وہ بھی دور تھے۔ دل کو ایسی سچویشن کا پہلے کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہ بہت بڑا قبرستان تھا۔ جس کے ایک سے زیادہ دروازے تھے۔ دل ہڑبڑاہٹ میں یہ بھول گئی تھی کہ ڈرائیور کس طرف کھڑا تھا۔ اندھا دھند سامنے کی جانب بھاگتے اُس کی ٹانگیں مزید چلنے سے انکاری ہو چکی تھی۔

مڑ کر پیچھے دیکھتے وہ اپنی راہ میں آنے والا پتھر نہیں دیکھ پائی تھی۔ جس سے ٹھوکر کھاتے وہ کنٹرول کھوتی لہرا کر زمین پر جاگری تھی۔ منہ کے بل گرنے کی وجہ سے اُس کا ماتھا درخت کے تنے سے ٹکراتا زخمی ہو گیا تھا۔ لیکن اس سے زیادہ اس وقت اُسے اپنے پیچھے آتے شخص کا خوف تھا۔ جواب اُس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

”دیکھو قریب مت آنا۔ دور رہو مجھ سے۔“

اُس شخص کو اپنے قریب آتا دیکھ دل گڑ گڑاتے ہوئے بولی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے دنیا کے سارے دکھ اور مصیبتیں اُسی کے نام لکھ دی گئی تھیں۔

اِس سے پہلے وہ شخص اُس کی جانب ہاتھ بڑھاتا کسی نے درمیان میں آتے اُس شخص پر وار کرتے اُسے دور اُچھالا تھا۔
دل نے بھیگی پلکیں اٹھا کر زورین شاہ کی جانب دیکھا تھا۔ جو اُس شخص کو بُری طرح پیٹ رہا تھا۔

وہ نشے میں دھت شخص کچھ ہی لمحوں میں ڈھیر ہو گیا تھا۔

"دل تمہارے ماتھے پر یہ چوٹ کیسے لگی۔ تم ٹھیک ہو۔"

زورین اپنے قیمتی کپڑوں کی پرواہ کیے بغیر دل کے قریب دوزانو بیٹھتا فکر مندی سی بولا تھا۔ جس کے جواب میں دل نے اُسے اجنبی نظروں سے دیکھ کر نگاہیں پھیر لی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ اِس لیے آپ کو بلا وجہ دیکھا واکرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

دل اُس کی صبح والی باتوں سے بہت زیادہ ہرٹ تھی۔ اِس لیے اُس کا اپنے ماتھے کی جانب بڑھا ہاتھ زخم تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تمہارا خون کافی زیادہ بہہ رہا ہے۔"

زورین اُس کے اٹیچیوڈ دیکھانے پر نجانے کیسے ضبط کرتے بولا تھا۔

"یہ میرا پر اہلم ہے آپ کا نہیں۔ شکر یہ میری اتنی مدد کرنے کے لیے۔"

دل کو لگ رہا تھا۔ اگر مزید اُس کے سامنے کھڑی رہی تو رو پڑے گی۔ اس لیے اُسے اُسی کے انداز میں ٹکاسا جواب دیتی باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

وہ سامنے کھڑی زورین کی گاڑی انور کرتی ٹیکسی کی جانب بڑھنے والی تھی۔ جب زورین نے پیچھے سے آتے اُس کی کلائی تھام کر اُس کی کمر گاڑی کے دروازے سے ٹکاتے اُس کا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔ ماتھے سے خون بہہ کر اب اُس کے چہرے پر پھیل رہا تھا۔

زورین نے ٹشو اُس کے زخم پر رکھنا چاہا تھا۔ مگر دل نے چہرہ سائیڈ پر کرتے اُسے اپنے زخم کو چھونے نہیں دیا تھا۔ "واٹس رائگ و دیو۔ تمہارا خون بہہ کر ہے۔ یہ نخرے تم بعد کے ٹائم کے لیے رکھ دینا ابھی صاف کرنے دو یہ زخم۔" زورین مزید ضبط نہیں کر پایا تھا۔ اب کی بار اُس کا لہجہ کافی سختی لیے تھا۔

"میں نخرے نہیں کر رہی۔ آپ پلیز جائیں یہاں سے مجھے آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنی۔"

دل آنسوؤں پر کنٹرول نہ رکھ پاتے غصے سے بولی تھی۔ اُسے اب بھی زورین کا یہ احسان جتنا انداز بہت ہرٹ کر رہا تھا۔ "شکل تو تمہیں اب زندگی پر میری ہی دیکھنی ہو گی۔ چاہے روؤ یا ہنسو۔ تم اب صرف میری پابند رہو گی۔ مجھے ضد دلا کر ہر بار نقصان اپنا ہی کرواؤ گی۔"

زورین اُسے کمر سے جکڑ کر اپنے مضبوط حصار میں تھامتا بالکل اپنے قبضے میں لے گیا تھا۔ دل اب کوئی مزاحمت نہیں کر پار ہی تھی۔ ٹشو اُس کے زخم پر رکھتے زورین نے مسلسل گریہ زاری سے سو بے اُس کے لال پپوٹوں کو دیکھا تھا۔

دل غصے سے لرزتے ہوئوں اور پھولے نکتوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ نکاح والے دن اُس کے دل نے اِس بے حس انسان کے حوالے سے نجانے کیا کیا خواب دیکھ لیے تھے۔ جواب اُس کے بُرے رویے کی وجہ سے ٹوٹ کر اُسے ہی لہو لہان کر رہے تھے۔

”مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ۔ آپ بہت بُرے ہیں۔ آپ کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے۔ انسان خود کشتی کر لے۔“
دل کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ اُسے اب مزاحمت نہ کرتا دیکھ زورین نے اُس کی کمر کے گرد سے اپنا بازو ہٹا لیا تھا۔

”تو کر لینا۔ روکا کس نے ہے۔“

زورین نے اُس کی بات کا تمسخر اڑاتے جواب دیا تھا۔ اُس کی اتنی سنگدلی پر دل اُس کا خوب روچہرا دیکھ کے رہ گئی تھی۔

”ہمم جانتی ہوں۔ میرے مرنے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑنا۔“

دل نے اُس کا ہاتھ اپنے ماتھے سے ہٹانا چاہا تھا۔ جہاں سے اب خون رُک چکا تھا۔ زورین اُس کی بات کا کوئی خاص نوٹس لیے بغیر گاڑی سے فرسٹ ایڈ باکس نکالتے واپس اُس کے قریب آتا بینڈج کرنے لگا تھا۔ اُس کے چہرے سے خون صاف کرتے اُس نے ماتھے پر آئے کٹ کا جائزہ لیا تھا۔ جو کہ زیادہ گہرا نہیں تھا۔
”گاڑی میں بیٹھو۔“

زورین نے اُسے روڈ کی جانب جاتا دیکھ ہاتھ پکڑ کر روکا تھا۔

"میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔ آپ کا پہلے ہی میرے اوپر بہت سارا ٹائم برباد ہو چکا ہے۔"

دل نے اُس کی مضبوط گرفت سے اپنا ہاتھ نکالتے کہا تھا۔

"تم مجھے اتنے خزرے کس لیے دیکھا رہی ہو۔ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے یہ سب کرنے کا۔ اُن چاہی ہی سہی مگر بیوی ہو تم

میری۔ اُسی کے تحت یہ سب کر رہا ہوں۔ اب خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ ورنہ مجھے اپنے طریقے سے بات منوانی آتی ہے۔"

زورین اُس کی کلائی پر گرفت سخت کرتے جتلاتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے۔ آپ کو خزرے دیکھانے کا۔ بہت جلدی نہیں پلٹ رہے آپ اپنے الفاظ سے۔ بیوی نہیں

آپ کے گھر کا شو پیس ہوں جسٹ۔ جس پر اتنی مہربانی جتنا کافی عجیب بات ہے۔ مجھے سمجھ یہ نہیں آرہی آپ یہ سب

دیکھا واپس کر کیوں رہے ہیں۔ جب کہ یہاں کوئی ایسا نہیں ہے۔ جس کے سامنے آپ کو میری کیئر کا ٹانگ کرنا

پڑے۔۔۔"

دل ابھی مزید بول ہی رہی تھی۔ جب زورین نے اُسے کچھ بھی سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اُس کے

نرم و نازک وجود کو بانہوں میں بھر لیا تھا۔

دل اس حملے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی۔ اپنا چہرہ زورین کے چہرے کے اتنے قریب آ جانے پر حیا سے لال ہوئی تھی۔

زورین کے دل میں نہ سہی مگر اُس کے دل میں زورین کے لیے فیلنگز پیدا ہو چکی تھیں۔ اُس کی ذرا سی قربت دل پر بہت

بھاری ثابت ہوتی تھی۔ اب بھی اُس کا دل زور زور سے دھڑکتا اُس کے ہاتھ پیر بھلا گیا تھا۔ مزاحمت کرنا تو وہ بھول ہی چکی

تھی۔ دل نے نظریں اٹھا کر ایک نظر زورین کی جانب دیکھا تھا۔ جو گہری نظروں سے اُسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ مگر اُس کے دیکھتے ہی وہ فوراً نظریں پھیر گیا تھا۔

مگر دل ٹھٹھک چکی تھی۔ زورین کے دیکھنے کا انداز عام بالکل نہیں تھا۔ اُس کا ابھی اتنا کیئرنگ انداز اور اب یہ دل ایک بار پھر خوشگمانیوں میں گھرنے لگی تھی۔

زورین اُسے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تا خود ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھ گیا تھا۔



"یہ سب کیا تھا۔ آپ مجھ سے پوچھے بغیر ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔"

سُلین پارکنگ ایریا میں آتے خفگی بھرے لہجے میں ابہتاج سے مخاطب ہوئی تھی۔

"کیا کیا میں نے۔"

ابہتاج نے نا سمجھی سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ جبکہ اُس کے اتنے معصوم بننے پر سُلین عیش عیش کر اُٹھی تھی۔

"آپ مجھ سے پوچھے بغیر مجھے ہی میری سیٹ سے کیسے ہٹا سکتے ہیں۔ آپ کو ایسا حق کس نے دیا۔"

سُلین کو اُس کی لاپرواہی برتناز ہر لگا تھا۔ اس شخص کو دوسروں کا خون جلانے میں مزا آتا تھا۔

"یہ حق تو تمہی نے دیا مجھے۔ نکاح پر سائن کر کے۔ میں تمہاری لائف کے سارے فیصلے لے سکتا ہوں۔ اور تم میری لائف

کے۔ تمہارا بھی جب دل چاہے مجھے میرے گھر اور آفس سے بے دخل کر سکتی ہو۔ میں ہمیشہ تمہارے حکم کا تابیدار رہوں

گا۔"

ابہتاج نے اب بھی اُسے کوئی خاص سیدھا جواب نہیں دیا تھا۔ سُلین کو خود پر ہی افسوس ہوا تھا۔ وہ بھلا کس کے ساتھ سر کھپا رہی تھی۔

”آپ آفس جاتے ہیں سہی۔ ہر وقت یا تو جم میں گھسے رہتے یا میرے سر پر سوار رہتے ہیں۔“
سُلین زیرِ لب بڑبڑاتی رُخ موڑ گئی تھی۔ یہ دھیان دیئے بغیر کے ابہتاج کی سماعتوں تک اُس کی بات پہنچ چکی ہے۔
”اس کے علاوہ بھی ایک بہت اچھا کام آتا ہے مجھے۔“

ابہتاج اُسے پیچھے سے اپنی بانہوں کے حصار میں لیتا اُس کے کندھے پر چہرا اٹکاتے سرگوشی نما آواز میں بولتا سُلین کی دھڑکنیں منتشر کر گیا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ یہ پبلک پلیس ہے۔ آپ کا بیڈ روم نہیں۔“
سُلین اُس کی بانہوں کا حصار توڑنے کی کوشش کرتی بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی تھی۔ اس شخص کی انہیں بے باکیوں کی وجہ سے وہ اس مقام تک پہنچ چکی تھی۔ مگر اس انسان کو سمجھانا ممکن تھا۔
”مطلب بیڈ روم میں پیار کرنے کی اجازت ہے۔“

ابہتاج اُس کا گال چوم کر مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتا اُسے حصار سے آزاد کر گیا تھا۔ ورنہ سُلین کا سر خیاں چھلکاتا لال چہرہ اُسے شوخی بھری جسارت کرنے پر اکسارہا تھا۔ مگر پبلک پلیس کا ہی خیال کرتے وہ خود پر قابو پاتا سُلین کا ہاتھ تھامے گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔

موبائل پر آتی ارجنٹ کال دیکھ وہ ایک دم الرٹ ہوتا غیر محسوس انداز میں سُلین کو اپنے بازو کے گھیرے میں لیتے اپنے چوڑے وجود کے پیچھے چھپا گیا تھا۔

کال پر دوسری جانب اُسے جو اطلاع دی گئی تھی۔ اگر وہ اکیلا ہوتا تو اُس کے لیے کوئی بڑی بات نہ ہوتی۔ مگر سُلین کی وجہ سے وہ فکر مند ہوا تھا۔

"سر آپ میم کو لے کر گاڑی میں بیٹھ جائیں ہم سب سنبھال لیں گے۔ اُن کے حملے کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے تیار ہیں ہم۔"

اُس کا خاص آدمی فیروز جو ہر وقت اُس کے لیے جان دینے کو بھی تیار رہتا تھا۔ جلدی سے بولا تھا۔
"ہممہ وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر زیادہ خون خرابہ نہیں ہونا چاہئے۔ میری بیوی کو خون سے بہت ڈر لگتا ہے۔ خاص احتیاط کرنا اس بات کی۔"

ہمیشہ سُلین کی بات کرتے ابہتاج کے انداز میں ایک نرمی سی اتر آتی تھی۔ اس وقت بھی وہ جس طرح چھوٹی سی بات پر بھی سُلین کے لیے ہدایت دیتا بولا تھا۔ فیروز چاہنے کے باوجود اپنی مسکراہٹ نہیں روک پایا تھا۔ خون سے ہولی کھیلنے والے شخص کی بیوی خون دیکھ کر بے ہوش ہو جاتی تھی۔ ابہتاج کو جاننے لوگوں کے لیے کافی مضحکہ خیز بات تھی۔

ابہتاج کال بند کر تا گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ اُس کی ہدایت کے مطابق ریسٹورنٹ میں ہونے والی ہر کال سافٹ ویئر کے تحت ریکارڈ کی جا رہی تھی۔ جس سے ہی ابہتاج کے آدمیوں تک قاسم کی ساری سازش پہنچ گئی تھی۔ قاسم کے آدمی یہی آس

پاس چھپے ہوئے تھے۔ ابہتاج کے گاڑی نکالتے ہی انہوں نے پیچھا کر کے سنسنان جگہ پر آتے ہی اُن پر حملہ کر دینا تھا۔ مگر اب ابہتاج کے آدمی انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دینے والے تھے۔

ابہتاج گاڑی روڈ پر ڈالتا بیک ویو مرر سے پیچھے کی جانب نظر رکھے ہوئے تھا۔ تین گاڑیاں مسلسل اُن کے تعاقب میں تھیں۔ وہ ریسٹورنٹ کے ایریے سے کافی دور آگیا تھا۔ تاکہ اس حملے میں سُلین کے ریسٹورنٹ کو نہ گھسیٹا جائے۔

وہ ابھی قدرے سنسنان روڈ پر پہنچے ہی تھے۔ جب اُس کے آدمیوں کی دو گاڑیاں اچانک جھاڑیوں سے نکلتیں۔ ابہتاج اور قاسم کے آدمیوں کی گاڑیوں کے درمیان آگئی تھیں۔

ابہتاج نے جلدی سے میوزک پلیئر کی جانب ہاتھ بڑھاتے فل والیوم میں سانگ پلے کر دیا تھا۔ گاڑی کے شیشے بند تھے۔ آواز یہاں تک نہیں پہنچنی تھی۔ مگر پھر بھی ابہتاج کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

وہ جلد بازی میں اس بات پر دھیان نہیں دے پایا تھا۔ کہ کتنا رومینٹک سانگ شروع ہو چکا تھا۔ گانے کے بے باک بولوں پر سُلین کی کانوں کی لوح تک سُرخ ہو گئی تھی۔

اُسے میوزک آف کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا دیکھ ابہتاج نے گانے پر دھیان دیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ اُس نے فوراً سُلین کا ہاتھ تھامتے اُسے گانا بند کرنے سے روکا تھا۔

”کیا ہوا اتنا زبردست گانا تو ہے۔“

ابہتاج ایک نظر بیک ویو مرر پر ڈالتا سُلین کی مخروطی انگلیوں میں اپنی انگلی پھنسا کر بولتا اُسے مزید دہکا گیا تھا۔

”آپ پلیز شرافت سے یہ سانگ بند کریں۔“

سُلیں پیچھے مچے خون خرابے اور برستی گولیوں سے انجان ابہتاج کی جانب دیکھتی خفگی سے بولی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بظاہر سرد اور سنجیدہ دکھنے والا یہ شخص اصل میں کس قدر رومینٹک تھا۔

”میں شریف انسان ہوں ہی نہیں۔ تو شرافت بھلا کہاں سے لاؤں۔“

ابہتاج نے ہمیشہ کی طرح الٹا جواب ہی دیا تھا۔

ابہتاج اب گاڑی کی سپیڈ بڑھاتا وہاں سے نکال لایا تھا۔

”یہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

سُلیں کو ابہتاج کے گھر کا راستہ پتا تھا۔ مگر اُسے گاڑی دوسری جانب ٹرن کرتے دیکھ اُس نے سوالیہ نظروں سے ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔

”بتایا تو تھا آفس سے نکلتے وقت۔ ہنی مون پر جا رہے ہم۔“

ابہتاج اُس کی پھولی ناک دبا کر اُسے پھر سے چڑھاتا مزے لیتے بولا تھا۔

سُلیں اب خود سے ہی توبہ کر چکی تھی۔ کہ اس الٹی کھونپڑی والے شخص سے کوئی بات نہیں پوچھے گی۔

★★★★★★

”دل زورین صرف تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ اُس کی نیچر ہی ایسی بن چکی ہے۔ شروع سے ہاسٹلز میں فیملی کے بغیر

رہنے کی وجہ سے وہ ایسا ہو گیا ہے۔ ورنہ دل کا اُس سے اچھا انسان شاید کوئی نہیں ہو گا۔“

منزہ زورین کو تو سمجھا نہیں سکتی تھی۔ اِس لیے اُس کا ارادہ اب دل کو سمجھا کر اُن کے رشتے میں کچھ حد تک سدھار لانے کا تھا۔

دل خاموشی سے اُن کی باتیں سن رہی تھی۔ زورین شاہ کے بارے میں جاننا اُسے اچھا لگ رہا تھا۔ اُس کے سامنے چاہے جتنا بھی اُس سے لڑتی۔ مگر حقیقت یہی تھی۔ کہ وہ اُس گھمنڈی اور مغرور شخص کو چاہنے لگی تھی۔

"کیا وہ اپنی پہلی وائف سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ ہے کہاں اب۔ رقیہ خالہ نے بتایا تھا۔ ابھی اُن کی سپریشن نہیں ہوئی۔"

کب سے یہ سوال اُس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔ جواب موقع ملتے ہی آخر کار اُس نے پوچھ ہی لیا تھا۔ منزہ اُس کے ایک ہی سانس میں اتنے سوال پوچھنے پر مسکرائی تھی۔

"میں نے نہیں دیکھا اُس کی پہلی وائف کو۔ اُس نے لندن میں اپنی کسی کلاس فیلو سے لومیرج کی تھی۔ اور نہ ہی میں یہ جانتی ہوں۔ کہ اُن کی طلاق ہوئی ہے یا نہیں۔ زورین شاہ اپنی لائف کے معاملات میں کم ہی کسی کو انوالو کرتا ہے۔ میں اور ثاقب نجانب سے اُس کی منتیں کر رہے تھے۔ شادی کرنے کے لیے۔ ابھی جو اُس نے رضامندی دی۔ مجھے تو اُس وقت تک یقین نہیں آیا۔ جب اُس نے نکاح نامے پر سائن نہیں کر دیئے۔"

منزہ دل کو کوئی بھی جھوٹی کہانی نہیں سنانا چاہتی تھی۔ اُسے جتنی بات کا علم تھا۔ اُس نے بتا دیا تھا۔
منزہ کی اتنی حیرانی پر دل پھیکا سا مسکرا دی تھی۔ وہ اُسے کیا بتاتی کہ یہ شادی اُس نے صرف ضد میں آکر کی تھی۔

زورین اپنی پہلی بیوی سے اب بھی کتنی محبت کرتا تھا۔ اس بات کا اندازہ تو دل کو اُسی وقت ہو گیا تھا۔ جب میرا کے دل کو ماما کہنے پر زورین اُس پر بھڑک گیا تھا۔

"تم میں کچھ تو خاص ہے۔ جو زورین نے ایک نظر تمہاری تصویر دیکھتے ہی ہاں بول دی۔ تم تیار رہا کرو۔ اُسے اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرو۔ ورنہ یہاں سوسائٹی کی لڑکیاں تو ایسے مکھیوں کی طرح اُس پر منڈلاتی رہتی ہیں۔ جیسے اپنے ساتھ اڑا کر لے جائیں گیں۔ وعدہ کرو تم مجھ سے زورین کے سخت رویے کے آگے ہار نہیں مانو گی۔ اُسے جیت کر ہی رہو گی۔"

منزہ اپنے دیور کا گھر بستا دیکھنا چاہتی تھی۔ جس کے لیے وہ جو کر سکتی تھی کر رہی تھی۔
"میں پوری کوشش کروں گی۔"

دل نے منزہ کے آگے حامی تو بھری تھی۔ مگر وہ جانتی تھی۔ یہ بہت مشکل تھا۔ اُس کھٹور شخص کی دل چیرنے والی باتیں برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

★★★★★★

سُلمین خوشگوار تاثرات کے ساتھ لمحے بہ لمحے بدلتے خوبصورت نظارے دیکھ رہی تھی۔ یہ مری کی جانب جاتے راستے میں آتا ایک چھوٹا مگر بے حد دلکش نظاروں سے سجا گاؤں تھا۔

ڈھلوانی روڈ سے گاڑی نیچے کی جانب جاتی دیکھ اُسے ڈر لگنے کے ساتھ ساتھ مزاح بھی آنے لگا تھا۔ اُس کی نظر سامنے برف سے ڈھکے سکول کی نہایت ہی منفرد سی بلڈنگ پر پڑی تھی۔ وہ اس حسین وادی میں پہلی بار آئی تھی۔ مگر اُسے محسوس ہو رہا تھا۔ شاید سکول جیسی بلڈنگ اُس نے پہلے کہیں دیکھی تھی۔ مگر کہا یہ اُسے یاد نہیں آرہا تھا۔

ابہتاج گاڑی سے اتر کر فوراً سُلین کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ وہ سُلین کے لیے کسی اور کو دروازہ کھولنے کی اجازت نہیں دیتا تھا جس بات سے اُس کے آدمی اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے کبھی بھی کوئی آگے نہیں آیا تھا۔

”ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔“

سُلین کا موڈ اتنی خوبصورت جگہ دیکھ کافی بہتر ہو چکا تھا۔ جس کے زیر اثر وہ سوال پوچھ گئی تھی۔

”یہاں میرے بچے رہتے ہیں۔ اُنہیں سے ملنے آئیں ہیں ہم۔“

ابہتاج نے اُسے لیے سکول کی جانب بڑھتے بتایا تھا۔

”آپ کے بچے؟؟؟؟ آپ پہلے سے شادی شدہ ہیں۔؟؟؟؟“

سُلین کو یہ شخص آج جھٹکے پے جھٹکا دے رہا تھا۔ سُلین کے اس طرح حیرت بھری بے یقینی سے دیکھنے پر ابہتاج کی آنکھوں میں وہی کبھی کبھی جھلک دیکھنا والی سحر انگیزی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”اندر تو آئیں مسز آپ کو سب پتا چل جائے گا۔“

ابہتاج اپنی مرضی اور مزاج کے علاوہ کبھی کسی بارے میں سہی بات نہیں کرتا تھا۔ جس پر اکثر سُلین کو چڑھو جاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ اُس کی چوڑی پشت کو گھورتی اُس کے ہاتھ کا اشارہ کرنے پر گیٹ سے اندر داخل ہو چکی تھی۔

ابہتاج ہمیشہ اُسے خود سے ایک قدم آگے رکھتا تھا۔

سکول کی بلڈنگ باہر سے جتنی خوبصورت تھی۔ اندر سے اُس سے کہیں زیادہ سبزے اور مختلف قسم کے رنگ برنگے پھولوں سے سچی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

لباسا کو ریڈور عبور کرتے وہ دونوں آفس کی جانب بڑھے تھے۔ یہ شاید بریک کا ٹائم تھا۔ جس کی وجہ سے بچے آگے کے گراؤنڈ میں کھیل رہے تھے۔

”آپ کے بچے کہاں ہیں۔“

سُلین متحسّس لہجے میں بولی تھی۔ ابہتاج نے نوٹ کیا تھا۔ اُس کے انداز میں اب پہلی جیسی ایکسائٹمنٹ نہیں تھی۔ ابہتاج کی شادی اور بچوں کا سوچتے اُس کا چہرہ ابوجھ سا گیا تھا۔

”یہ سب میرے ہی بچے ہیں۔“

گراؤنڈ میں کھیلنے والوں کی نظر جیسے ہی ابہتاج پر پڑی وہ سب خوشی سے لبریز چہروں کے ساتھ اُس کی جانب بھاگے تھے۔ سُلین نے اُلجھ کر ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔ جس کے چہرے پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ سُلین کتنے ہی لمحے اُس سے نظریں نہیں ہٹا پائی تھی۔ کتنا خوبصورت تھا یہ شخص۔ اُس کی مسکراہٹ نے سُلین کے دلے تار چھیڑ دیئے تھے۔ ابہتاج بچوں کی جانب بازو پھیلاتا دوزانوں نیچے بیٹھ گیا تھا۔ بچے اُس کی بانہوں میں سماتے بے پناہ خوش لگ رہے تھے۔ سُلین کتنی ہی دیر اسی حسین ترین منظر میں کھوئی رہتی جب سکول کی پرنسپل میڈم عفت کی آواز پر چونک کر اُن کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

”آپ ابہتاج سر کی مسز ہیں۔“

سلام دعا کے بعد انہوں نے آنکھوں میں اشتیاق بھرے سُلین سے سوال کیا تھا۔ کیونکہ ابہتاج تو اب پوری طرح بچوں میں مگن ہو چکا تھا۔ یہ پہلی بار ایسا ہوا تھا۔ کہ سُلین کے قریب ہوتے ہوئے بھی ابہتاج کی توجہ اُس سے ہٹ کر کسی اور جانب تھی۔

”جی۔۔۔“

سُلین نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا تھا۔

”یہ سکول ابہتاج سر کا ہے۔ بہت سال پہلے اس سکول کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ابہتاج تقریباً ہر مہینہ یہاں آتے تھے۔ مگر بچے میں کچھ عرصہ نجانے کس وجہ سے نہیں آپائے۔“

لیکن اب باقاعدگی سے آتے ہیں۔ بچے بہت اٹیچ ہیں سر کے ساتھ۔ سر ان کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔ یہ سب یتیم بچے ہیں۔ جو اپنا سب کچھ سر کو ہی مانتے ہیں۔“

میڈم نصرت جیسے جیسے ابہتاج کے اس نیک عمل کے بارے میں بتائی جا رہی تھیں۔ سُلین کے دل میں ابہتاج کا مقام کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ بظاہر لا پرواہ اور روڈ دکھنے والا یہ شخص اندر سے کتنا سافٹ اور خیال رکھنے والا تھا۔ ابہتاج کا ہت بار سامنے آتا روپ سُلین کو اُس کا اسیر بنا رہا تھا۔

اس شخص نے اپنی پہلی جھلک سے ہی اُس کے دل میں اپنی جگہ تو بنادی تھی۔ جواب آہستہ آہستہ مزید زور پکڑ گئی تھی۔

”میڈم عفت میری گڑیا کو تو بہت سخت بخار ہے۔ اس کو میڈلسن کیوں نہیں دی گئی۔ یہ کتنی ویک ہو گئی ہے۔“

ابہتاج ایک بہت ہی کیوٹ سی لڑکی کو گود میں اٹھائے کافی برہم لگا تھا۔ میڈم عفت اُس کے بگڑنے پر گھبراتی فوراً اُس جانب بڑھی تھیں۔

سُلمین وہی پلر سے ٹیک لگائے کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ دراز قد، مضبوط جسامت، چوڑی پیشانی والا وہ شخص شکل سے ہی کافی مغرور لگتا تھا۔

مگر جس طرح سے وہ اپنے سے منسلک لوگوں کی کیئر کرتا تھا۔ سُلمین کو محسوس ہونے لگا تھا۔ کہ اُس نے ابہتاج پر شک کر کے بہت غلط کیا۔ ابہتاج نے تو ہمیشہ اُس کی مدد کی تھی۔ اُسے ہر بار مصیبت سے بچایا تھا۔ اُس کے ریسٹورنٹ کی رپوٹیشن کو خیال رکھا تھا۔

سُلمین کو اُس لمحے اپنی سوچ پر پچھتاوا ہونے لگا تھا۔ یہ شخص نفرت کے نہیں چاہے جانے کے قابل تھا۔ سُلمین مبہوت سی یک ٹک اُسے دیکھے گئی تھی۔ اُس کی نظروں کا احساس ہی تھا۔ جب اُس بچی کو کسی ٹیچر کے حوالے کرتے اُس نے نظریں موڑ کر سُلمین کی جانب دیکھا تھا۔

مگر سُلمین اُس کی وجیہ شخصیت کے سحر میں کھوئی۔ اُس کا اپنی جانب متوجہ ہونا نہیں دیکھ پائی تھی۔ ابہتاج نے اُنہیں بچوں میں گھرے اُسے ایک خوبصورت سی پیار بھری سائل پاس کی تھی۔ جس نے سُلمین کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ یہ شخص مسکراتا ہوا کس قدر خوبصورت لگتا تھا۔ وہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔

بچوں کو کلاسز کی جانب روانہ کرتے ابہتاج اُس کے قریب آیا تھا۔

”کیا ہوا۔“

ابہتاج نے اُس کے ہونٹوں پر ریگتی مسکراہٹ دیکھتے سوال کیا تھا۔

”یہ سارے بچے ہیں آپ کے۔ آپ ان کی بات کر رہے تھے۔“

سُلین نے اُسے خفگی بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ جس نے باہر اُس کی کنفیوژن کلیئر کرنے کے بجائے اُس کے تاثرات سے لطف اٹھایا تھا۔

”ہاں۔ یہ سب میرے بچے ہی ہیں۔ ویسے تمہیں کیا لگا تھا۔ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔“

ابہتاج اُس کی کہی بات کو دوہراتے محظوظ ہوا تھا۔

”ہو بھی سکتے ہیں۔ آپ کی پراسرار شخصیت کی کچھ سمجھ نہیں آتی مجھے تو۔“

سُلین کو ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کے پاس ایک پتلے سے دوپٹے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اُس کو ہولے ہولے کپکپاتا دیکھ ابہتاج نے ملازمہ کو اشارہ کیا تھا۔ اگلے چند سیکنڈز بعد ملازمہ ہاتھ میں ایک گرم شال لیے حاضر ہوئی تھی۔

”تم جاننا چاہتی ہو مجھے۔“

ابہتاج اُس کے گرد شال اوڑھاتا اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا۔

”ہاں جاننا چاہتی ہوں۔ آپ کے بارے میں سب کچھ۔ آپ اتنے سرد مہر کیوں ہیں۔ آپ کی فیملی کہاں ہیں۔ اکیلے کیوں

رہتے ہیں آپ۔ اور وہ لڑکی جو اُس دن آئی تھی۔ وہ کون تھی۔ کیا رشتہ ہے آپ کا اُس سے۔“

سُلین ایک ہی سانس میں سب بول گئی تھی۔

جب اُس کا دل ابہتاج کے حق میں اُس سے بغاوت کر ہی گیا تھا۔ تو وہ اُس کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں یہ ویرانی کیسی تھی۔

”میں شروع سے ایسا ہی ہوں۔ ہنسنا بہت کم سیکھا ہے میں نے۔ کیونکہ لائف میں کوئی ایسا انسان یا ایسی وجہ ہی نہیں رہی کہ میں ہنستا خوش رہتا۔ اور رہی بات فیملی کی تو میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوں۔ میرے پرنٹس کی ڈیٹھ ہو چکی ہیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔“

آج اتنے ٹائم بعد ابہتاج شاید ہی کسی سے اپنی فیملی کے بارے میں ڈسکس کر رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے دکھ کے ساتھ ساتھ ایک وحشت سی چھائی ہوئی تھی۔

اُس کے بارے میں سن کر سُلین کو دل سے افسوس ہوا تھا۔ پرنٹس کے بغیر لائف گزارنا کس قدر مشکل تھا۔ یہ بات بھلا اُس سے بہتر کون جان سکتا تھا۔

”آئم سوری۔ مجھے یہاں یہ سب نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ آپ اتنے خوش تھے۔ میں نے آپ کو سیڈ کر دیا۔“
سُلین اُس کو واپس کچھ دیر پہلے والے رُوپ میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اُسے ابہتاج کی آنکھوں میں ابھرتی وحشت سے ڈر لگتا تھا۔

”تم واپس مجھے خوش کر دو۔ تم ہی واحد انسان ہو جو ایسا کر سکتی ہو۔“

ابہتاج نے اُسے شال اوڑھانے کے ساتھ ہی اپنے بازو کے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ یہ بات کہتے وہ ہلکا سا اُس کی جانب جھکا تھا۔

”ابہتاج لغاری آپ سرد مہر زیادہ بہتر ہیں۔ پلیز دور رہیے مجھ سے۔“

سُلین نے اُس کے سینے پر بازو رکھتے خود سے دور کیا تھا۔ یہ شخص ہر روپ میں اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔
”اتنے ٹائم سے دور ہی تو رکھا ہوا ہے خود کو۔ جس دن قریب آؤں گا۔ تمہاری یہ کمزور مزاحمت تمہیں مجھ سے بچا نہیں پائے گی۔ آٹھ سال دور رہنے کے لیے کم نہیں ہوتے۔“

ابہتاج اُس کا گال چومتا آخری جملہ زیر لب بڑبڑاتا اُس کا ہاتھ تھامے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ جبکہ سُلین ہر بار اُس کے اس شدت بھرے لمس پر جی جان سے لرز اٹھتی تھی۔

ابہتاج کے آخری الفاظ اُسے سمجھ نہیں آئے تھے۔ اُس کے لمس نے سُلین کو کچھ اور سمجھنے کا موقع ہی کہاں دیا تھا۔
ابہتاج کے مضبوط گرفت میں اپنا ہاتھ دیکھ اُس کے ہونٹ آپ ہی آپ مسکرا دیئے تھے۔ اُسے ابہتاج کا یوں اُس کا ہاتھ تھام کر چلنا اچھا لگنے لگا تھا۔

ابہتاج سُلین کی بدلتی نظریں اچھی طرح نوٹ کر رہا تھا۔ جو کہ اُس کے لیے نہایت خوش کن تھا۔
سُلین حبیب ہمیشہ سے اُس کی تھی۔ اور آگے بھی اُسی کارہنہ تھا۔ اپنے دشمنوں کے ارادے ناکام بنانے کا اُس کا عزم مزید مضبوط ہو چکا تھا۔

★★★★★★★★

”واٹ دا ہیل۔ یہ سب کیا ہے۔ سر پر چوٹ لگنے سے پاگل تو نہیں ہو گئی تم۔“

زورین روم میں قدم رکھتے ہی چیخ پڑا تھا۔ دل اپنے ڈھیروں کی تعداد میں کپڑے اُس کے بیڈ پر پھیلائے اُنہیں گھورتی
نجانے کیا کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اُس کے ایک دم چلا کر پوچھنے پر وہ ڈر کے مارے دو قدم پیچھے اُچھلی تھی۔
"سر پر چوٹ میرے لگی ہے۔ مگر لگتا ہے دیکھائی دینا آپ کو بند ہو گیا ہے۔ کپڑے ہیں یہ۔"

وہ تڑخ کر جواب دیتی واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ زورین نے ایک نظر اُس کی ماتھے پر لگی بینڈیج کی جانب
دیکھا تھا۔ جو اُس کی ہی کی ہوئی تھی۔ دل نے ڈاکٹر کے پاس جانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"میں نے پوچھا ہے آدھی رات کو ان سب کو بیڈ پر کیوں پھیلا رکھا ہے۔ یہ بیڈ سونے کے لیے ہیں تمہارے کپڑوں کے لیے
نہیں۔ ایک منٹ کے اندر خالی کرو اسے۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

زورین اُس کی جانب جارحانہ تیور لیے بڑھتا اُس کو لمحہ بھر کے لیے سہا گیا تھا۔ مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔
"مجھے یہ سارے کپڑے پریس کر کے اپنی کبڈ میں سیٹ کرنے ہیں۔ آپ ایک سائیڈ پر جگہ بنا کر سو جائیں۔ مجھے میرا کام
کرنے دیں۔"

دل اُس کی دھمکی کو سیریس لیے بغیر اپنے کام میں مصروف ہوئی تھی۔ جبکہ زورین اُس کے اس ضدی انداز پر مزید سنج
ہو گیا تھا۔

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔ یہ میرا روم اور میرا بیڈ ہے۔ تم یہاں کی کسی بھی چیز پر کوئی حق نہیں رکھتی۔"
زورین دل کی کلائی سختی سے تھام کر اُس کا رخ اپنے جانب موڑتا غصے سے اُبلتے دماغ کے ساتھ گویا ہوا تھا۔

اُس کے سخت ترین الفاظ پر دل کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔ جسے پلکیں جھپک کر اندر اُتارتے اُس نے زورین سے پوشیدہ رکھی تھی۔

”مجھے آپ سمیت کسی چیز پر حق چاہیے بھی نہیں مسٹر زورین شاہ۔ مگر میری بد قسمتی ہے کہ مجھے یہیں اسی روم میں آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ اور یہاں لانے والے آپ ہیں مجھے۔ اس لیے چاہے جیسے بھی برداشت تو اب کرنا ہی ہو گا۔“

دل اُس کی گرفت سے اپنی لال ہوتی کلائی چھڑوا کر پیچھے ہٹی تھی۔

”تم یہ سب کر کے اپنے لیے ہی مزید مشکلیں پیدا کر رہی ہو۔“

زورین اُسے نفرت آمیز نظروں سے دیکھتا بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔ بازو پھیلا کر بیڈ پر رکھے سارے کپڑے اکٹھے کر کے اُٹھاتے اُس نے صوفے کی جانب اُچھال دیئے تھے۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرے کپڑے وہاں پھینکنے کی۔“

دل صبح سے اپنے اندر بہت سارا غصہ لیے بیٹھی تھی۔ جواب موقع ملتے ہیں عود آیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر صوفے پر اور کچھ نیچے گرے اپنے کپڑے اُٹھاتی واپس بیڈ کی جانب بڑھی تھی۔

زورین پورا دن آفس میں کافی بزی رہنے کے بعد اب گیارہ بجے کے قریب گھر لوٹا تھا۔ وہ بہت زیادہ تھک چکا تھا۔ اس وقت صرف آرام چاہتا تھا۔ جو دل کی حرکتیں دیکھ اُسے کسی صورت ملنا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک پل کے لیے تو غصے کے مارے اُس کا دل چاہتا تھا۔ اس لڑکی کو اُٹھا کر روم سے باہر پھینک آئے مگر باہر موجود ملازمین کے آگے اُس کی اپنی ہی انسلٹ تھی۔

”تمہارے ساتھ پرالہم کیا ہے۔“

زورین اُسے کپڑے واپس بیڈ پر پھینکتے دیکھ غصے سے دانت بھینچتا اُس کی جانب بڑھا تھا۔ جب دل کے بازوؤں سے نیچے لٹکتے کپڑوں میں اُس کا پیر اُلجھ گیا تھا۔ دل بھی جھٹکا لگنے سے اُس کے قریب ہوئی تھی۔ اِس سے پہلے کے زورین خود سنبھلتا دل کے بھی اپنے اُوپر آجانے کی وجہ سے وہ دونوں ایک ساتھ زمین بوس ہوئے تھے۔ زورین فرش پر جگہ دل اُس کے اُوپر گری تھی۔

دل کے ہونٹ زورین کی گردن سے مس ہوئے تھے۔ جن کے نرم لمس نے زورین شاہ کو کچھ پل کے لیے ساکت کر دیا تھا۔ پھولوں جیسا نرم و ملائم خوشبوئیں بکھیرتا وجود اُس کے انتہائی قریب اُسے اپنے دلفریب احساس میں قید کر گیا تھا۔ دل کی حالت بھی اِس اچانک نازل ہونے والی افتاد پر بگڑ چکی تھی۔ اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اُس نے زورین کے اُوپر سے اٹھنا چاہا تھا۔ مگر وہ خود ہی اپنے کپڑوں میں اِس بُری طرح اُلجھ گئی تھی کہ اُس سے اٹھا ہی نہیں جا رہا تھا۔ زورین نے سر اُوپر کر کے اُس کی کاروائی ملاحظہ کی تھی۔ جو اُس کے سینے کو ہلے گراؤنڈ سمجھتی اُس پر اُچھلنے میں مصروف تھی۔

زورین کی زرا اسی قربت پر اُس کا چہرہ خطرناک حد تک لال ہو چکا تھا۔ اُوپر سے زورین کی خود پر پڑتی گہری نظریں اُسے مزید پزل کر رہی تھیں۔ اِسی احساس سے اُس کی گھنیری پلکیں لرز اُٹھیں۔

”ویٹ آمنٹ۔۔۔۔“

دل خود کو کپڑوں سے نکالنے کے بجائے مزید اُن میں الجھ رہی تھی۔ زورین کی گھمبیر بو جھل آواز پر اُس نے پلکیں اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ جب زورین نے کروٹ بدلتے اُسے نیچے لیا تھا۔ اب دل فرش پر جبکہ زورین اُس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

”ہو گیا شوق پورا یہی چاہتی تھی ناتم۔ زورین شاہ کے قریب آنا۔ اتنا ڈرامہ اسی لیے کیا ناتم نے۔“

دل کا الجھا بازو اُس کے دوپٹے سے نکالتے اُس نے ہر بار کی طرح طنز کرتے دل کو سُلگا کر رکھ دیا تھا۔ جو چہرہ پہلے شرم کی وجہ سے سُرخ مائل تھا۔ وہ اب غصے اور اہانت کے احساس سے لال انگارہ ہوا تھا۔

”آپ۔۔۔۔۔ آپ آخر سمجھتے کیا ہیں خود کو۔۔۔۔۔ میں اُن لڑکیوں میں سے قطعی نہیں ہوں۔ جو آپ کے پیچھے پاگل ہیں۔ اور اللہ نہ کرے ایسا کبھی ہو۔ آپ جیسے سنگدل اور خود پسند انسان سے دشمنوں کا واسطہ بھی نہ پڑے۔ اب آپ کی مجھ سے شادی کر کے ضد پوری ہو چکی ہو گی نا۔ تو پلیز اب مجھے آزاد کر دیں۔ میں آپ کے اس محل میں گھٹ کر مرنا نہیں چاہتی۔“

دل کو اُس کی توہین آمیز بات بہت بُری طرح چبھی تھی۔

دل کے گرد الجھے بکھرے کپڑوں سے زورین اُسے آزاد کروا چکا تھا۔ مگر اُس نے جو بات کہی تھی۔ اُسی کے غصے میں دل یہ فراموش کر گئی تھی۔ کہ اس وقت وہ اُس کی بانہوں کے حصار میں اُس کے چوڑے وجود کے نیچے دبی ہوئی اُسے گھوری جا رہی تھی۔

”میں تمہیں آزاد کر دوں۔ اور تم جا کر اپنے اُسی کزن سے شادی کر لو۔ جس سے وہ فضول سی محبت تھی تمہیں۔ ایسا تو میں کبھی نہیں ہونے دوں گا۔“

زورین اُسے مزاحمت کرتا دیکھ اُس کے اُوپر سے اُٹھا تھا۔ مگر دل کی چیخ پر اُسے واپس نیچے ہونا پڑا تھا۔ کیونکہ دل کے گلے میں پہنا نیکلس زورین کی ی شرٹ کے بٹن سے اُلجھ چکا تھا۔ زورین کے جلدی سے اُوپر اُٹھنے پر دل کی گردن کو بُری طرح زخمی کر گیا تھا۔

”تم ٹھیک ہو؟؟۔۔۔ زیادہ لگی تو نہیں۔“

زورین اُس کے نیکلس کی چین اپنے بٹن سے چھڑواتے پوچھنے لگا تھا۔ جس پر دل اُسے شکوہ کناں نظروں سے گھورتی جلدی سے اُس کے سائیڈ سے نکلتی اُٹھ گئی تھی۔

”تمہاری گردن پر لگی ہے۔ دیکھاؤ مجھے۔“

دل نے حیرت سے اِس دھوپ چھاؤں جیسے انسان کو دیکھا تھا۔ جو ایک پل میں تکلیف دیتا تھا۔ اور اگلے ہی لمحے مرہم رکھنا چاہتا تھا۔ دل کو اب اُس کے اِس دوغلے پن پر چڑھنے لگی تھی۔ وہ اُس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ پھر وہ یہ سب کر کے اُس کے جذبات کو مزید ہرٹ کیوں کرتا تھا۔

”آپ کو آخر کیا تسکین ملتی ہے یہ سب کر کے۔ ہر بار میں آپ کی وجہ سے ہرٹ ہوتی ہوں۔ اور پھر آپ یہ جھوٹی فکر کا نالک کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ اب میں اچھے سے سمجھ رہی ہوں۔ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ آپ میری فیئنگلز سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ ویسے بھی آپ کے لیے میں ایک شو پیس سے زیادہ کچھ نہیں ہوں۔“

دل اُس کی آنکھیں نم اور چہرہ بالکل لال ہو چکا تھا۔ زورین نے نہایت ہی خاموشی سے اُس کی ہر بات سنی تھی۔ دل کو اُس کے لفظ شو پیس نے کتنا ہرٹ کیا تھا۔ وہ اب بھی اُس کی آنکھوں سے ظاہر تھا۔

اُسے نظر آرہا تھا۔ کہ دل کی گردن میں چین اچھی خاصی کھب گئی تھی۔ جس کا درد وہ اُس کے چہرے پر دیکھ سکتا تھا۔ دل اُس کے آگے سے ہٹتی صوفی پر جا بیٹھی تھی۔ وہ اس وقت زورین شاہ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے چہرہ گھٹنوں میں دیئے وہ ایک جگہ سمٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ زورین کچھ سیکنڈز خاموش نظروں سے اُسے دیکھتا واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

واپس آکر لائٹ آف کرتے وہ اپنے آرام دہ بیڈ پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ اس بات سے انجان کے روم میں ایک دم اندھیر گھپ ہو جانے پر کچھ فاصلے پر بیٹھا وجود بُری طرح سہم گیا تھا۔



زورین کافی تھکا ہونے کے باوجود سو نہیں پارہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ ابھی اُسے بیڈ پر لیٹے کچھ ہی ٹائم گزرا تھا۔ جب روم میں پھیلتی دبی دبی سسکیوں پر وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ لائٹ آن کرتے اُس نے دل کی جانب دیکھا تھا۔ جو خود میں سمٹنے کی کوشش کرتے رونے کا شغل فرما رہی تھی۔

اب حقیقت میں اُسے شدید غصہ آنے لگا تھا۔ زورین نے اُٹھ کر اُس کے پاس جاتے اُسے بازو سے کھینچ کر اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔

دل اس سب کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی۔ زورین کے جارحانہ انداز پر اُس کے منہ اس چیخ نکل گئی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ مکمل اُس کے حصار میں تھی۔

”اب کیا پر اہم ہے تمہیں روکیوں رہی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے تمہارا۔“
زورین نے اُس کی گلابی پڑتیں سوچی آنکھیں اٹھا کر اُس کی جانب غور سے دیکھا تھا۔
”کیوں اب آپ کے روم میں بیٹھ کر میں اپنی مرضی سے رو بھی نہیں سکتی۔“

دل زرا سے اندھیرے پر خوف کے مارے مرنے کے قریب ہو جاتی تھی۔ جبکہ زورین کو نیند ہی تب آتی تھی۔ جب فل اندھیرا اچھایا ہو اسی بھی روشنی میں اُسے بالکل بھی نیند نہیں آتی تھی۔
ابھی کچھ دیر پہلے اُس کے اندھیرا کرنے کی وجہ سے ہی دل بُری طرح سہمی کھڑی تھی۔
”نہیں رو سکتی۔“

دل نے جیسے بچوں کی طرح منہ پھلا کر جواب دیا تھا۔ زورین اپنی مسکراہٹ نہیں روک پایا تھا۔ پھولے سے گلابی گالوں والی یہ کیوٹ سی لڑکی نظر انداز کیے جانے کے قابل بالکل بھی نہیں تھی۔ اُس میں ایک ایسی کشش ضرور تھی کہ زورین کے لیے خود کو اُس سے دور رکھنا نہایت ہی مشکل لگ رہا تھا۔
”آپ اچھا نہیں کر رہے میرے ساتھ۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔“

دل کو اُس کی مسکراہٹ اپنا مذاق اڑاتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ آنکھوں میں اُمڈ کر آتا آنسوؤں کا سیلاب لیے اُس کے آگے سے ہٹتی دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ جب زورین نے اُسے کلائی سے تھام کر اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ وہ سیدھا اُس کے

مضبوط سینے سے جا ٹکرائی تھی۔ دل نے مزاحمت کرتے پیچھے ہٹنا چاہا تھا۔ مگر زورین نے اُس کے گرد بانہوں کا حصار قائم کرتے ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔

”رونے کی وجہ بتاؤ۔“

زورین نے دل کو اُسی طرح اپنے حصار میں قید کیے پوچھا تھا۔ وہ خود بھی سمجھ نہیں پارہا تھا۔ اِس وقت وہ دل کے لیے کیا محسوس کر رہا ہے۔

”نہیں بتاؤں گی۔“

دل بھی بضد ہوئی تھی۔ مگر زورین کا سہارا پاتے اُس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسوؤں کی برسات جاری ہو چکی تھی۔ بچپن سے اُس نے اپنے اندر نجانے کتنے دُکھ اکٹھے کر رکھے تھے۔ کہ زرا اسی ہمدردی پر وہ آنسوؤں کے راستے بہہ نکلتے تھے۔ ”تو اِس کے بعد اگر تمہارا ایک آنسو بھی نکلا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔“

زورین کو اُس کے آنسوؤں سے اتنی تکلیف کیوں ہو رہی وہ خود بھی اُلجھ گیا تھا۔ دل کے گرد اپنے بازو کا گھیرا تنگ کرتے وہ اُس کے کان کے قریب جھکتا گھمبیر لہجے میں وارن کر گیا تھا۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا۔ کہ دل سینے سے اُس کی شرٹ مٹھیوں میں بھینچتے پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔ وہ زورین جیسے بے حس انسان کے سامنے اپنی فیلنگز کا اظہار تو کر نہیں سکتی تھی۔ اِسی طرح ہی اپنے اندر کا اضطراب باہر نکالنا چاہتی تھی۔ ورنہ اُسے لگ رہا تھا۔ اتنی دھتکار سہتے سہتے اب اُس نے مر ہی جانا تھا۔

زورین کچھ بولا نہیں تھا۔ مگر اُس کے گرد اپنا مضبوط حصار کھینچتا اُس کا نازک وجود اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

کافی دیر بعد دل کی سسکیاں مدھم پڑتیں رُک گئی تھیں۔ اپنے سینے پر اُسکی سانسیں محسوس کرتے زورین نے بازو ہٹاتے اُسکا چہرہ اپنے سامنے کیا تھا۔ دل روتے روتے اُس کے سینے پر ہی سو گئی تھی۔

دل کا چہرہ رونے کی شدت سے گلابی ہو چکا تھا۔ نم آلود پلکیں جو پر وقت شکوہ کناں سی ہی رہتی تھیں۔ اِس وقت بند تھیں۔ بے حد گلابی ملائم ہونٹ اور لال ہوتی ستواں ناک یہ منظر اِس قدر دلفریب تھا کہ زورین کی نگاہیں بھٹک کر رہ گئی تھیں۔

دل اِس وقت مکمل طور پر اُسی کے سہارے کھڑی تھی۔ جس ستمگر نے اُسے اتنا رولا یا تھا۔ اُسی کے کندھے سے سر ٹکائے وہ پر سکون سی نیند کی وادیاں گھوم رہی تھی۔

زورین اُسے نرمی سے بانہوں میں بھر تا بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔ بیڈ پر لیٹا کر کمبل اوڑھاتے اُس کی نظر دل کی گردن پر پڑی تھی۔ جہاں کچھ دیر پہلے اُسی کا دیاز خم ابھی تازہ تھا۔

زورین الماری سے میڈیکل باکس نکال کر لاتا واپس اُس کے قریب آ بیٹھا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اُس نے دل کے بالوں کو گردن سے ہٹایا تھا۔ اُس کی نازک شفاف گردن اب واضح اُسکی نظروں کے سامنے تھی۔

زورین نے اپنی بھٹکتی نگاہوں پر قابو پاتے اُس کے زخم پر کریم لگا کر بینڈیج کر دی تھی۔

دل کے آنسوؤں آج کہیں نہ کہیں زورین کے دل پر اثر انداز ہوئے تھے۔ جس کا ازالہ اب وہ اُس کے سونے کے بعد کر رہا تھا۔ شاید دل کے سامنے اپنا یہ رُوپ دکھانے کی ہمت نہیں تھی اُس میں۔

وہ ابھی اِسی کشمکش میں تھا۔ جب موبائل کی میسج ٹیون نے اُسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ سکرین پر جگمگاتا میسج دیکھ زورین نے سختی سے ہونٹ بھیجنے لیے تھے۔

”یہ لوگ ایسے نہیں ماننے والے“

زیر لب بڑبڑاتے اُس نے کچھ ٹائپ کیا تھا۔ جسے سینڈ کرتے اُس کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ تھی۔ موبائل رکھتا وہ واپس دل کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

زورین اُس کے قریب سے اُٹھنا چاہتا تھا۔ مگر نجانے کیوں اِس وقت اِس روتی بسورتی معصوم لڑکی سے دور جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

زورین اپنی اندر پلتے غصے اور نفرت کے تمام جذبات سائیڈ پر رکھتا دل کے پُر زور اصرار پر دل کا سراپے شانے پر رکھتا اُس کے قریب نیم دراز ہو گیا تھا۔ دل کی مخروطی لابی انگلیاں زورین نے اپنے مضبوط ہاتھ کی انگلیوں میں پھنساتے اُنہیں اپنے ہونٹوں کا نرم گرم لمس بخشا تھا۔ جسے محسوس کرتے دل کسمائی تھی۔

زورین کچھ پل اُس کا سندر مکھڑا آنکھوں میں بسائے گہری نظروں سے دیکھنے کے بعد ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ آف کر گیا تھا۔ پورا کمرہ ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ جسے دل گہری نیند میں بھی محسوس کرتے خوف زہ سی زورین کے قریب کھسکتی اُس کے سینے میں چہرہ اچھپا گئی تھی۔

دل کی یہ حرکت پہلے سے اُلجھے زورین کو مزید مشکل میں مبتلا کر گئی تھی۔

مگر کہیں نہ کہیں اندر دل کے کسی کونے میں اِس لڑکی کو اپنے قریب پا کر اک طمانیت سی رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ دل کو مکمل طور پر اپنے حصار میں قید کرتے زورین آنکھیں موند گیا تھا۔



”کیا ہوا آج سونے کا ارادہ نہیں ہے آپ کا۔“

ابہتاج روم میں داخل ہوتے سُلین کو صوفے پر بیٹھے دیکھ کر بولا تھا۔ جو صوفے پر ہی کمبل میں لیٹی بیٹھی تھی۔ اُس کی جانب دیکھ ابہتاج کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

سُلین جو ٹھنڈ کی شدت سے کانپ رہی تھی۔ ابہتاج کی سائل دیکھ اُس کی نگاہیں ساکت ہوئی تھیں۔ وہ اب سمجھی تھی۔ یہ شخص مسکرانے میں اتنی کنجوسی کیوں کرتا تھا۔ یہ اپنی دل لوٹ لینے والی مسکراہٹ سے اچھی طرح واقف تھا۔ جس سے ابہتاج لغاری آرام سے کسی کو بھی زیر کر سکتا تھا۔

”مجھے بہت ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ اتنی ٹھنڈ میں، میں نہیں سو سکتی۔“

سُلین کی نوز بالکل ریڈ ہو چکی تھی۔ ٹھنڈ سے کپکپاتے ہونٹوں سے بولتی وہ ابہتاج کو مبہوت کر گئی تھی۔ گھٹنے سینے سے لگا کر بیٹھی کمبل کو سر پر دوپٹے کی شکل میں لپیٹے وہ ابہتاج لغاری کی فیلنگز کو اچھا خاصہ چھیڑ گئی تھی۔

”اوہ ہو۔ آپ کو ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ کیا اسے کم کرنے میں، میں آپ کی کوئی ہیلپ کر سکتا ہوں۔“

ابہتاج گھمبیر لہجے میں بولتا اُس کے قریب آ بیٹھا تھا۔ جبکہ اُس کی آنکھوں کے بدلتے شوخ رنگ دیکھ سُلین کو اپنے گرد خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی تھی۔

”کک کیا مطلب ----“

سُلین اُس کے قریب بیٹھنے پر فوراً پیچھے کھسکی تھی۔ کیونکہ ابہتاج ہلکا سا اُس کے اوپر جھک آیا تھا۔

”میں آپ کی ہیلپ کرنا چاہتا ہوں۔“

سُلین اُس کے خمار آلود بو جھل لہجے پر گھبرا کر پیچھے ہوتی صوفے کے ہینڈ پر پہنچ چکی تھی۔ ابہتاج چاہنے کے باوجود خود کو روک نہیں پایا تھا۔ وہ اُس کے اوپر حاوی ہوتا اُس کے سُرخ ناک سے اپنا ناک ٹچ کرتا اُسے حرارت بخشنے لگا تھا۔ جبکہ سُلین کی دھڑکنوں کا شور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔

”مجھے کوئی ہیلپ نہیں چاہی۔“

سُلین ٹھنڈ تو بالکل بھول ہی چکی تھی۔ پہلے جہاں وہ ٹھنڈ کی وجہ سے کپکپا رہی تھی۔ اب وہیں ابہتاج کی قربت نے اُس کے پورے وجود پر لرزاہٹ طاری کر دی تھی۔

”مگر مجھے چاہیے تمہاری ہیلپ۔ آئی نیڈ یو بیڈلی۔“

ابہتاج کا چہرہ سُلین کے چہرے کے نہایت قریب تھا۔ سُلین بالکل لال ہو چکی تھی۔ اس شخص کی قربت جان لیوا ثابت ہو رہی تھی اُس کے لیے۔ اُس نازک جان کے لیے یہ سب برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

مگر ابہتاج کا قریب آنا اُسے بُرا نہیں لگ رہا تھا۔ اُس کے گال شرم و حیا سے دھک اُٹھے تھے۔ اُس کی سانسوں میں ابہتاج لغاری کی خوشبو مہکنے لگی تھی۔ دھڑکنیں اُسی کی محبت کا راگ الاپنے لگی تھیں۔

”آپ پلیر دور رہیں مجھ سے۔“

سُلین کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔ وہ اتنی جلدی اس ساحر کے طلسم میں نہیں پھنسنا چاہتی تھی۔ مگر اب بُری طرح جکڑی جا چکی تھی۔

”نہیں رہ سکتا تم سے دور۔ ناممکن ہے یہ بات۔ سانسوں سے زیادہ ضروری ہے سُلین حبیب ابہتاج لغاری کے لیے۔ اپنی پوری زندگی میں کسی کو اتنی شدت سے کسی نے نہیں چاہا ہو گا۔ جتنا میں تمہیں چاہتا ہوں۔ بے پناہ محبت کرتا ہوں تم سے۔ مجھ سے دور جانے کی کوشش کبھی مت کرنا۔ کیونکہ ایسا میں کبھی ہونے نہیں دوں گا۔ اب ساری زندگی تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہو گا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔“

ابہتاج نجانے کس احساس کے تحت سُلین کے آگے اپنی جنونی محبت کا اظہار کر گیا تھا۔ شاید وہ اُسے باور کروانا چاہتا تھا۔ کہ اُس کی دور ہونے کی کوشش کرنا ناکام ہے۔

ابہتاج جیسے سرد و بے حس انسان کے لبوں سے ایسے الفاظ کا اظہار سننا نہایت ہی مشکل اور انوکھی بات تھی۔ مگر وہ ایسا کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ آگے درپیش آنے والے حالات سے اچھی طرح واقف تھا۔ کچھ بھی غلط ہونے سے پہلے وہ سُلین کو اپنے قریب کر لینا چاہتا تھا۔ تاکہ اگر وہ اُسے چھوڑ کر جانا بھی چاہے تو نہ جاپائے۔

”مگر ہمارا کانٹریکٹ ہوا ہے۔۔۔ آپ ایسا۔۔۔“

سُلین کے باقی الفاظ ابہتاج نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر وہیں روک دیئے تھے۔

”کاغذ کے ٹکڑے میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔“

ابہتاج نے شہادت کی اُننگی اُس کے ہونٹوں پر پھیرتے ہو جھل بھاری لہجے میں کہتے اُسے مزید کچھ بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

”آپ دھوکا کر رہے مجھ سے۔“

سُلمین کی ٹھنڈ تو کہیں دور ہی بھاگ چکی تھی۔ بلکہ اب تو ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندے نمودار ہو چکی تھیں۔ وہ کچھ اُلٹا سیدھا بول کر ابہتاج کی توجہ خود سے ہٹانا چاہتی تھی۔ مگر یہ شخص تو اُس کی قربت میں بہکتا ہی جا رہا تھا۔

ابہتاج کی محبت کے اظہار نے اُس کے دل میں پھول کھلا دیئے تھے۔ وہ اُسے کیا بتاتی وہ خود بھی اِس مضبوط پناہ گاہ سے دور نہیں ہونا چاہتی تھی۔

مگر اِس وقت جو کیفیت تھی اُس سے وہ بہت زیادہ گھبراہٹ کا شکار تھی۔ ابہتاج لغاری کی ایک شوخ نظر ہی بہت بھاری پڑتی تھی اُس پر۔ ابہتاج کا یہ انداز اُس کی جان نکال رہا تھا۔

"نہیں صرف محبت کر رہا ہوں۔"

ابہتاج اُس کے چہرے پر بکھرتے رنگ دیکھ چکا تھا۔ اُس کی نظریں سُلمین کے رسیلے سُرخ ہونٹوں پر تھیں۔ اِس سے پہلے کے وہ اُن سے کوئی گستاخی کر تا موبائل فون پر آتی کال نے اُن کے حسین پلوں میں خلل پیدا کر دیا تھا۔

ابہتاج کے چہرے سے لگ رہا تھا۔ اُسے اپنا ڈسٹرب کیا جانا کتنا بُرا لگا ہے۔ سُلمین فل وقت جان بخشی ہو جانے پر فون کرنے والے کی مشکور ہوئی تھی۔

ابہتاج کال اٹینڈ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر سکریں پر جگمگاتا نمبر اُسے ایسا کرنے کے لیے مجبور کر گیا تھا۔

وہ سُلمین کے قریب سے اُٹھتا کھڑکی کی جانب بڑھ گیا تھا۔ سُلمین نے بہت غور سے ابہتاج کے اچانک سے سرد اور وحشت ناک ہوتے تاثرات دیکھے تھے۔

”میں نے کہا تھا تمہیں۔ شدید نفرت کرتا ہوں تم سے۔ تمہارا نام تک نہیں سنا چاہتا۔ مگر لگتا ہے تم سے نرمی سے پیش آکر بہت غلط کیا ہے میں نے۔ تم اس قابل ہی نہیں ہو۔ میرے قریب آنے کی کوشش مت کرو۔ برباد کر کے رکھ دوں گا۔“

کچھ دیر پہلے جو شخص محبت کے خمار میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس وقت اُس کے لہجے میں نفرت کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ اُس کی پیشانی پر شکنوں کا جال بنا ہوا تھا۔

سُلین بہت غور سے اُس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی تھی۔ جو نوٹ کرتے ابہتاج رُخ موڑ گیا تھا۔

ابہتاج کی بات کے جواب میں فون کے سپیکر پر سسکیوں کی آواز اُبھری تھی۔ جس سے ابہتاج کو ایک پرسنٹ بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

”آئندہ اگر مجھے فون کرنے یا میرے گھر آنے کی کوشش کی تو میرے قہر سے تمہیں کوئی نہیں بچا پائے گا۔ سمجھی تم۔“

ابہتاج کھر درے نفرت آمیز لہجے میں کہتا فون بند کر گیا تھا۔ سُلین فاصلے پر ہونے کی وجہ سے اُس کی بات تو نہیں سن پائی تھی۔ مگر ابہتاج کے چہرے کے غضبناک تاثرات اُسے خوفزدہ کر گئے تھے۔

کمبل ہٹا کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“

سُلین کی آواز پر مٹھیاں بھیچے ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتے ابہتاج کے اعصاب ڈھیلے پڑے تھے۔ سُلین حبیب اُس کے پاس تھی۔ اپنی عزیز از جان ہستی کے قریب ہوتے ہوئے ضبط کھونا ابہتاج لغاری کو زیب نہیں دیتا تھا۔

جس شخص کی زندگی میں نفرت کرنے کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔ سلین حبیب کے آگے اُسکا ایک الگ ہی رُوپ تھا۔ جو شخص باقی دنیا والوں کے لیے درندہ، ظالم اور جابر شخص تھا۔ وہ سلین حبیب کے عشق میں پاگل ایک دیوانہ تھا۔ سلین کی جانب غصے بھری تیز نگاہ بھی ڈالنا اُسے گناہ لگتا تھا۔

اِس وقت بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ سلین کی ایک پکار پر ابہتاج اپنا غصہ بھول گیا تھا۔

”نہیں میں ٹھیک نہیں ہوں۔ بہت شدید بیمار کر دیا ہے تمہاری محبت نے مجھے۔ مریض بن گیا ہوں تمہارا۔“
ابہتاج کچھ فاصلے پر کھڑی سلین کے قریب آتے بولا۔ اُس کی گہری نگاہیں سلین کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔
”اور کسی چیز کا تو نہیں پتا مگر آپ کو فضول باتیں کرنے کی بیماری ضرور ہو گئی ہے۔ مجھے سخت نیند آرہی میں سونے لگی ہوں۔“

سلین اُس کی نظروں سے گھبراتی جلدی سے بیڈ پر چڑھ کر کمبل میں گھس گئی تھی۔ سلین کی یہ بچکانہ حرکت ابہتاج کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

سلین نے خود کو سر سے لے کر پیر تک کو ر کر لیا تھا۔ جیسے کسی بھی طرح ابہتاج کی نظروں سے بچنا چاہتی ہو۔
”مگر تمہیں تو ٹھنڈ کی وجہ سے نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ پھر اچانک کیسے آگئی۔“

ابہتاج کی آواز سلین کو اپنے بہت قریب سے محسوس ہو رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا وہ اُس کے پاس ہی کھڑا تھا۔
”اب ٹھنڈ نہیں لگ رہی۔ آپ پلیز سونے دیں مجھے۔“

سُلیں کمبل کو مضبوطی سے اپنی مٹھیوں میں جکڑے بولی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں ابہتاج کمبل کھینچ ہی نہ لے۔ اس بندے سے وہ کسی بھی چیز کی توقع کر سکتی تھی۔

ابہتاج نے اپنی حرکتوں سے اُس کی ٹھنڈ تو پہلے ہی بھگادی تھی۔

کافی دیر بعد خاموشی چھائے رہنے پر سُلیں کو یہی لگا تھا۔ کہ ابہتاج شاید پیچھے ہٹ گیا ہے۔ اُس نے کمبل پر گرفت نرم کرتی آنکھوں سے ہٹا کر باہر جھانکا تھا۔ سامنے کا منظر دیکھ اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ ابہتاج اُس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ سُلیں کے دیکھنے پر شوخ مسکراہٹ آنکھوں میں سجائے اُس کے اوپر جھکا تھا۔

”اگر دوبارہ ٹھنڈ لگے تو بتانا مجھے۔ ٹھنڈ ختم کرنے کے ساتھ ساتھ سلانا بھی بہت اچھے سے آتا ہے مجھے۔“

ابہتاج اُس کے ماتھے اور گال پر اپنا لمس چھوڑتا پیچھے ہٹ گیا تھا۔ جب سُلیں ساکت سی اُسے دیکھے گئی تھی۔ جو اُس کے دل کی دنیا میں طوفان برپا کر تابید کی دوسری طرف جا کر سو گیا تھا۔ سُلیں کو جب لگتا تھا۔ وہ ابہتاج لغاری کو سمجھنے لگی ہے۔ پھر کچھ ایسا ہو جاتا تھا۔ کہ وہ اپنے دماغ کو الجھن میں مبتلا ہونے سے روک نہیں پاتی تھی۔

وہ جاننا چاہتی تھی ابھی کچھ دیر پہلے ابہتاج کس سے بات کرتے غصے سے بھر گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں بھڑکتے شعلے نظر انداز کرنے والے بالکل بھی نہیں تھے۔

اُس نے ایک نظر اپنے سے کچھ فاصلے پر کروٹ کے بل سوئے ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔ اُس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ وہ ابہتاج کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی تھی۔ مگر اُس سے ایسا کوئی بھی سوال پوچھنے کی ہمت نہیں کر پار ہی تھی۔

ابہتاج کے اتنے نرم رویے کے باوجود ڈرتی تھی وہ اُس سے۔



دل نے آنکھیں کھولتے حسبِ عادت انگڑائی لینی چاہی تھی۔ مگر وہ ایسا نہیں کر پائی تھی۔ اُسے خود پر کوئی وزنی سا بوجھ محسوس ہوا تھا۔

ایک ہی جھٹکے سے اُس کا غافل زہن بیدار ہوا تھا۔ اپنے اوپر رکھے مضبوط کسرتی بازو اور آدھے سے زیادہ خود کو اس شخص کے نیچے قید دیکھ اُس کی سانس سینے میں اٹکی تھی۔ چہرہ نہ دیکھ پانے کے باوجود وہ زورین شاہ کی خوشبو سے اچھی طرح واقف تھی۔ اور یہ بھی جانتی تھی کہ اُس کے علاوہ اس روم میں آنے کی کوئی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔

زورین کی گرم سانسیں اپنے ماتھے پر محسوس کرتے اُس نے اُس کے حصار سے نکلنا چاہا تھا۔ مگر وہ نازک جان زورین کا خود پر رکھا بازو بھی نہیں ہٹا پائی تھی۔

یہ سوچ کر اُس کی دھڑکنوں نے الگ اُدھم مچا رکھا تھا۔ کہ وہ صوفے سے بیڈ پر زورین کی بانہوں میں آئی کیسے تھی۔ جب اچانک رات کو اپنا زورین کے سینے سے لگ کر رونے والا واقع یاد کرتے وہ خود کو ڈھیروں گالیوں سے نواز گئی تھی۔ آخر کیوں وہ اس شخص کے آگے کمزور پڑی تھی۔ پتا نہیں اب پھر وہ اُس کا کتنا مذاق بناتا۔ اُس کے آنسوؤں کو نلک کا نام دے کر نجانے پھر کونسا الزام لگاتا۔

ابھی وہ اپنی انہیں سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔ جب تکیے کے نیچے وائبریٹ ہوتے موبائل فون نے اُسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

زورین کے اٹھنے سے پہلے ہی اُس نے جلدی سے فون آن کرتے کان سے لگایا تھا۔

مگر دوسری جانب سے ملنے والی خبر نے اُس پر سکتا طاری کر دیا تھا۔ اُس نے غصے اور دکھ بھری آنکھوں سے اپنے بے حد قریب موجود شخص کو دیکھا تھا۔

”سویرا تم پلیز رومت۔ میں کچھ کرتی ہوں۔“

سویرا کی روتی آواز سن کر وہ خود بھی روہانسی ہوئی تھی۔

زورین شاہ نے اُس کے گھر والوں سے فیکڑیاں چھین لی تھیں۔ اُس لی دی گئی مہلت سے ٹائم اوپر ہو چکا تھا۔ وہ لوگ تو زورین سے رشتہ جڑ جانے کی وجہ سے ریلیکس ہو گئے تھے۔ اُنہیں بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ زورین اب بھی ایسا کچھ کرے گا۔

”دل تم پلیز زورین بھائی سے بات کرو۔ وہ ایسا کیسے کر سکتے۔ اگر یہ خبر میڈیا تک پہنچ گئی تو بہت بدنامی ہوگی۔ ہم لوگ روڈ پر آجائیں گے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔“

سویرا بُری طرح رو رہی تھی۔ جسے سن کر دل کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو چکے تھے۔ چاہے اُس کے بڑوں نے اُس کے ساتھ جیسا بھی سلوک کیا تھا۔ مگر وہاں بہت سے ایسے لوگ بھی رہتے تھے۔ جو اُس کے دل کے انتہائی قریب تھے۔ جن کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔

سویرا کو تسلی دیتے اُس نے فون بند کر دیا تھا۔ اور غصے سے پاگل ہوتے زورین کا بھاری ہاتھ اپنے اوپر سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

”چھوڑیں مجھے۔۔۔ مسٹر زورین شاہ۔ میرے گھر والوں کو اتنی تکلیف میں مبتلا کر کے۔ آپ چین کی نیند نہیں سو سکتے۔“

دل اُس کے سینے اور کندھے پر پہنچ کرتی اُس کے حصار سے نکلنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ زورین کی نیند تو اُس فون کال نے ہی خراب کر دی تھی۔ جاگ چکا تھا۔ اور اب دل کی ساری حرکتیں ملاحظہ کر رہا تھا۔ اپنی نیند خراب کرنے والے انسان کو چھوڑتا نہیں تھا وہ۔ اب دل کی بھی خیر نہیں ہونے والی تھی۔



”قاسم یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہمارا ہر پلان ناکام کیوں ہو رہا ہے۔ ہر بار ابہتاج لغاری کا بازی جیتنا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ کچھ کرتے کیوں نہیں ہوتے۔“

قاسم سپیکر سے اُبھرتی جھنجلائی آواز سن کر مسکرایا تھا۔

”بڑی کامیابی تک پہنچنے کے لیے ان چھوٹی موٹی ناکامیوں کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔“

قاسم کا پر سکون انداز مقابل کو ٹھٹھکا گیا تھا۔

”کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔“

دوسری جانب سے سوال کیا گیا تھا۔

”میں نے ابہتاج لغاری کی زندگی کی تمام حقیقت سُلین حبیب کے نام پر کوریئر کر دی ہے۔ جسے جاننے کے بعد وہ اُس شخص

کے ساتھ رہنا تو دور کی بات اُس کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گی۔“

قاسم زہر خند لہجے میں بولتا دوسری جانب موجود انسان کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔

”ویلڈن میں نے ابھی یہی کہنے کے لیے کال کی تھی۔ ابہتاج لغاری کو بھی سمجھ جانا چاہیے، اب ہم کمزور نہیں ہیں۔ اُس کی بہت بڑی کمزوری ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اب وہ ہم سے نہیں جیت سکتا۔“

قاسم کی بات نے اُنہیں بہت خوش کیا تھا۔

”اپنی محبت حاصل کر کے وہ جتنا مضبوط ہوا ہے۔ اُس کی اصلیت جان کر جب یہی محبت اُسے دھتکار کر جائے گی۔ تو تب شروع ہو گا ہمارا اصل کھیل۔ میں جانتا ہوں ابہتاج اس کے بعد ایسا ٹوٹے گا۔ کہ ہم سے مقابلہ کرنا تو دور کی بات۔ وہ خود کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہے گا۔ کیا پتا اپنے جنونی غصے میں آکر اپنے ہاتھوں اپنی محبت کا قتل ہی نہ کر دے۔ غصے میں آکر لوگوں کو قتل کرنا تو بہت آسان ہے نا۔ اب میں دیکھتا ہوں کیا کرے گا ابہتاج لغاری۔ مار پیٹ اور دوسروں کو ذلیل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں سیکھا ابہتاج لغاری نے۔ اب بہت جلد اُس کا اصلی چہرہ اُسٹلین کے سامنے آجائے گا۔“

پھر ان دونوں کو برباد کر کے رکھ دوں گا میں۔ جو میرے خاندان کی بربادی کا سبب بنے ہیں۔ نہیں چھوڑوں گا ان کو میں۔“

قاسم کے دل میں لگی آگ مقابل کی آنکھوں میں بھی شعلے بھڑک اُٹتی تھی۔ پہلے ابہتاج لغاری کا سزائے موت ہونے کے بجائے قید ہونا۔ پھر اُس کا رہا ہونا۔ اور اپنی خوشحال محبت بھری زندگی شروع کرنا یہ سب دیکھنا اُن لوگوں کے بس سے باہر تھا۔ وہ اب ابہتاج لغاری کی ہر زیادتی کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

★★★★★★★★

”میں نے کہا چھوڑیں مجھے۔“

دل زورین کی گرفت سے نکلنے کے لیے مزاحمت کیے جا رہی تھی۔ کچھ دیر خفگی سے اُسے گھورنے کے بعد زورین نے اُس کی دونوں کلاںیاں تھام کر تکیے پر رکھتے اُسے اپنے قبضے میں لیتے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اس لڑکی کی وجہ سے وہ پہلے ہی رات کو لیٹ سویا تھا۔ اب صبح صبح پھر دل نے اُس کی نیند کا ستیاناس کر دیا تھا۔

”تمہارے ساتھ پراللم کیا ہے۔ تم سکون سے سو بھی نہیں سکتی۔ یہ کونسا ٹائم ہے اُٹھ کر لڑنے کا۔ خبردار جواب ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔“

زورین اُس کو اُسی طرح اپنے حصار میں قید کیے، اُس کے بالوں میں منہ دیئے آنکھیں موند گیا تھا۔ اب دل اُس کے چوڑے وجود کے نیچے بالکل دب چکی تھی۔ زورین کا یہ نیا انداز دیکھ کر اُس کی حیرت کے مارے آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ سینے میں الگ ہی شور برپا ہو چکا تھا۔ زورین شاہ جسے وہ ٹوٹ کر چاہنے لگی تھی۔ وہ اُس کے قریب تھا۔ اُسے اپنی قربت بخش رہا تھا۔ رات کو ایک مہربان ساتھی کی طرح اُس کا اتنا خیال رکھا تھا۔ دل سمجھنے سے قاصر تھی۔ یہ سب سچ تھا یا کوئی خوبصورت فریب جس میں پھنس کر ہمیشہ کی طرح خسارہ اور دل کا درد اُسی کے حصے میں آتا تھا۔

زورین کی سانسیں اُسے اپنی گردن پر محسوس ہو رہی تھیں۔ اُس کے لیے یہ سب برداشت کرنا بہت زیادہ تھا۔ ”پپ پلینز،۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں جانتی ہوں، آپ کسی کو معاف نہیں کرتے۔ میں نے آپ کی نیند خراب کی ہے۔ آپ یہ سب کر کے اُسی کی سزا دے رہے ہیں نا مجھے۔“

زورین جو دل کی مسحور کن خوشبو سانسوں میں بسا تارات کی طرح ایک بار پھر ایک بھر پور پر سکون سی نیند لینے کا تمنائی تھا۔ دل کی بات نے اُس کی نیند بھگ سے اڑا دی تھی۔

یہ لڑکی اس عنایت اور نرمی کے قابل ہی نہیں تھی۔ وہ اُس کے قریب آنے کو اپنی سزا سمجھ رہی تھی۔ اس بات نے زورین کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ رات کو اُس کے دل میں اس لڑکی کے لیے جو سافٹ کارنر بنا تھا۔ اُسے یہ لڑکی اپنے ہاتھوں گنوا گئی تھی۔

”ہاں اُسی کی سزا دے رہا ہوں۔ تاکہ آئندہ ایسی گستاخی کرنے سے پہلے ہزار بار سوچو تم۔“

زورین نے چہرہ اٹھاتے دل کی نم آلود آنکھوں میں جھانکا تھا۔ زورین کی قربت پر اُس کا چہرہ خون چھلکا رہا تھا۔ زورین گہری نظریں محسوس کرتے وہ گھبراہٹ کے مارے اپنے لب کاٹنے لگی تھی۔

جوابت زورین کو مزید غصہ دل گئی تھی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر دل کے ہونٹوں کو اس ظلم سے آزادی بخشی تھی۔ مگر دل بھی اُس پر شدید غصے میں تھی۔ اُس نے فوراً زورین کا ہاتھ جھٹکتے اپنا کام جاری رکھا تھا۔

”مجھے کوئی شوق نہیں آپ کے قریب آنے یا آپ کی نیند خراب کرنے کا۔ آپ کیوں لے کر آئے مجھے یہاں۔ اور یہ

سب، کیا مقصد ہے اس سب کا۔“

زورین کے جواب نے دل کی کچھ دیر پہلے والی غلط فہمی دور کر دی تھی۔ یہ سب وہ اُس کی چاہت میں نہیں بلکہ اُس کی غلطی کا جواب دینے کے لیے کیا تھا۔ دل نے اُس کے بے حد قریب ہونے کی جانب اشارہ کرتے کہا تھا۔ اگر دل غصے میں تھی۔ تو اُس کی باتوں سے زورین ڈبل غصے میں آچکا تھا۔

”نکلے نا آپ بھی وہی نفس پرست کمزور مرد۔ جو پورا دن سب کے سامنے اپنی بیوی کی عزت دو کوڑی کی کر کے، اُسے

دھتکار تار ہتا ہے۔ اور رات کو نفس کا غلام بن کر اُسی کے قرب کی۔۔۔۔۔“

دل اُس کی رات والی باتوں اور جو کچھ وہ اُس کے گھر والوں کے ساتھ کر رہا تھا۔ اُس پر غصے سے پاگل ہو چکی تھی۔ اور اب سے بڑی بات جس نے اُسے بالکل آؤٹ آف کنٹرول کر دیا تھا۔ وہ تھی اتنے قریب آکر بھی زورین کا اُس کو ویسے ہی بے وقعت کر دینا۔ وہ نہیں سمجھ پائی تھی۔ جذبات میں آکر وہ زورین کو کس قدر غلط بول گئی ہے۔

وہ تو ابھی مزید بھی نجانے کیا کچھ بول دیتی، اگر غضبناکی کہ انتہاؤں پر پہنچتے زورین اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے خاموش نہ کروا دیتا۔

”تم جانتی بھی ہو کس قدر گھٹیا بکواس کر رہی ہو تم۔ میں نفس کا غلام کمزور شخص ہوتا تو اب تک تم اس طرح نظریں ملا کر مجھ سے ایسے سوال نہ کر رہی ہوتی۔ مگر لگتا ہے تمہیں ایک بار تو بتانا ہی پڑے گا۔ نفس کا پجاری عورت کو صرف ایک ہی مقصد کے لیے اپنے قریب کرنے والا شخص کیسا ہوتا ہے۔“

زورین کے دل پر اُس کی باتیں تیر بن کر چبھی تھیں۔ اُسے خود پر سب سے زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ بھلا کسی کو اپنے دل میں اتنی اہمیت دینے کا سوچا بھی کیوں تھا اُس نے۔ یہ لڑکی اس قابل بالکل بھی نہیں تھی۔

زورین کے الفاظ اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ بن کر اترے تھے۔ اُس نے خوفزدہ نظروں سے زورین کی جانب دیکھا تھا۔

جو اُس کی ٹھوڑی اوپر کرتا اُس کی گردن پر جھکا تھا۔ دل کی سانس حلق میں ہی اٹک گئی تھی۔ اپنی گردن پر زورین کا دکھتا جھلساتا لمس محسوس کرتے دل کو لگا تھا اُس کی سانس نکل جائے گی۔

اُس نے زورین سے اپنی کلائیاں آزاد کروانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ مگر ناکام رہی تھی۔ اس سے پہلے کے شدید غصے کے زیر اثر زورین مزید کوئی گستاخی کرتا۔ دل کی آنکھوں سے بہتے سیلاب کی نمی اُسے واپس کھینچ لائی تھی۔ چاہنے کے باوجود وہ اس لڑکی کے ساتھ کچھ غلط نہیں کر پایا تھا۔

”کیا ہوا اتنی جلدی ہار مان گئی۔ ابھی تو اس نفس کے پجاری شخص کا ایک وار بھی برداشت نہیں کیا تم نے۔ ابھی تو تمہاری کسی ایک بات کا جواب نہیں دیا میں نے۔“

دل کا چہرہ اپنے بے حد قریب کرتے بولتا وہ اُسے بُری طرح سہا گیا تھا۔ دل کو بہت جلد ہی احساس ہو چکا تھا۔ کہ وہ کس قدر غلط بول چکی ہے۔ جو بات کوئی عام مرد خود کے لیے سنا گوارہ نہیں کرتا۔ دل نے وہی بات دنیا کے سب سے زیادہ گھمنڈی اور خود پسند انسان زورین شاہ کو بول دی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایسا نہیں ہے۔ اُس پر پورا حق ہونے کے باوجود اُس نے لمٹس کر اس کرنا تو دور کی بات، لمٹ میں رہ کر بھی اُس پر اپنا حق استعمال نہیں کیا تھا۔

”آج جو الفاظ تم نے بولے ہیں۔ اُس کے بعد سے تم نے اپنی زندگی خود پر مزید تنگ کر لی ہے۔ میں لائف میں غلطیاں نہیں کرتا مگر تم پر اتنے دن رحم کھا کر اپنی لائف کی پہلی اور سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ جسے اب بہت اچھے سے سدھاروں گا میں۔ آج رات تیار رہنا تمہیں بتاؤں گا۔ کہ ایک روایتی مرد کیسا ہوتا ہے۔“

زورین زہر خند لہجے میں بولتا اُس کے قریب سے اُٹھ گیا تھا۔ دل کتنے ہی لمحے اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پائی تھی۔ وہ جانتی تھی اُس نے زورین کو غصے میں بہت غلط کہہ دیا تھا۔ مگر زورین بھی تو اُسے اب تک نجانے کیا کچھ کہتا آیا تھا۔ اب جب خود پر بات آئی تھی تو اتنا غصہ کیوں آرہا تھا۔

وہ جذباتی بن اور اپنی دلی کیفیت کے زیرِ اثر اس وقت اپنی غلطی نہیں دیکھ پارہی تھی۔ زورین نے اُسے جتنا غلط بھی بولا مگر آج تک اُس کے کردار پر سوال نہیں اٹھایا تھا۔ مگر وہ بنا کسی ریزن کے زورین کو بہت غلط بول گئی تھی۔

وہ بیڈ سے اٹھی تھی۔ جب زورین آفس کے لیے تیار ڈریسنگ روم سے باہر نکلتا تھا۔ شاید اُس کی کوئی مینٹنگ تھی اس لیے وہ دل سے اپنے حساب واپس آکر پورے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

زورین کو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے بال بناتے دیکھ دل کو اچانک سویرا کی کچھ دیر پہلے کی گئی فون کال یاد آئی تھی۔ جس پر دوبارہ غصے میں آتے وہ زورین کی جانب بڑھی تھی۔

”آپ میری فیملی کے ساتھ اتنا غلط نہیں کر سکتے۔ اُن کی فیکٹریز واپس کر دیں اُنہیں۔ دوسروں کی زندگیوں میں مشکلات پیدا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں آتا آپ کو۔“

دل جانتی تھی فیکٹریز ہی واحد معاشی ذریعہ تھا اُس کے گھر والوں کا۔ جن کے چھن جانے کے بعد وہ روڈ پر آسکتے تھے۔ دل کے لہجے میں ابھی بھی ویسی ہی اکڑ اور دھونس زورین کو مزید آگ لگا گئی تھی۔ وہ واپس پلٹا تھا۔

”ابھی یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس سے کہیں زیادہ مشکلات تمہاری اور تمہارے گھر والوں کی راہ میں لانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مجھے سکون تب ہی ملے گا جب میں اُن سب کو برباد کر کے رکھ دوں گا۔“

زورین کی آنکھوں میں اپنے لیے بے انتہا سرد بن اور غصہ دیکھ دل کے منہ سے بے آواز سسکی نکلی تھی۔ اُسے اس شخص کی محبت چاہئے تھی۔ نفرت نہیں۔ آج تک اُسے ہمیشہ ہر طرف سے نفرت اور دھتکار ہی ملی تھی۔ مگر اُس نے کبھی اُن کی

محبت حاصل کرنے کی خواہش یادعا بھی نہیں کی تھی۔ مگر زورین شاہ ایسا اُس کے دل و جان میں بس چکا تھا کہ وہ ہر نماز میں اپنے رب سے اُسے مانگنے لگی تھی۔

لیکن دوسری جانب اپنی ہی بے وقوفیوں سے اُسے خود سے دور بھی کیے جا رہی تھی۔
”آپ ہمیں برباد کیوں کرنا چاہتے ہیں۔“

دل نے پہلے دن سے اپنے دماغ میں گھومتا سوال پوچھ ہی لیا تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی آخر زورین اُسے اور اُس کے گھر والوں کو اتنا ناپسند کیوں کرتا تھا۔

”کیونکہ میں شدید نفرت کرتا ہوں۔ تمہارے گھر والوں سے بھی اور تم سے بھی۔ تمہارے خاندان والوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرے اتنے سال جس تکلیف میں گزرے ہیں۔ اُس کے ایک ایک پل کا حساب دینا ہو گا تم لوگوں کو۔“

زورین سختی سے اپنی مٹھیاں بھینچے اُس کی آنسوؤں سے تر آنکھوں میں اپنی لال نظریں گاڑھے اُس کو اندر تک کانپنے پر مجبور کر گیا تھا۔

جبکہ دل اُس کے غضبناکی پر سن سی رہ گئی تھی۔ اُس کی فیملی والوں نے زورین جیسے شخص کے ساتھ آخر ایسا کیا کیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اُن سے اتنی نفرت کرتا تھا۔

★★★★★★

سُلیمن اور ابہتاج صبح ہی مری سے لاہور واپس آ گئے تھے۔ ابہتاج کا وہاں سٹے ہمیشہ ایک دن کا ہی ہوتا تھا۔

ابہتاج اپنے روم میں آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ جبکہ سُلین ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھی اُس کا انتظار کیے بغیر جلدی جلدی ناشتہ کر رہی تھی۔ کل سے ابہتاج کی اپنے قریب موجودگی اور اُس کی پوری توجہ خود پر ہونے کی وجہ سے سُلین کے حواس معطل ہی رہے تھے۔ اُس شخص کی گہری لوح دیتی نظروں سے گھبرا کر وہ ٹھیک سے کھا بھی نہیں پائی تھی۔ اس لیے اب پورے زور و شور سے کھانے میں مصروف تھی۔

کچھ دیر بعد اُسے ابہتاج سیڑھیاں اترتا دیکھائی دیا تھا۔ جو س کے گلاس کی جانب ہاتھ بڑھاتے اُسے کا ہاتھ لرز اٹھا تھا۔ وہ خود پریشان تھی کہ اس ساحر کے ساتھ وہ اپنی پوری زندگی کیسے گزار پائے گی۔ جس کی ایک نظر ہی اُس پر لرز طاری کر دیتی تھی۔

”مجھے بھی جو س پینا ہے۔“

سُلین کے ساتھ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ابہتاج نے اُس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے اپنی فرمائش ظاہر کی تھی۔

”جی سر جو س؟؟؟“

ملازمہ خاصی حیران ہوئی تھی۔ کیونکہ ابہتاج کو جو س بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ بلکہ اُسے تو کوئی بھی میٹھی چیز پسند نہیں تھی۔ مگر ابہتاج نے ملازمہ کی بات کا جواب دیئے بغیر اُسے وہاں سے جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔

”مجھے یہ والا جو س پینا ہے۔“

ابہتاج کی شوخ نظریں سُلین کے گلاس پر تھیں۔ جو اپنے گلاس میں موجود آدھا جو س پی چکی تھی۔

”مگر یہ میرا جھوٹا ہے، میں آپ کو اور لادیتی ہوں۔“

ابہتاج ٹیبل پر بازو پھیلائے اُس کی کرسی کی جانب بالکل جھکا ہوا تھا۔ اُس کی نظریں اپنے ہونٹوں کے اوپر لگے جو س پر محسوس کرتے سُلین نے جلدی سے لُشو پیپر کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ مگر اُس سے بھی پہلے ابہتاج نے اُس کی ٹھوڑی تھامتے انگوٹھے کی مدد سے اُس کا جو س صاف کر دیا تھا۔ سُلین کے ہاتھ میں گلاس لرز اٹھا تھا۔

کیونکہ ابہتاج نے ہاتھ ابھی بھی ہٹایا نہیں تھا۔ اُس کا انگوٹھا سُلین کے ہونٹ کے اوپری حصے پر موجود قتل کو چھو رہا تھا۔ سُلین میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ کہ وہ اُسے خود سے دور کر پاتی۔

سُلین کو خود پر بہت حیرت ہونے لگی تھی۔ وہ ایسی تو کبھی نہیں تھی۔ اتنے سال اُس نے اکیلے نہ صرف خود کو بلکہ اپنے ریسٹورنٹ کو بھی بہت اچھے سے سنبھالا تھا۔ کسی کی جرأت نہیں تھی۔ اُس کے آگے بولنے یا اُس کو کسی قسم کا آرڈر دینے کی۔ سُلین ہمیشہ سے ایک کانفیڈنٹ لڑکی رہی تھی۔ مگر ابہتاج لغاری نے آتے ساتھ ہی اُس کج بینڈ بجا دی تھی۔

اپنے پورے سٹاف کو اپنے اشاروں پر چلانے والی اب خود ہی ابہتاج لغاری کی آنکھوں کے اشاروں پر چلنے لگی تھی۔ ابہتاج لغاری کی سحر انگیز شخصیت کے آگے بڑے بڑے گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔ وہ تو پھر ایک نرم دل جذبوں سے گندھی ایک نازک سی لڑکی تھی۔ مگر ان سب میں سے اہم بات ایک یہی تھی۔ کہ وہ ابہتاج لغاری کے آگے اُس کی شخصیت کی وجہ سے زیر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس سرد و سپاٹ بندے کی محبت بھرے انداز نے زیر کیا تھا اُسے۔

ابہتاج نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے اُسے جو س پلانے کا اشارہ کیا تھا۔ ابہتاج کا ہاتھ اب اُس کی گال پر ٹکا ہوا تھا۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ ملازمین میں سے کوئی بھی یہاں آسکتا ہے۔ پلیز دور رہیں۔“

سُلین نے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے اُس کی جانب جوس کا گلاس بڑھاتے اُسے اپنی شوخ جساتوں سے باز رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

جس پر حیرت انگیز طور پر ابہتاج لغاری باز بھی آگیا تھا۔

وہ شرافت کا مظاہرہ کرتا اُس کے ہاتھ سے جوس پینے لگا تھا۔ گلاس بار بار ہلتا دیکھ سُلین کے ہاتھوں کی لرزش محسوس کرتے ابہتاج نے اُس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ جوس پلانے کے لیے سُلین ہلکا سا ابہتاج کے قریب جھکی ہوئی تھی۔ اپنی پوزیشن کا خیال کرتے اُس کا چہرہ بالکل لال ہو چکا تھا۔ ابہتاج نے اُس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اس لیے وہ پیچھے بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اوپر سے جوس کا آدھا گلاس ابہتاج جیسے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر کر پی رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر یہی لگ رہا تھا۔ آج رات تک تو وہ اسے بمشکل ختم کر پائے گا۔

”میرے خیال میں آپ کو آفس جانا تھا۔“

سُلین اچھے سے سمجھ رہی تھی۔ وہ صرف اُسے تنگ کر رہا ہے۔ اُس نے جس طرح دانت پیس کر یہ بات کہی تھی۔ ابہتاج اپنا قہقہہ نہیں روک پایا تھا۔

سُلین مبہوت سی اُس کا یہ نیاز وپ دیکھے گئی تھی یہ شخص ہنستے ہوئے کس قدر پیارا لگتا تھا۔ اُس کی یہ خوبصورت گہری آنکھیں وحشت سی سبھی نہیں بلکہ خوشی سے جگمگاتی حسین لگتی تھیں۔ سُلین نے اُس لمحے دل سے یہ ہنسی ہمیشہ قائم رہنے کی دعا کی تھی۔

وہ بھول چکی تھی کہ اس وقت وہ اُس کے کتنے قریب بیٹھا اُسے کس قدر غور سے دیکھ کے ہے۔ وہ ہر لحاظ و شرم سائیڈ پر رکھتی ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ سجائے اُسے دیکھے گئی تھی۔

”لگتا ہے میری بیوی کو مجھ پر بہت پیار آرہا ہے۔“

ابہتاج نے اُس کے چہرے پر آئے بالوں کو اُنکلی پر لپیٹتے انتہائی قریب ہو کر اُس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔
سُلین ہوش کی دنیا میں لوٹتی فوراً گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے۔“

سُلین نے اپنے اوپر ایسا کوئی الزام نہیں آنے دیا تھا۔

”ہا ہا ہا ہا میں جانتا ہوں۔ ابھی میں اتنا خوش نصیب بھی نہیں ہوں۔“

اب کی بار ابہتاج کی ہنسی میں ایک عجیب سا خالی پن تھا۔ سُلین نے ٹھٹھک کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔
”تھینکس مائی لو۔ آج پورے سات سال بعد مجھے میرا ہی قہقہہ سنوانے کے لیے۔ میری زندگی کی واحد خوشی ہو تم۔ کبھی مجھ سے دور مت جانا۔“

ابہتاج سُلین کے ماتھے پر بوسہ دیتے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ جبکہ سُلین اُس کی سات سال والی بات پر مزید اُلجھی تھی۔ اس سے پہلے کے وہ کچھ پوچھتی۔ ملازمہ نے ڈائینگ ہال کا دروازہ بجاتے اُن دونوں کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

”سروہ مسز لغاری ملنے آئی ہیں آپ سے۔ میں نے بہت روکنے کی کوشش کی انہیں مگر وہ بضد ہیں کہ آپ سے ملے بغیر نہیں جائیں گی۔ اور بہت رو بھی رہی ہیں۔“

ملازمہ کاسلین کے سامنے اس طرح سب بول دینے پر ابہتاج اُسے سخت نظروں سے سرزنش کرتے واپس بھیج دیا تھا۔

جبکہ مسز لغاری کا نام سن کر وہ واپس پہلے والا ابہتاج لغاری بن گیا تھا۔

”یہ ملازمہ کس کی بات کر رہی تھی۔“

سُلین نے سوالیہ نظروں سے ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔

”کوئی نہیں ہے وہ۔ کوئی بھی نہیں۔ تم کافی تھک گئی ہو گی۔ جاؤ جا کر فریش ہو جاؤ اور آرام کرو۔“

ابہتاج سُلین کو کندھوں سے تھام کر سرد لہجے میں بولا تھا۔ سُلین اچانک ابہتاج کے اس بدلتے انداز پر حیرت زدہ سی اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پائی تھی۔ جن آنکھوں میں کچھ دیر پہلے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر آباد تھا۔ وہاں اب نفرت کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ سُلین بہت چاہنے کے باوجود ابہتاج سے کچھ بھی پوچھنے کی ہمت نہیں کر پائی تھی۔ وہ خاموشی سے ابہتاج کی بات مانتی اپنے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

★★★★★★

”دیکھا دی نا تم نے اپنی اصلیت۔ لے لیا نا ہم سے بدلہ آخر۔ ہمارے سارے احسان بھول گئی تم۔“

رقیہ بیگم دل پر بُری طرح برس رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں گھر کے سبھی لوگ جمع تھے۔ جن سب کے آگے دل سر جھکائے مجرموں کی طرح کھڑی تھی۔ جیسے یہ سب اُسی نے کیا ہو۔

زورین نے آفس جانے کے بعد اُسے کال کی تھی۔ کہ وہ اُس کی اجازت کے بغیر اپنے میکے نہیں جائے گی۔ دل تو پہلے ہی یہاں آنے کے لیے تیار تھی۔ زورین کی ضد میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر کیے بغیر وہ گھر سے نکل آئی تھی۔ مگر یہاں آکر گھر والوں نے تو اُسے اپنی ٹھوکروں پر ہی رکھ لیا تھا۔

سب اُسے ہی الزام سے رہے تھے۔ کہ وہ زورین کو روک سکتی تھی۔ مگر اُس نے جان بوجھ کر نہیں روکا۔ ہمیشہ اُسے سپورٹ کرنے والیں۔ اُس کی ہر بات پر یقین کرنے والے اُس کی بہنوں جیسی کزنز بھی آج خاموش سی ایک کونے میں کھڑی تھیں۔

بے شک وہ باقی سب گھر والوں کی طرح اُس پر الزام نہیں لگا رہی تھیں۔ مگر اُن کی آنکھوں میں موجود بگ اعتباری دل کو لہو لہان کر گئی تھی۔

زورین شاہ کے لیے اُس کا غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔

”پھوپھو پلیمز میرا یقین کریں۔ میں نہیں جانتی تھی زورین ایسا کچھ کر رہے ہیں۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں ایسا کبھی نہ ہونے دیتی۔“

دل اُن سب کو یقین دلانے کی کوشش کرتے بولی۔

”اب تو پتا چل چکا ہے۔ ابھی بھی سب کچھ تمہارے شوہر کے ہاتھ میں۔ وہ چاہے تو اب بھی اب کچھ بالکل ٹھیک کر سکتا ہے۔ ابھی بات کرو زورین شاہ سے۔ ماہرانی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ اُس نے تمہیں اپنے محل کی۔ اتنی تو تمہاری بات سننے کا ہی۔“

رقیہ بیگم کی نظریں اُس کی کلائیوں میں موجود گولڈ کے بھاری کنگھن، کانوں اور گلے میں موجود ڈائمنڈ سیٹ پر تھیں۔ جو سب منزہ نے یہاں آتے زبردستی اُسے پہنایا تھا۔ اُن کی نظروں سے تو ابھی وہ اتنی بڑی شاندار گاڑی نہیں ہٹ رہی تھی۔ جس پر دل یہاں آئی تھی۔

جس لڑکی کو وہ اپنی نوکرانی بنا کر رکھنا چاہتی تھیں۔ اُسے یوں عیش کرتے دیکھ اُن کے دل پر چھڑیاں چلنے لگی تھیں۔ ”پھوپھو ٹھیک کہہ رہی ہیں دل۔ تم ایک بار بات تو کرو اپنے شوہر سے۔ جو شخص تمہیں اتنی اہمیت دیتا ہے وہ تمہاری بات مان جائے گا۔“

نرین نے بھی اُس کی جانب دیکھتے بہت عجیب لہجے میں بات کی تھی۔ جبکہ اُس کا دل چاہتا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ کیا اس دنیا میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں تھا۔ جو اُسے سمجھ پاتا۔ وہ کیسے بتاتی اُن سب کو۔ کہ زورین شاہ کے آگے اُس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ اُس سنگدل اور بے حس انسان کے لیے کسی کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ جب وہ اُسے بیوی مانتا ہی نہیں تھا۔ تو بھلا کیسے اُس کی بات کو اہمیت دیتا۔ دل اُسی طرح سب کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ جب اُس کی نظر اپنے موبائل سکرین پر پڑی تھی۔ زورین اُسے کال کر رہا تھا۔ موبائل سائلنٹ موڈ پر ہونے کی وجہ سے وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔

اُس کا دل زورین شاہ کا نام دیکھ کر ہی دھڑک اُٹھا تھا۔ وہ جانتی تھی زورین کو اب تک اُس کے یہاں آنے کا پتا چل چکا ہو گا۔ ”ضرور اب کوئی نئی سزا سنانی ہوگی۔ اپنی بات نہ مانی جانے پر۔“

دل تصور میں اُس کا غصے سے سُرخ چہرہ سوچتی اتنی دور ہوتے ہوئے بھی خوفزدہ سی ہوئی تھی۔

”دل بات کرو گی نا تم زورین بھائی سے۔“

سویرا نے اُس کے ہاتھ تھامتے اُمید بھری نظروں سے دیکھتے پوچھا تھا۔

”سویرا وہ۔۔۔۔۔“

اُس کے ہونٹ پھڑپھڑائے تھے۔ وہ کیسے بتاتی اُنہیں۔ اُس شخص کے لیے وہ اتنی اہمیت کی حامل نہیں تھی کہ وہ اتنے آرام سے اُس کی اتنی بڑی بات مان جاتا۔ آج صبح ہی تو وہ اپنی شدید نفرت کا اظہار کر کے گیا تھا وہ۔

”پلیز۔۔۔۔۔ ہماری خاطر دل پلیز۔۔۔ آج تک تم سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ ہمیشہ گھر والوں سے تمہاری خاطر لڑی ہیں۔ کیا اُس سب کے بدلے تو اتنا بھی نہیں کر سکتی ہمارے لیے۔“

سویرا کی بات پر دل نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں زخمی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ بھلا کیسے بھول سکتی تھی۔ اس دنیا میں ہر انسان خود غرض تھا۔ سب کو صرف اپنی خوشیوں، اپنی زندگی کی پرواہ تھی۔ اُسے اب تک یہی لگتا آیا تھا کہ کسی کے لیے نہ سہی مگر اپنی جان سے عزیز کمزور کے لیے اہمیت رکھتی ہوگی وہ۔ مگر وہ سب تو اب تک اُس پر ترس کھا کر احسان کرتی آئی تھیں۔ جس کا حساب آج سویرا نے اُس سے مانگ لیا تھا۔

”میں بات کرتی ہوں۔“

دل کو ایک سیکنڈ لگا تھا فیصلہ کرنے میں۔ اپنے آنسو دل پر گراتے وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پاتے بولی تھی۔

★★★★★★

”میم یہ آپ کے لیے آیا ہے۔ آپ پلیز اس پر سائن کر دیں۔“

سُلین ابہتاج کی بات مان کر ایک بار تو روم میں چلی گئی تھی۔ مگر چند سیکنڈز بعد باہر نکلتی ڈرائنگ روم کی جانب بڑھی تھی۔ جہاں مسز لغاری نامی عورت موجود تھی۔

آخر یہ عورت تھی کون۔ مسز لغاری مطلب ابہتاج کی ماں۔ مگر ابہتاج نے تو کہا تھا۔ اُس کی ماں پر چکی ہے۔ پھر یہ کون تھی۔ سُلین کا دماغ بالکل اُلجھ چکا تھا۔ یہی گتھی سلجھانے وہ ابہتاج کی بات نہ مانتے باہر آگئی تھی۔ سُلین جو ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ملازمہ کی پکار پر گھبرا کر واپس پلٹی تھی۔

”میرے لیے؟؟؟“

سُلین نے اُس کے ہاتھ میں موجود لفافہ دیکھ سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا۔ مگر ساتھ ہی لفافے پر لکھا اپنا نام دیکھ وہ اُسے ریسو کرتے ملازمہ کو وہاں سے جانے کا بول گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ابہتاج کے سارے ملازمین اُس کے کس قدر وفادار تھے۔ اُسے یہاں چھپ کر باتیں سننا دیکھ اُس کی چغلی بھی کر سکتے تھے۔

لفافے کو تھامے وہ آگے بڑھی تھی۔ وہ ابھی دروازے کے قریب پہنچی ہی تھی۔ جب اندر سے آتی ابہتاج کی چنگارتی آواز اُس کے قدم وہیں جکڑ گئی تھی۔

”ابھی اور اسی وقت دفعہ ہو جاؤ میرے گھر سے ورنہ جو حال میں تمہارا کروں گا۔ خود کو پہچاننے کے قابل بھی نہیں رہو گی۔“

سُلین کی ہمت نہیں ہوئی تھی دروازے تک جانے کی۔ اس لیے وہ قدرے فاصلے پر کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔ جہاں سے وہ اُن کو با آسانی دیکھ اور سن سکتی تھی۔

ابہتاج کے سامنے ایک عورت سیاہ چادر میں خود کو لپیٹے کھڑی تھی۔ وہ اُس عورت کی شکل نہیں دیکھ پائی تھی۔ مگر ابہتاج کا بپھر اغضبناک رُوپ اُسے ضرور سہا گیا تھا۔ ابہتاج نے اُسے یہاں آنے سے منع کیا تھا۔ اگر اُس کی نظر سُلین پر پڑ جاتی تو اُس کی خیر نہیں تھی۔

”ابہتاج بیٹا تم اتنی نفرت کیوں کرتے ہو اپنی ماں سے۔ تمہارے سوا اب میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ خدا کے لیے مجھ سے منہ مت موڑو۔ میں تمہاری اتنی بڑی غلطی معاف کر سکتی ہوں تو کیا تم پچھلی باتیں بھلا کر واپس سے۔۔۔۔۔“

مسز لغاری بات کرتے اُس کے قریب آئی تھیں۔ اس سے پہلے کے وہ ہاتھ بڑھا کر ابہتاج کا چہرہ اچھوتیں، ابہتاج نے پوری قوت سے اُنہیں خود سے دور جھٹکا تھا۔

وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پاتے ٹیبل پر جاگری تھی۔ اُن کا سر ٹیبل کے کونے سے لگنے کی وجہ سے پھٹ چکا تھا۔ یہ سب دیکھتی سُلین نے منہ پر دونوں ہاتھ جماتے بہت مشکل سے اپنی چیخ رو کی تھی۔

اُسے تو لگا تھا ابہتاج صرف دشمنوں کے لیے ایسا تھا۔ مگر اُس کے علاوہ وہ تو ہر انسان کے لیے کسی درندے سے کم نہیں تھا۔ کوئی بھلا اپنی ماں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر، کر سکتا تھا۔

”ابہتاج بیٹا اتنے ظالم اور سنگدل مت بنو۔ میں ماں ہوں تمہاری۔۔۔۔۔“

سر سے بہتے خون کی پرواہ کیے بغیر وہ عورت اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ اب اُس کا چہرہ سُلین کے سامنے تھا۔ اُسے یہ عورت دیکھی دیکھی لگی تھی۔ مگر کہاں زہن ہر زور دینے کے باوجود وہ یاد نہیں کر پائی تھی۔

”بس اب اگر ایک بار بھی خود کو میری ماں بولا تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا تمہاری میں۔۔۔“

ابہتاج کی دھاڑ پر وہ عورت اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پائی تھی۔ جس کا چہرہ ایک سائیڈ سے بالکل خون سے بھیگ چکا تھا۔
سُلمین کو اُس عورت پر بہت ترس آیا تھا۔ اور ابہتاج پر جی بھر کر غصہ۔ کوئی اتنا سفاک اور بے حس کیسے ہو سکتا تھا بھلا۔ غصے
میں اپنی ماں پر ہاتھ اٹھا دے۔

وہ اندر جا کر ابہتاج لغاری کو جھنجھوڑ دینا چاہتی تھی۔ مگر پہلے دن جیسا ابہتاج سے اُس کا خوف واپس لوٹ آیا تھا۔ جو شخص اپنی
ماں پر ہاتھ اٹھا سکتا تھا۔ وقت آنے پر نجانے اُس کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

”دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ اگر دوبارہ میرے گھر کی جانب نظر ڈالنے کی کوشش بھی کی تو تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے
کتوں کو ڈال دوں گا۔“

ابہتاج کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ چند لمحوں بعد ابہتاج کے گارڈز اندر آ کر اُس عورت کو گھسیٹ کر باہر لے
گئے تھے۔

سُلمین بے بسی سے ہاتھ باندھے آنسو بہاتی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ اُس نے غور سے ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔ جس کی لہو
رنگ آنکھوں میں وحشتیں مزید بڑھ گئی تھیں۔ اُس نے غصے سے اپنا ہاتھ دیوار پر دے مارا تھا۔ جس میں لگا کیل بُری طرح
اُس کے ہاتھ میں کھب گیا تھا۔

سُلمین اُس کا لہو لہان ہوتا ہاتھ دیکھ کر بے کراہ کر رہ گئی تھی۔

★★★★★★★★

”مجھے زورین شاہ سے ملنا ہے۔“

دل کاؤنٹر ہر موجود لڑکی سے مخاطب ہوئی تھی۔ جبکہ آفس میں ارد گرد موجود لوگ اُسے دیکھ الرٹ ہوئے تھے۔ نکاح پر وہ سب انوائیڈ تھے۔ تقریباً سب لوگ ہی جانتے تھے کہ وہ زورین شاہ کی وائف ہے۔

”میم سر تو اس وقت ایک امپورٹنٹ میٹنگ میں بزی ہیں۔ آپ آئیں میں آپ کو اُن کے آفس میں لے جاتی ہوں۔“ جس جگہ وہ ایک بار پہلے ان سب سے چھپ کر گئی تھی۔ آج وہیں اُسے پوری عزت و احترام کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ اُس کی ظاہری حیثیت بدل چکی تھی۔ مگر زورین کے نزدیک اُس کا اب بھی کوئی مقام نہیں تھا۔ زورین کی پی اے اُسے آفس میں چھوڑ کر واپس پلٹ گئی تھی۔ دل ایک نظر پورے آفس پر ڈالتی زورین کے ٹیبل کے قریب رکھی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ وہ اس وقت بہت ٹینشن میں تھی۔ وہ جانتی تھی زورین اُس سے شدید غصے میں تھا۔ اُس کی بات ماننا تو دور کی بات، اُس کی شکل دیکھنے کا روادار نہ ہوتا۔ مگر اپنے گھر والوں کے احسانوں کا بدلہ چکانے کے لیے اُسے زورین شاہ سے یہ احسان لینا تھا۔ چاہے اُس کے لیے اُسے کچھ بھی کرنا پڑتا۔

دل کو زورین کا انتظار کرتے بہت دیر ہو چکی تھی۔ مگر ابھی تک اُس کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ اُس نے گھڑی پر ٹائم دیکھا تھا۔ یہاں بیٹھے اُسے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔

”کہیں وہ اکڑو شاہ چلا تو نہیں گیا۔ اور میں پاگلوں کی طرح یہاں بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔“

دل خود سے ہم کلام ہوتی باہر کی جانب بڑھی تھی۔ اُس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ جب عجلت میں دوسری جانب سے دروازہ کھولتے وہ اندر داخل ہوا تھا۔

اُس کا کندھا اتنی زور سے دل سے ٹکرایا تھا۔ کہ وہ بُری طرح لڑکھڑاتی زمین بوس ہونے کو تھی۔ مگر زورین نے اُس کی کمر میں بازو جمائل کرتے اُسے سر کے بل کرنے سے محفوظ رکھا تھا۔

وہ اچانک سے پیش آنے والے اس تصادم اور زورین کے ایک دم قریب آجانے کی وجہ سے گھبراتی اُس کا کوٹ مٹھی میں جکڑ گئی تھی۔

”کیا کر رہی ہو تم یہاں۔“

زورین نے اُس کے وجود کی لرزش محسوس کرنے کے باوجود اُسے کے گرد سے حصار ختم نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایک ہلکا سا جھٹکا دیتے اُسے خود کے مزید قریب کر لیا تھا۔

”مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔“

دل اس وقت اُسے غصہ دلا کر اپنا کام مزید خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے بنا مزاحمت کیے چپ چاپ اُس کے حصار میں قید رہی تھی۔

زورین پہلے حیران ہوا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے وجہ سمجھتے اُسے دیکھے گیا تھا۔ دل کا چہرہ اُس کے قریب کھڑے ہونے کی وجہ سے لال اناری ہو چکا تھا۔ مگر وہ سانس روکے لرزتی کانپتی ایسے کھڑی تھی۔ جیسے زرا سا بھی ہلی تو پتھر کی ہو جائے گی۔

”میں اچھے سے جانتا ہوں۔ تمہیں کیا بات کرنی ہے مجھ سے۔ میں قسطی نہیں مانوں گا۔ اس لیے بولنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم اپنے اُن لالچی گھر والوں کے پاس نہیں جاؤ گی۔ پھر کیوں گئی تم وہاں۔“

زورین کا صبح والا غصہ ابھی کم نہیں ہوا تھا۔ دل اس وقت مر جٹا کھر کے لباس میں ملبوس بار بار سر سے ڈھلکتا دوپٹہ ٹھیک کرنے میں ناکام ہوتی، زورین شاہ کو اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی۔

زورین کو اس کا یوں دوپٹے سے اُلجھنا کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ اس لیے وہ اس کی دونوں کلاںیاں ہاتھ کی گرفت میں لیتا اس کی توجہ پوری طرح اپنی جانب موڑ گیا تھا۔

”آئم سوری آئندہ آپ کی ہر بات مانوں گی۔ پلیز آپ میری یہ بات مان لیں۔ میں نے آج تک آپ کے سامنے جو بھی غلطی ہو اس کی میں اس سب پر بہت شرمندہ ہوں۔ پلیز میری یہ پہلی اور آخری بات مان لیں۔ میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔ آپ جو بات کہیں گیں میں بنا کوئی اعتراض اٹھائے مانوں گی۔ مگر پلیز میرے گھر والوں کو روڈ پر مت لائیں۔“

دل بات کر رہی تھی۔ جب زورین اسے زچ کرنے کے لیے اپنا چہرہ اس کے چہرے سے ہلکا سا ٹچ کر گیا تھا۔ جس پر دل جی جان سے لرز اٹھی تھی۔ مگر پھر بھی اپنی بات جاری رکھی تھی۔ اس شخص کی آزمائشوں پر کھڑا ترنا آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے وہ پہلے سے خود کو تیار کر کے آئی تھی۔

”کچھ بھی مطلب کچھ بھی کر سکتی ہو۔ ریٹی؟“

زورین اس کی بات کا مذاق اڑاتا استہزاء یہ ہنسا تھا۔ جس پر دل کی آنکھوں میں نمی بھر گئی تھی۔ اس شخص نے اس کی لائف مذاق ہی تو بنا رکھی تھی۔

”ہاں جو آپ کہیں گے میں کرنے کو تیار ہوں۔“

دل اُس کی جانب سے رسپانس پا کر جلدی سے بولی تھی۔

”آج صبح مجھے نفس کا غلام بولا تھا نا تم نے۔ اسی لیے اب میں تمہارے قریب نہیں تم میرے قریب آؤ گی۔ اور جو میں کہوں گا وہ کرنا ہو گا۔“

زورین اُس کی کمر سے بازو ہٹاتا دو قدم کے فاصلے پر جا کر کھڑا ہوا تھا۔ جس پر دل نے ہونقوں جیسی شکل بنائے اُسے دیکھا تھا۔ دل کو یہ بات بولتے ایک پرسنٹ بھی اندازہ نہیں تھا۔ کہ زورین اس قسم کی بھی کوئی ڈیمانڈ بھی کر سکتا ہے۔

”انکار کرنے سے پہلے سوچ لینا، یہ تمہارا پہلا اور آخری چانس بھی ہو سکتا ہے۔“

زورین اُسے پہلے ہی قدم پر کمزور پڑتا دیکھ وارن کرتے بولا تھا۔ صبح دل نے اُسے جتنا غصہ دلایا تھا۔ اس وقت وہ اُسے زچ کر کے اپنا حساب برابر کرنا چاہتا تھا۔

دل لرزتے قدموں سے درمیانی فاصلہ طے کرتی زورین کی جانب بڑھی تھی۔

دل نے نظریں اٹھا کر زورین کی جانب دیکھا تھا۔ جو پہلے سے اُسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملتیں کچھ لمحوں میں دونوں کو ہی ساکت کر گئی تھی۔ دل اُس کے قریب آچکی تھی۔ دونوں آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کچھ پل کے لیے کھوسے گئے تھے۔

یہ شخص اُسے زبان سے نجانے کتنی بار دھتکار چکا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔

زورین نے اُس کے دونوں بازو اپنے کندھوں پر ٹکاتے اُسے اپنے بالکل قریب کر لیا تھا۔ جس کی وجہ سے زورین کا چہرہ دل کے نہایت قریب ہوتا اُس کے گال بُری طرح دھکا گیا تھا۔

دل کا پورا وجود ایسے لرزے لگا تھا۔ جیسے وابریشن پر لگا دیا گیا ہو۔

”تم اتنی معصوم واقعی میں ہو یا صرف میرے سامنے ظاہر کرتی ہو۔ تمہیں لگتا ہے میں اتنی آسانی سے تمہاری بات مان لوں گا۔“

دل جو زورین کتق اپنی گردن پر جھکتا دیکھ آنکھیں سختی سے موندتی ہونٹ بھیچ گئی تھی۔ اُس کے اس طرح کان میں سرگوشی کرنے پر اُس نے پٹ سے آنکھیں کھولتے زورین کی جانب دیکھا تھا۔ جس کی مذاق اڑاتی نظریں دل پر پڑتی اُسے شرم سے پانی پانی کر گئی تھیں۔ یہ شخص اُس کے ساتھ گیم کھیل رہا تھا۔ اور وہ ایک بار پھر اُس کے ہاتھوں کھیلونا بن چکی تھی۔

”کک کیا مطلب۔۔۔۔“

دل کے لب ہولے سے پھڑپھڑائے تھے۔ جبکہ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو چکی تھی۔

”تم نے صبح جو الفاظ مجھے بولے تھے۔ ابھی بھی اُن پر قائم ہو۔ ہو س کا مارا شخص سمجھتی ہو مجھے۔ کہ تمہاری قربت میں بہک کر تمہاری ہر بات مان جاؤں گا۔ میں صرف دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ اپنے لالچی اور خود غرض گھر والوں کی خاطر کیا کر سکتی ہو تم۔ تم نے تو حیران کر کے رکھ دیا مجھے۔ میں تمہاری زندگی کا نا پسندیدہ ترین انسان ہوں نا۔ مگر اُن لوگوں کی خاطر میرے قریب آنا بھی بُرا نہیں لگا تمہیں۔“

زورین کو یہ بات آگ لگ گئی تھی۔ وہ لوگ دل کے لیے اتنے اہم کیوں تھے۔ وہ یہ بات سوچتا اندر سے شدید جلن کا شکار ہوا تھا۔

”زورین میری بات۔۔۔۔۔“

دل کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ زورین نے اُسے بالوں کی گدی سے تھام کر اُس کا چہرہ اپنے بے حد قریب کیا تھا۔

”آئندہ اگر تم کسی اور کی خاطر اس طرح میرے قریب آئی تو چھوڑوں گا نہیں میں تمہیں۔“

زورین کی گرم سانسیں دل کا چہرہ جھلسا رہی تھیں۔ وہ تو سب کچھ زورین کی بات مانتے ہوئے کر رہی تھی۔ پھر اچانک وہ

اتنے غصے میں کیوں آگیا تھا۔ ایسی کیا چیز تھی جو اُسے اس بُری طرح سے چبھ گئی تھی۔

”اب یہ آنسو کس لیے۔“

زورین اُس کی بھیگی پلکیں دیکھ دانت چبھاتے بولا تھا۔

”آپ اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں مجھ سے۔“

دل نے یہ بات کرتے سسکی لی تھی۔ زورین نے ابھی تک اُس کے بالوں کو آزاد نہیں کیا تھا۔ گردن ہلکی سی مڑی ہونے کی

وجہ سے اُس کو اب درد ہونے لگا تھا۔ مگر وہ بنا مزاحمت کیے کھڑی رہی تھی۔

”میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔“

زورین اُس کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ اُسے آزاد کر گیا تھا۔ جبکہ اُس کے الفاظ دل کے لیے خوشگواریت بھرا

احساس پیدا کر گئے تھے۔ اُس نے گھنیری بھیگی پلکیں اٹھا کر زورین کی جانب دیکھا تھا۔ جس کے اگلے الفاظ اُس کی ساری

خوش فہمی غارت کر گئے تھے۔

”تمہیں اور تمہارے خاندان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے، تم جیسی لڑکی کو اپنی زندگی میں کسی لگاؤ یا محبت کے تحت شامل کیا ہے میں نے۔“

زورین کے حقارت بھرے انداز پر دل کی آنکھیں ایک بار پھر جھلملا اٹھی تھیں۔
”تو پھر کس لیے کی آپ نے یہ شادی۔“

اُس کا دل ڈوب کر اُبھرا تھا۔

”کیونکہ تمہیں مہر ابنانا تھا میں نے۔ تمہارے لالچی اپنوں کو اذیت دینے کے لیے۔“

زورین کی کہی بات پر دل کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اُسے اس حال میں دیکھ اُس کے گھر والوں کو اذیت نہیں خوشی ہونی تھی۔

”کیا کیا ہے میرے گھر والوں نے ایسا۔“

دل کچھ دنوں سے جس خوش فہمی میں گھوم رہی تھی کہ شاید زورین بھی کہیں نہ کہیں اُسے چاہنے لگا ہے وہ اب ختم ہو چکی تھی۔

مگر وہ ایک بار زورین کی نفرت کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ اس لیے مسلسل گریہ زاری سے سُرخ ہوئی اپنی دکھتی پلکیں اٹھا کر اُس نے زورین کی جانب دیکھا تھا۔ جو اس وقت اُسے اپنی پہنچ سے کوسوں دور لگا تھا۔

”قاتل ہیں وہ میرے اپنوں کے۔ قتل کیا ہے انہوں نے میرے ماں باپ کا۔ اُن سب کو ایسا عبرت کا نشانہ بناؤں گا کہ ساری دنیا یاد رکھے گی۔ اب تک میں ایسا کر بھی گزرتا۔ مگر۔۔۔۔۔“

دل جو اس انکشاف پر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی بات ادھوری چھوڑنے پر سوالیہ نظریں اُوپر اٹھائی تھیں۔

”مگر تمہارے ماں باپ کے ملنے کا انتظار ہے مجھے۔ میں جانتا ہوں بہت جلد ڈھونڈ لوں گا میں اُنہیں اور پھر شروع ہوگی۔ تمہارے ماں باپ سمیت، تمہارے خاندان والوں کی اصل تباہی۔“

زورین کی آنکھیں اس وقت آگ اُگل رہی تھیں۔ جیسے اُس سمیت اُس کے پورے خاندان کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتا ہو۔

”تو آپ بھی باقی سب کی طرح ہی نکلے۔ میرے ماں باپ کے کیے کی سزا مجھے دینا چاہتے ہیں۔“

دل زورین سے یہ شکوہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت دل میں یہ بات سوچنے کے علاوہ کچھ نہیں کر پائی تھی۔

اب منزہ ہی تھی جو اُسے ساری حقیقت بتا سکتی تھی۔

”میں آپ کی ہر سزا سہنے کو تیار ہوں۔ مگر آپ میرے بڑوں کے کیے کی سزا اُن کے بچوں کو نہیں دے سکتے۔ پلیز اُن لوگوں کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اُن کو سزا مت دے، اُن کا کسی چیز میں کوئی جرم نہیں ہے۔ آپ پلیز اپنی ساری نفرت سارا غصہ مجھ پر نکال دیں۔ میں اُف تک نہیں کروں گی۔ پوری زندگی آپ کی احسان مند رہوں گی۔ مگر سویرا لوگوں کی زندگی مشکلات میں گھرنے سے بچالیں۔ پلیز۔۔۔۔۔“

دل زورین کے منہ سے اپنے لیے اتنی نفرت سن کر اذیت کی حدوں کو چھو چکی تھی۔ زورین کے سامنے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی۔ وہ اگلے ہی لمحے وہاں سے نکل گئی تھی۔ جبکہ زورین اپنی جگہ سُن کھڑا رہ گیا تھا۔

اپنی نفرت اس نازک لڑکی پر اُنڈیل دینے کے باوجود وہ ریلیکس نہیں ہو پایا تھا۔ بلکہ اُس کے دل میں مزید بے چینی سی بھر گئی تھی۔



اُس عورت کے جانے کے بعد ابہتاج بھی گھر سے نکل گیا تھا۔ سُلین عجیب سی اُلجھی سوچوں کا شکار اپنے روم میں آگئی تھی۔ اُس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ عورت ابہتاج کی ماں تھی تو ابہتاج نے اُسے اتنا بُرا سلوک کیوں کیا تھا۔ چاہے جتنی بھی ناراضگی سہی مگر کوئی بیٹا بھلا اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔ مگر دوسری جانب سُلین کا دل اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اُس نے اپنے لیے ابہتاج کا جو محبت بھرا اور مہربان رُوپ دیکھا تھا۔ وہ بھی تو نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔

”اُف میرے خدا اس شخص کے آخر کتنے رُوپ ہیں۔ اصل چہرہ کونسا ہے اس کا۔“

سُلین اپنی دکھتی کنپٹیاں مسلتے بولی تھی۔ جب اُس کی نظر اپنے پاس رکھے لفافے پر پڑی تھی۔ ابہتاج کے گھر بھلا کون اُس کے لیے یہ بھیج سکتا تھا۔ سُلین نے جلدی سے لفافہ کھولتے اُس میں موجود ڈاکو منٹس باہر نکالتے تھے۔ سب سے اوپر ایک لیٹر رکھا گیا تھا۔ جس پر لکھی لمبی چوڑی تحریر سُلین کے لیے بے حد حیرانی کی باعث تھی۔

مگر جیسے جیسے اُس نے وہ پڑھنا شروع کی اُس کی آنکھیں غیر یقینی حد تک پھیلتی چلی گئی تھیں۔

ابہتاج لغاری ایک قاتل تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کا جسے اُس نے بہت ہی بے دردی سے مارا تھا۔ سُلین سے آگے کچھ پڑھا ہی نہیں گیا تھا۔ تحریر کے شروع میں ہی لکھا گیا تھا۔ کہ اس لیٹر میں جو کچھ بھی لکھا ہے اُس کا ثبوت بھی ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اسی لیے سُلین نے آگے کچھ پڑھنے کے بجائے ساتھ بھیجے گئے عدالت کے سپر زچیک کیے تھے۔ جہاں واضح طور پر یہ ثابت کر رہے تھے۔ کہ ابہتاج نے نہ صرف اپنے باپ کا نہ صرف قتل کیا تھا۔ بلکہ اپنے جرم کا اقرار کرتے اتنے سال جیل میں بھی گزار کر آچکا تھا۔

سُلین کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایک عادی مجرم ایک ظالم و جابر شخص کے ساتھ اُس کی بیوی بن کر رہ رہی تھی۔ جس نے اپنے ہی باپ کا قتل کیا تھا۔

سُلین نے بھیگتی خوفزدہ آنکھوں کے ساتھ تحریر دوبارہ پڑھنی شروع کی تھی۔

وہ جیسے جیسے آگے سب پڑھتی جا رہی تھی۔ اپنا آپ اُسے زمین میں دھنستا محسوس ہو رہا تھا۔ ابہتاج لغاری نہ صرف ایک بہت بڑا سمگلر تھا۔ بلکہ ایسے ہی نجانے کتنے ملک فروشوں کا دوست بھی تھا۔ وہ اسلحہ اور منشیات کی ہی نہیں بلکہ انسانوں کی سمگلنگ بھی کرتا تھا۔ اور اب تک نجانے کتنے گھر اُجاڑ چکا تھا۔ پاشا جو کہ ایشیا کا نمبر ون ڈان مانا جاتا تھا۔ وہ ابہتاج کا قریبی ساتھی تھا۔

ابہتاج کے کریمنل ریکارڈ کی ایک ایک چیز ثبوت کے ساتھ اُسے بھیجی گئی تھی۔

ابہتاج کے والد جعفر لغاری کو جب ابہتاج کی سچائی کا پتا چلا تو انہیں نے اُسے روکنے کی بہت کوشش کی تھی۔ بات نہ ماننے پر اُسے پکڑوانے کی دھمکی بھی دی تھی۔ جس پر اپنا کام خطرے میں پڑتا دیکھ غصے اور جذبات میں آکر اُس نے اپنے باپ کو اپنے اڈے پر بلوا کر موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

اُس کی ماں نے اپنے شوہر کو انصاف دلانے کے لیے بیٹے کے خلاف گواہی دی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اُن سے بھی بے پناہ نفرت کرنے لگا تھا۔ اور مارنے کی دھمکی بھی دے چکا تھا۔

جس کی ایک جھلک تو سُلین خود بھی دیکھ چکی تھی۔ اُس کے ہاتھ سے خط چھوٹ کر فرش پر جا گرا تھا۔

★★★★★★

زورین ریو الونگ چیئر پر جھولتا اپنے اندر کے اضطراب پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو روتی بلکتی لڑکی اُس کے پاس سے گئی تھی۔ اُس کا ہر آنسو زورین شاہ کو اپنے دل پر گرتا محسوس ہو رہا تھا۔

اُس نے آج تک خود کو اتنا بے بس محسوس کبھی نہیں کیا تھا۔ جتنا اس وقت کر رہا تھا۔ جس لڑکی کو اپنی زندگی میں اُس نے نفرت کرنے اور اُس کے ماں باپ سے انتقام لینے کے لیے شامل کیا تھا۔ وہ لڑکی دن بدن اُسے عزیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ جسے وہ صرف رُلانے کی خواہش رکھتا تھا۔ اُس کی تکلیف پر اذیت میں مبتلا وہ خود ہو جاتا تھا۔

چاہتے ہوئے بھی خود کو اُس سے دور نہیں رکھ پارہا تھا۔ اُس کا دل اُسی لڑکی کی قربت کا خواہاں ہونے لگا تھا۔ جسے وہ دھتکارنا چاہتا تھا۔

وہ جانتا تھا دل آویز بے قصور ہے مگر تھی تو وہ اُس کے ماں باپ کے قاتل کی بیٹی۔ اُس کی پرورش جن لوگوں نے کی تھی۔
زورین شاہ دنیا میں سب سے زیادہ اُنہیں سے نفرت کرتا تھا۔

اُس نے اپنی زندگی کے بہت سارے سال اذیت میں گزارے تھے۔ کیونکہ تب وہ اپنے مجرموں سے واقف نہیں تھا۔ مگر
اب ذکر یا ہاؤس والوں کی اصلیت جان لینے کے بعد وہ اُن کی زندگی جہنم بنا دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جس کے لیے سب سے
پہلے اُس کے عتاب کا نشانہ دل بنی تھی۔

مگر وہ خود اس بات سے ناواقف تھا۔ کہ اُس نے ابھی صرف حقیقت کا ایک رُخ دیکھا تھا۔ وہ انجانے میں ہی دکھوں کی
ماری، ہمیشہ سے نفرتوں کے وار سہتی آئی دل جیسی لڑکی کے ساتھ کس قدر زیادتی کر رہا تھا۔
اُس کے اندر کی بے چینی اسی وجہ سے تھی۔ مگر ابھی وہ اس قدر غصے سے بھرا زخمی شیر بنا ہوا تھا۔ کہ مسلسل واویلا کرتے
اپنے دل کی سدا میں بھی نہیں سن پار رہا تھا۔

زورین مزید نجانے کتنی دیر اسی کیفیت کے زیر اثر رہتا جب فون کی آواز پر وہ حال میں واپس لوٹا تھا۔
کال ریسو کرتے دوسری جانب سے اُسے جو نیوز دی گئی تھی۔ زورین لمحے کی بھی دیر کیے اپنی جگہ سے اُٹھا تھا۔ اُس کے تنے
اعصاب ڈھیلے پڑے تھے۔

”تم بس وہیں رہو۔ میں ابھی پہنچتا ہوں۔“

جس انسان کی وہ پچھلے اتنے ٹائم سے تلاش کر رہا تھا۔ وہ آج اُسے مل چکی تھی۔ اب بہت جلد وہ ہمایوں اور اُس کی بیوی تک
پہنچنے والا تھا۔



”میں ایک دہشت گرد، دوسروں کی زندگیوں سے کھیلنے والے ایک سمگلر کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ میں پہلے بالکل ٹھیک سوچ رہی تھی۔ مجھے بدنام

کرنے کی سازش اسی شخص نے کی تھی۔ ضرور مجھ سے نکاح کرنے کے پیچھے بھی اس کے کسی گھناؤنے ارادے کی تکمیل ہو سکتی ہے۔“

سُلین اپنی آنکھوں سے ابہتاج کے خلاف سارے ثبوت دیکھ چکی تھی۔ اگر وہ باقی سب باتوں کو جھوٹ بھی مان لیتی تو اُس کے جیل میں قتل کے جرم میں گزارے گئے اتنے سال وہ عدالت کے وہ پیپرز کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔

اچانک ایک ساتھ یہ جو ڈھیر سارے انکشاف ہوئے تھے۔ اُس نے سُلین کا دماغ بالکل ماؤف کر دیا تھا۔ اگر ابہتاج لغاری سچا ہوتا تو اُسے پہلے ہی اس بارے میں سب کچھ بتا دیتا مگر اُس نے تو سُلین کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ اور پاشانامی شخص سے تو خود اُس نے ابہتاج کو فون پر بات کرتے بھی سنا تھا۔ ہر بات ابہتاج کے خلاف جارہی تھی تو وہ کیسے ان سب باتوں پر یقین نہ کرتی۔

”میں کوئی کمزور بزدل لڑکی نہیں ہوں۔ اس دھوکے باز انسان کے ساتھ اب میں مزید ایک پل نہیں رہوں گی۔“

سُلین آنکھوں میں آئے آنسو بے دردی سے رگڑتی کمرے سے نکل آئی تھی۔

وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی ابہتاج نے اُس کے ساتھ کتنا بڑا گیم کھیلا تھا۔ وہ اُسے اپنے اتنے قریب لا کر اُسے اپنی محبت میں بالکل بے بس کر دینا چاہتا تھا۔ تاکہ جب اُسے ابہتاج کی اصلیت کا پتا چلے تو وہ کچھ نہ کر پائے۔

وہ اپنے ساتھ کھیلے گئے ابہتاج کے سارے مائنڈ گیمرز سمجھ گئی تھی۔ اس لیے اپنے مسلسل احتجاج کرتے دل کی آواز پر کان بند کرتی وہ اس وقت صرف دماغ کی سن رہی تھی۔ اگر دل کی سنتی تو کبھی ابہتاج لغاری سے دور جانے کا فاصلہ نہ کر پاتی مگر یہاں سوال ایک اکیلی اُس کی ذات کا نہیں تھا۔ اُن تمام لوگوں کا تھا جن کی زندگیاں ابہتاج لغاری نے اجیرن کر رکھی تھیں۔

وہ اپنا پرس اور اپنی کچھ ضروری چیزیں لیتی ابہتاج لغاری کے گھر سے نکل آئی تھی۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔



”دل پلیز اس طرح رومت۔ میرا دل بند ہو جائے گا۔“

منزہ دل کو اپنے ساتھ لگاتے پریشانی سے بولی تھی۔ دل کا یوں بُری طرح رونا اُسے تکلیف میں مبتلا کر گیا تھا۔
”بھابھی وہ بہت نفرت کرتے ہیں مجھ سے۔ میں اتنی بُری ہوں کیا۔ جو ہر کوئی مجھے اتنی بے دردی سے دھتکار دیتا ہے۔ کیا کبھی مجھے میری لائف میں کسی کی محبت نہیں ملے گی۔“

آج اُس نے زورین کی آنکھوں میں اپنے لیے شدید نفرت دیکھی تھی۔ جو اُس کے لیے سب سے زیادہ اذیت کا باعث تھی۔

اُس نے اپنی اب تک کی زندگی میں اگر کسی کی چاہت کی تھی۔ تو وہ یہی ایک انسان ہی تھا۔ مگر زورین نے بھی آج اُس کے دل کے بُری طرح ٹکڑے کر دیئے تھے۔ اور اُس پر واضح کر دیا تھا۔ کہ وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی زورین شاہ کے لیے۔

”تم دونوں کی شادی سے پہلے میں اس ساری سچائی سے ناواقف تھی۔ کہ تم ہی ہمایوں شاہ اور شہلا کی بیٹی ہو۔ اگر مجھے زرا سا بھی اندازہ ہوتا تو میں تمہاری شادی زورین سے کبھی نہ ہونے دیتی۔ کیونکہ جن لوگوں کے نام سن کر ہی زورین شدید نفرت کے تحت آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ وہ بھلا اُن کی بیٹی کو عزت و مقام کیسے دے سکتا تھا۔ مگر مجھے اس سچائی کا بھی کچھ دن پہلے پتا چلا ہے۔ جب میں تمہارے آنسو پونچھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔“

منزہ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے تھے۔ زورین کی زندگی کے ہر معاملے میں شدت پسندی سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ اور اب دل کی آگے آنے والی زندگی زورین شاہ اُس پر مزید تنگ کر سکتا تھا۔

”مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی آپ پلیز۔۔۔۔۔ کھل کر ساری سچائی بتائیں مجھے۔“

دل اب ہر حال میں سب کچھ جاننا چاہتی تھی۔

”تم زورین کے سگے چچا ہمایوں شاہ کی بیٹی ہو۔ زورین کی فرسٹ کزن۔۔۔۔۔“

منزہ کے انکشاف پر دل کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھے گئی تھی۔

پھر منزہ آہستہ آہستہ اُسے جو کچھ بھی بتاتی گئی تھی۔ دل پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے چلے گئے تھے۔

★★★★★★

”کیا ہوا ہے، سب خیریت ہے۔“

ابہتاج شام کے قریب گھر پہنچا تھا۔ اُس عورت کی آمد کے بعد وہ اس قدر ایگریسو ہو چکا تھا۔ کہ اپنے اس جنونی غصے کے زیر اثر وہ سُلین کے قریب تو بالکل بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔

سُلینپ۔ فز کو زرا سی تکلیف پہنچتی برداشت نہیں کر سکتا تھا وہ۔ اپنی وجہ سے تو کسی قیمت پر نہیں۔۔۔۔۔
مگر اب گھر آکر اپنے تمام ملازمین کو اس طرح ار جھکائے مجرموں کی طرح کھڑا دیکھ وہ ٹھٹھک گیا تھا۔ اُسے شدت سے
کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

”سر بیگم صاحبہ دن کے ٹائم گھر سے نکلی تھیں۔ اور ابھی تک واپس نہیں آئیں۔“
ملازمہ نے دُرتے دُرتے اُسے بتایا تھا۔ جسے سن کر ابہتاج کا چہرہ غصے سے تن گیا تھا۔
”یہ اُن کے روم سے ملا ہے۔“

ملازمہ نے وہی لیٹر ابہتاج کی جانب بڑھایا تھا۔ جو سُلین باقی چیزوں کے ساتھ لے جانا بھول گئی تھی۔
جیسے جیسے ابہتاج وہ لیٹر پڑھ رہا تھا۔ اُس کے دماغ کی نسیں غصے سے پھولتی جا رہی تھیں۔
”مجھ سے بنا بات کیے، اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا تمہیں۔ اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا تم نے۔“
ابہتاج کے چہرے کا رنگ متغیر ہو چکا تھا۔ آج پہلی بار اُسے سُلین پر شدید غصہ آیا تھا۔
لیٹر مڑور کر ڈسٹ بن میں پھینکتا انہی قدموں پر واپس پلٹ گیا تھا وہ۔

★★★★★★

ہمایوں شاہ اور شہلا کی محبت کے سب لوگ خلاف تھے اور شہلانے اپنے گھر والوں سے بغاوت کر کے شادی کی تھی۔ اس
سب حقیقت سے وہ واقف تھی۔ صبح شام رقیہ بیگم کے دیئے جانے والے طعنوں سے اُسے یہ ساری باتیں ازبر ہو چکی
تھیں۔ مگر اُس کے ماں باپ کی محبت کسی کی جان لینے کا سبب بھی بنی تھی۔ اس بات نے اُسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

زورین کے والد اور ہمایوں کے بڑے بھائی اسفند شاہ اپنے بھائی کی محبت سے بارے میں جان کر اُن کا پورا ساتھ دینے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر وہ شہلا کے اپنے خاندان والوں کی عزت مٹی میں ملا کر بھاگ کر آنے کے حق میں نہیں تھے۔ وہ ذکر یا منزل جا کر صلح صفائی سے سارا معاملہ ہینڈل کرنا چاہتے تھے۔ جو کہ ہمایوں کے مطابق ہونا ناممکن تھا۔

اس لیے اُس نے اپنے بھائی کی اس معاملے میں مدد تھی۔ کہ بھاگ کر نکاح کرنے کے بعد اُنہیں اور شہلا کو محفوظ مقام مہیا کیا جائے۔ مگر اسفند شاہ کسی خاندان کی عزت نیلام کرنے کے پلان میں اپنے بھائی کا ساتھ دینے کے حق میں نہیں تھے۔ اس مشکل گھڑی میں اپنے بھائی کا یوں پیچھے ہٹ جانا ہمایوں کو اُن سے شدید بدظن کر گیا تھا۔ جس کے بعد اُن سے شدید قسم کا جھگڑا کرتے وہ گھر سے نکل گیا تھا۔

ہمایوں غصے کا بہت تیز تھا۔ جاتے ہوئے اُس نے اپنے بھائی کا اس سب کا انجام اچھا نہ ہونے کا وارن کیا تھا۔ زبان سے تو وہ یہ الفاظ ادا کر گیا تھا۔ مگر حقیقت میں اُس کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جو بھی بولا تھا وہ صرف غصے میں منہ سے نکلنے والے الفاظ تھے۔ مگر شاید قسمت اُن کے ساتھ کوئی اور ہی کھیل کھیلنے والی تھی۔

جس دن ہمایوں اور شہلا گھر سے بھاگے تھے۔ اُس سے اگلے دن اسفند شاہ اور اُن کی وائف ہاسپٹل سے واپسی پر ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اُن کا یہ ایکسیڈنٹ حادثاتی نہیں تھا۔ بلکہ سوچی سمجھی سازش کے تحت اُن کی گاڑی کی بریکس فیل کر دی گئی تھیں۔ جس کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا۔

زورین اُس وقت چھ جبکہ ثاقب بارہ سال کا تھا۔ جو خود بھی کافی سمجھدار تھا۔ دوسرا خاندان والوں اور باقی لوگوں کا اُس کے عزیز چاچو کو اُس کے ماں باپ کا قاتل ٹھہرانے والے بات اُس کے معصوم زہن پر نقش ہو گئی تھی۔

کیونکہ ہمایوں اور شہلا کا غائب ہو جانا اور اپنے بھائی بھابھی کی موت پر بھی نہ آناسب کے شک پر مہر لگا گیا تھا۔ دوسرا شک جو گیا تھا وہ تھا شہلا کے بھائی تنویر صاحب پر تھا۔ جو اپنی بہن کے گھر سے بھاگ جانے کے بعد اسفند شاہ کے پاس اُن کے گھر آئے تھے۔ اُنہیں نے نہ صرف اسفند شاہ کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔ بلکہ بعد میں اُن کے ساتھ پیش آنے والے حادثے میں بھی کسی حد تک ملوث پائے گئے تھے۔ مگر اُن کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اس کیس کو کلوز کر دیا گیا تھا۔

وہ دونوں بھائی اُس وقت چھوٹے تھے۔ اپنے ماں باپ کے قاتلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ثاقب تو کیس کلوز ہو جانے اور سب کے کہنے کے مطابق اسے ایک حادثاتی ایکسیڈنٹ سمجھ کر خاموش ہو گیا تھا۔ مگر زورین کے معصوم زہن پر یہ ساری باتیں نقش ہو چکی تھیں۔ اُسے وہ دن ابھی بھی یاد تھا۔ جب اُس کے جان چھڑکنے والے چاچو اُس کے پایا سے بُری طرح لڑ کر گئے تھے۔

پڑھائی مکمل کرنے اور ہوش سنبھالنے کے بعد اُس کا سب سے پہلا اور بڑا مقصد اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو اُن کے انجام تک پہنچانا تھا۔ اُس وقت سے اُس نے ہمایوں اور اُس کی بیوی کو ڈھونڈنے کی تلاش جاری کر دی تھی۔ ذکرِ یا منزل والوں کی پے درپے ناکامیوں کی جانب بڑھنے کا سبب بھی وہی تھا۔

وہ اب کسی کو بخشنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ ہمایوں اور شہلا کے کافی قریب پہنچ چکا تھا۔ جلد ہی اُس نے اُنہیں ڈھونڈ نکالنا تھا جس کے بعد وہ سب کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اُسے محبت لفظ سے بھی نفرت تھی۔ اور اُن لوگوں سے بھی جو کسی نہ کسی طرح ہمایوں شاہ سے منسلک تھے۔ جن میں سر فہرست دل آویز ہمایوں تھی۔

جس نے اب تک اپنے گھر والوں کی نفرت برداشت کی تھی۔ اور اب آگے زورین شاہ کی کرنی تھی۔ پہلے سب کی نفرتوں نے اُسے مضبوط بنا دیا تھا۔ مگر اب زورین شاہ کی نفرت نے اُسے کچھ ہی وقت میں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ کیونکہ وہ زورین شاہ سے محبت کر بیٹھی تھی۔ جس جذبے کے تصور سے بھی زورین شاہ کو شدید نفرت تھی۔

”مطلب میری آگے کی زندگی میں بھی میں کبھی زورین شاہ کی محبت حاصل نہیں کر پاؤں گی۔ میں تو واقعی دنیا کی سب سے بڑی بد نصیب نکلی۔“

دل اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرائے پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔

”دل ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ دیکھنا ایک دن سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ سنبھالو خود کو۔“

منزہ اُسے قریب کرتی اُس کا ہچکیوں کے زیر اثر وجود اپنی آغوش میں لے گئی تھی۔ اس لڑکی کے آنسو اُسے اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ دل اُس کا سہارا ملتے ہی بُری طرح رودی تھی۔ منزہ کے لیے اُسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ کافی دیر بعد بہت مشکل سے خود ہو سنبھالتے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ اُس کا نم آلود گلابی چہرہ اب سوچ چکا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے سُرخیاں چھلکانے کو تیار تھے۔

”میں بات کروں گی زورین سے تم پریشان مت ہو۔“

منزہ کو دل کی کیفیت سے اب ڈر لگ رہا تھا۔

”نہیں آپ اُن سے کوئی بات نہیں کریں گی۔ آپ کو میری قسم، آپ اُن کو یہ بھی نہیں بتائیں گی کہ میں اُن سے محبت کرتی ہوں۔ پلیز۔“

دل منزہ کا ہاتھ اپنے سر پر رکھتے اُسے پوری طرح اپنی قسم میں جکڑ گئی تھی۔
”دل یہ کیا کر رہی ہو تم۔“

منزہ اُس کی یہ حرکت سمجھنے سے قاصر تھی۔ جواب اُسے ایک دم بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ دل کے ہونٹوں پر سبھی مسکراہٹ اُسے خوفزدہ کر گئی تھی۔ اس لڑکی کو اچانک ہو کیا گیا تھا۔

”زورین شاہ کے ساتھ لائف میں جو ہوا وہ بہت غلط تھا۔ اُنہیں اپنی پوری لائف اپنے پیرنٹس کے بغیر گزارنی پڑی۔ صرف اور صرف میرے پیرنٹس کی خود غرضی کی وجہ سے۔ وہ اپنی نفرت میں حق بجانب ہیں۔ جیسے میرے گھر والے اور خاص کر روقیہ خالہ تھیں۔ میرے ماں باپ نے صرف اور صرف اپنی خوشی کو دیکھتے باقی سب لوگوں کی زندگیاں برباد کر کے رکھ دیں۔“

جس کا بھگتان کسی کو تو بھگتنا ہی تھا نا۔ تو میں ہی سہی۔ شاید اس طرح زورین کی انا کو بھی تسکین مل جائے جیسے اب تک مجھے ہر جگہ ذلیل کر کے رقیہ خالہ اور باقی گھر والوں کو ملتی آرہی ہے۔“

دل کو چند سیکنڈز لگے تھے پہلے والی ہر احساس سے عاری اپنا دل پتھر کر دینے والی دل آویز بننے میں۔

”آئم سوری بہت پریشان کر دیا میں نے آپ کو۔ محبت کی طلب نے کمزور کر دیا تھا مجھے۔ مگر میں پاگل یہ نہیں سمجھ پائی کہ یہ جذبہ میرے لیے نہیں بنا۔ بلا وجہ اس کی خواہش کر کے اپنا دل ہی لہو لہان کروں گی۔ اس لیے آج اور اسی وقت میں اپنی

نفرت یہیں اپنے اس دل میں ہی دفن کرتی ہوں۔ جس کا ختم ہونا تو ناممکن ہے مگر اب وہ کبھی کسی کو دیکھائی بھی نہیں دے گی۔“

دل چہرے پر زخمی مسکراہٹ سجائے اور آنکھوں میں نمی بھرے بولتی، منزہ کا دل اذیت سے بھر گئی تھی۔ مگر وہ چاہ کر بھی اس لڑکی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

کیونکہ زورین شاہ نے کسی کی سننا اور ماننا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ہی کرتا تھا۔ چاہے اُس کی ضد میں اُسے کتنا ہی خسارہ کیوں نہ ہو۔



سُلیم اپنے گھر واپس آ کر کمرے میں بند ہو چکی تھی۔ ابہتاج لغاری کی سنگت میں گزرے پچھلے چند دنوں کے بارے میں یاد کرتے کبھی اُس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر جاتی تھی۔ تو کبھی غصے اور شدید دکھ کے زیر اثر چہرہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔

ابہتاج لغاری باقی لوگوں کی طرح اُس کی لائف سے کھیل گیا تھا۔ اب وہ زندگی بھر اُس کے پاس واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ مگر پھر بھی وہ شخص خود سے محبت کروا کر اُسے پوری زندگی کا روگ لگا چکا تھا۔

سُلیم نے چوکیدار کو سختی سے منع کر دیا تھا۔ ابہتاج لغاری یا اُس سے منسلک کسی بھی انسان کو گھر میں گھسنے نہیں دینا۔ ابہتاج کے حوالے سے ڈر ہونے کے باوجود وہ اپنے گھر کی سیکیورٹی بڑھا کر خود کو اُس شخص سے محفوظ رکھنے لگی تھی۔ جو کہ ناممکن

ہی تھا ابہتاج لغاری جیسے شخص کے لیے اُس کی یہ سیکیورٹیز توڑنا مشکل بات نہیں تھی۔ سُلین کو اُس سے بچنے کے لیے اب کچھ اور کرنا تھا۔

ابھی وہ انہیں سب باتوں میں اُجھی ہوئی تھی جب دروازے پر ناک ہونے کے ساتھ ابہتاج کی آواز اُبھرتی اُسے بُری طرح خوفزدہ کر گئی تھی۔

”سُلین دروازہ کھولو۔ ورنہ میں دروازہ توڑ دوں گا۔“

ابہتاج کی غصے سے چنگارتی آواز پر سُلین کے رگ و پے میں خوف کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔

وہ ہر اسماں سی دروازے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ تو آخر وہ شخص نہایت ہی آسانی سے اُس کے گارڈز کو ہٹاتا اُس تک پہنچ چکا تھا۔

اُس کی جانب سے جواب نہ پا کر ابہتاج نے اگلی کوئی بات کیے بغیر دروازے کا لاک توڑنا شروع کر دیا تھا۔ اُس کے دو تین زوردار دھکوں کی تاب نہ لاتے۔ لاک ٹوٹ چکا تھا۔ سُلین کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔ وہ صبح ہی ابہتاج کے غصے کی ایک جھلک دیکھ چکی تھی۔

اگلے ہی لمحے پاؤں مار کر دروازہ پورا کرتے ابہتاج لغاری چہرے پر بھسم کر دینے والے تاثرات سجائے اندر داخل ہوا تھا۔ اُس کی آگ اُگلتی نظریں خود پر گڑھی دیکھ سُلین کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ آج سے پہلے اُس نے ابہتاج کو اپنے سامنے اتنے غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ اپنے بے جان قدموں کو بمشکل حرکت دیتی اُس کی پہنچ سے دور ہونے کے لیے واش روم کی جانب بڑھی تھی۔

مگر اُس سے بھی پہلے ابہتاج اُس کی کلائی اپنی فولادی گرفت میں جکڑتا اُسے اپنے شکنجے میں لے چکا تھا۔
سُلین کا پورا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مگر ابہتاج کا چہرہ ابتار ہا تھا۔ کہ وہ اس وقت کسی قسم کا رحم کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔

”چھوڑیں مجھے۔۔۔۔۔ آپ جیسے ملک فروش درندے سے شدید نفرت کرتی ہوں میں۔ جو محافظ نہیں ایک لُٹیرا ہے۔“
سُلین پورا دن جس اذیت میں رہی تھی۔ اس وقت وہ بھی غصے اور دکھ سے نڈھال ہوتی ابہتاج پر اپنے اندر کی ساری بھڑاس نکالنے لگی تھی۔

”سُلین میری بات سن، مجھ سے پوچھے بغیر تم وہاں سے کیوں آگئی۔ کیا میرے ساتھ رہنے کے باوجود تم ایک پرسنٹ بھی بھروسہ نہیں کر پائی مجھ پر، تمہاری نظر میں میں اتنا بے اعتبار اور گھٹیا انسان ہوں۔ کہ مجھ سے پوچھنے کے بجائے تم نے کسی غیر اور انجان شخص کے بھیجے اُس کاغذ کے ٹکڑے پر بھروسہ کر لیا۔“

ابہتاج بن پانی کی مچھلی کی طرح اپنے حصار میں تڑپتی سُلین کو اپنی آہنی گرفت میں بالکل بے بس کرتے لال آنکھوں سے گویا ہوا تھا۔

ابہتاج جانتا تھا۔ کہ ایک دن اُس کی حقیقت سُلین کے سامنے آئی تھی۔ مگر اُس کی اتنی محبت اور عزت دینے کے بعد سُلین کا ایسا رد عمل اُس بے حس انسان کو بھی ہرٹ کر گیا تھا۔ جس نے اُس سے کچھ پوچھنا تک گوارہ نہیں کیا تھا۔ کسی بھی بات کی تصدیق مانگے بغیر بس اُسے یوں چھوڑ آئی تھی۔

”تو وہ سچ نہیں ہے۔ اپنے ہی باپ کے قاتل نہیں ہیں آپ۔ اتنے سال جیل میں نہیں گزرے آپ کے۔ آپ منشیات سے کے کر انسانوں کی سمگلنگ میں ملوث نہیں ہیں کیا۔“

سُلیم اُسے صفائی دینے کا موقع بھی دینے کی روادار نہیں تھی۔ کیونکہ سارے ثبوت اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ ”کیا ہوا اب خاموش کیوں ہیں۔ کسی بات کا جواب نہیں ہے نا آپ کے پاس، یا پھر کوئی نئی پلاننگ کر رہے ہیں، مجھے اپنے فریب میں پھنسانے کے لیے۔ آپ کو کیا لگتا ہے۔ آپ مجھے سے اپنی حقیقت چھپائیں گے تو کسی اور طرف سے پتا نہیں چلے گا مجھے۔“

سُلیم اُس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کرتی مسلسل بازو ہلارہی تھی۔ مگر ابہتاج کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔ یہ سب ایسے نہیں ہونا چاہیے تھا۔ سُلیم اُس سے دور نہیں جاسکتی تھی۔ اور نہ ہی وہ اُس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت برداشت کر سکتا تھا۔

”سُلیم ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہی ہو۔“

ہر ایک کو ڈنکے کی چوٹ پر بنا پرواہ کیے کھری کھری سنانے والا آج صرف اپنی محبت کی خاطر اُسے وضاحت دینے لگا تھا۔ ”اپنے سب سے عزیز ترین انسان کی قسم کھا کر بتائیں جھوٹ ہے یہ سب۔ آپ نے اپنے باپ کا قتل نہیں کیا۔ اور نہ ہی آپ نے اتنے سال جیل میں گزارے ہیں۔“

سُلیم اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتی اُس کے منہ سے صرف ہاں یا نہ سننے کی خواہاں تھی۔ ”یہ سچ ہے۔ ہاں کیا ہے قتل میں نے اپنے باپ اور سات سال جیل میں بھی سزا کاٹی ہے میں نے۔ مگر۔۔۔۔۔“

ابہتاج اُس کے سامنے سب کچھ کلیئر کرنا چاہتا تھا۔ مگر سُلین اُس کے منہ سے اتنی سی بات سن کر ہی مزید اذیت سے دوچار ہوئی تھی۔ دل میں موجود موہم سی اُمید بھی ختم ہو چکی تھی۔ تو وہ سب سچ تھا۔ اِس وجاہت اور حُسن کے شاہکار کے پیچھے اُس نے اپنا کتنا بھیانک رُوپ چھپا رکھا تھا۔

”بس مجھے اِس سے زیادہ کچھ نہیں سننا مسٹر ابہتاج لغاری۔۔۔۔۔“

سُلین پوری قوت لگا کر اُس کا ڈھیلا پڑتا حصار توڑتی دور ہوئی تھی۔

”آپ کو کیا لگتا ہے۔ یہ سب سننے کے بعد اب میں ایک پل بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔ گھن آرہی ہے مجھے آپ سے۔ نفرت محسوس کر رہی ہوں میں خود سے۔ کہ چند دن ہی سہی مگر آپ کے ساتھ کیوں رہی۔ مجھے اب آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ مجھے طلاق چاہیے۔ ابھی اور اسی وقت آزاد کر دیں مجھے اِس اُن چاہے رشتے سے۔“

سُلین آنکھوں میں آنسو بھرے زہر خند لہجے میں بولتی ابہتاج لغاری کا ضبط ختم کر گئی تھی۔

طلاق کے نام پر اُس کا غصہ عود آیا تھا۔ جس سے اُس نے ہمیشہ سُلین کو بچا کر رکھا تھا۔

”بس اب مزید ایک لفظ اور نہیں۔ بہت بول لی تم اور میں نے سن بھی لیا۔ میں نے ابہتاج لغاری نے، زندگی میں پہلی بار اپنے زندگی کے سب سے اہم فرد کو وضاحت دینی چاہی۔ مگر تم میری سنا بغیر اپنے دماغ میں پہلے ہی سب ڈیسائیڈ کر چکی ہو تو ٹھیک ہے۔ اب میں تمہیں کوئی وضاحت نہیں دوں گا۔ تم مانگو گی تب بھی نہیں۔ ابھی مجھ سے طلاق مانگ کر جو الفاظ تم نے ادا کیے ہیں۔ اب تمہاری یہی سزا ہے کہ جب تم چاہو گی بھی سہی تب بھی میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔“

تمہیں شک کرنا ہے مجھ پر۔ بدگمان ہونا ہے مجھ سے۔ جو مرضی کرنا ہے کرو۔ مگر رہنا تمہیں اب ہمیشہ کے لیے میرے ساتھ ہی ہے۔ مجھ سے دور جانے اور خلع لینے کا خیال بھی اب اپنے دماغ سے نکال دو۔“

ابہتاج اپنے بھاری قدم اٹھاتا اُس کے قریب آیا تھا۔ سُلین اُس کے اچانک بدلتے تیوروں پر مزید خوفزدہ ہوتی پیچھے موجود دیوار سے جا لگی تھی۔

”میں کورٹ میں کیس کروں گی آپ کے خلاف۔ آپ مجھے کمزور سمجھ کر مجھ سے یوں زبردستی نہیں کر سکتے۔“
سُلین کے وجود پر خوف کے مارے لرز اٹاری ہو چکا تھا۔

”میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ ویسے ابھی خود ہی تو بولا ہے تم نے۔ یہاں کا سب سے بڑا سمگلر اور قاتل ہوں میں۔ تو سوچو جو شخص ایک قتل کر سکتا ہے۔ وہ اور بھی کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ اُس کی پاور کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہو تم۔“

ابہتاج کے دھمکی آمیز انداز پر سُلین کو اپنا خون خشک ہوتا محسوس ہوا تھا۔
”کک کیا مطلب۔۔۔۔۔“

سُلین سے بولنا محال ہو گیا تھا۔

”چلو میرے ساتھ سارے مطلب سمجھا دوں گا۔“

ابہتاج نے بہت مشکل سے سُلین کا خیال کرتے اپنے الفاظ اور لہجہ کو نارمل رکھا ہوا تھا۔ مگر اُس کے چہرے کے پتھر یلے تاثرات سُلین کی سانسوں کے روکے ہوئے تھے۔

”مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔“

سُلیں اُسے اپنی جانب ہاتھ بڑھاتا دیکھ نفی میں سر ہلاتی چلائی تھی۔

مگر وہ اُس کی مزاحمت کو کسی کھاتے میں لائے بغیر اُسے کسی بے جان گڑیا کی طرح پکڑ کر اپنے کندھے پر ڈال گیا تھا۔ سُلیں اُس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتی مسلسل ٹانگیں ہلاتے، اُس کے کندھوں پر مکوں اور ناخنوں سے حملہ کرتی رہی تھی۔

مگر ابہتاج کو تو جیسے فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔

باہر آکر سُلیں کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ اُس کے ہٹے کٹے گارڈر ابہتاج کو اندر جانے پر رُکنے کے جرم میں رسیوں سے بندھے بے ہوش پڑے تھے۔ جب یہ شخص ان لوگوں کا یہ حال کر سکتا تھا تو وہ کہاں اب باڈی بلڈر کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ ابہتاج نے اُسے لا کر گاڑی میں بیٹھا دیا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر خاموشی سے ٹکتے اُس کا دماغ ابہتاج لغاری سے بننے کے بارے میں منصوبہ تیار کرنے لگا تھا۔

★★★★★★★★

”کیا ہوا یہ گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے۔ سب لوگ کہاں ہیں۔“

زورین دس بجے ہی ہر طرف چھائی خاموشی اور گھر کی لائٹس آف دیکھ ملازمہ سے مخاطب ہوا تھا۔

”سروہ سب لوگ سو گئے ہیں۔ منزہ بھابھی نے صبح چار بجے کی فلائٹ سے واپس جانا ہے۔ اس لیے آج وہ جلدی اپنے روم میں چلی گئیں۔“

ملازمہ کی اطلاع پر زورین کو جھٹکا لگا تھا۔ منزہ کا صبح تک تو ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پھر اچانک بھلا کیا ہو گیا تھا۔

ملازمہ کو بھیجتا وہ اپنے روم میں جانے کے بجائے منزہ کے روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ایک دوبارناک کرنے کے بعد منزہ کی آواز پر وہ اندر داخل ہوا تھا۔ دونوں بچے بیڈ پر سو رہے تھے۔ جبکہ منزہ صوفے پر بیٹھی کچھ کھوئی کھوئی سی لگی تھی۔

”اچانک واپس جانے کا پلان کیوں بن گیا تمہارا۔ ابھی تو ایک ویک اور رہنا تھا تم نے۔“

زورین کو دیکھ منزہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوتی اُس کے مقابل آئی تھی۔

”جس کام کے لیے آئی تھی۔ وہ ہو گیا ہے، اب میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ ویسے بھی تمہارے پاس تو اب اپنی فیملی کے لیے کوئی ٹائم ہے ہی نہیں۔ جب تمہاری نئی نوپلی دلہن کے لیے وقت نہیں تمہارے پاس ہمارا نمبر تو پھر اُس کے بعد آتا ہے۔ تمہارے بھائی سہی کہہ رہے تھے، تم نے بزنس میں گم ہو کر خود کو بالکل مشین بنا لیا ہے۔ تم خود ہی اپنی خوشیوں کے دشمن بن چکے ہو۔“

منزہ بھری بیٹھی تھی۔ اُس کے زرا سا چھیڑنے پر اپنی ساری بھڑاس نکالتی چلی گئی تھی۔

”ہمہ لگتا ہے کسی نے تمہیں میرے خلاف ورغلا یا ہے۔ اور یہ کیسی بات کہی تم نے۔ تم اور بھائی میری لائف میں سب سے زیادہ امپورٹنٹ ہو۔ جس کی بات تم کر رہی ہو۔ وہ میری لائف میں بالکل بھی سٹینڈ نہیں کرتی۔“

زورین سینے پر ہاتھ باندھے لا پرواہی سے بولتا منزہ کو آگ لگا گیا تھا۔

یہ خود سر شخص کسی کی نہیں سننے والا تھا۔ اس کے ساتھ سرکھپانا بیکار تھا۔

”میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں کیا۔ جو ایسے ہی کسی کی بھی باتوں میں آجاؤں گی۔ مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ میں خود بھی آنکھیں اور کان سلامت رکھتی ہوں۔“

منزہ کے تپ کر بولنے پر زورین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔
”تم جانتے ہو۔ آج کل میں اپنے رب کی مزید شکر گزار ہو گئی ہوں۔“

منزہ کی بات پر زورین نے سوالیہ نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔

”کہ میرے پروردگار نے میری زندگی میں ثاقب جیسا سلجھا ہوا، بے پناہ عزت اور محبت دینے والے انسان کا ساتھ لکھا ہے۔ دل کی طرح تم جیسے ظالم، سنگدل اور اکھڑ شخص کے ساتھ قسمت نہیں پھوٹی میری۔“

منزہ کے جل کر بتانے پر زورین کا بے ساختہ قہقہہ چھوٹا تھا۔

”بس اسی طرح شکر گزار رہنا۔ میرے بھائی واقعی بہت اچھے ہیں۔ میں تمہیں یہاں مزید رکنے کا کہنے آیا تھا۔ مگر تمہاری باتوں سے لگ نہیں رہا کہ اب مزید تم یہاں رُکنا چاہتی ہو۔ اوکے گڈنائٹ صبح ملاقات ہوگی۔“

زورین جیسے دل کے ٹاپک پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اُسے ٹکا سا جواب دیتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

”اللہ جی پلیر اس انسان کو ہدایت دے دیں اور دل آویز کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں۔ ورنہ ان شاہ صاحب نے تو اُس کا خون بھی پی جانا ہے۔“

منزہ اُس پر افسوس کر کے رہ گئی تھی۔



زورین نے اپنے بیڈ روم میں داخل ہوتے لائٹس آن کی تھیں۔ خالی پڑے بیڈ کو دیکھ اُس کی نظر صوفے کی جانب اٹھی تھی۔ وہ بھی خالی پڑا دیکھ وہ ٹھٹھک گیا تھا۔ دل یہاں موجود کیوں نہیں تھی۔
اُس کی متلاشی نگاہوں نے روم کا ہر حصہ چھان مارا تھا۔ مگر دل وہاں ہوتی تو ملتی نہ۔
وہ چینج کرنے کے بجائے ماتھے پر شکنوں کا جال بٹنے اُنہی قدموں پر واپس لوٹا تھا۔
ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے اُس نے اُسی پہلی والی ملازمہ کو بلا کر دل کے بارے میں پوچھا تھا۔
”صاحب وہ بیگم صاحبہ میرا بی بی کے روم میں ہیں۔“

ملازمہ کی بات پر زورین کا چہرہ غصے سے مزید تن گیا تھا۔

وہ اُسے بھیج کر سیدھا میرا کے روم کی جانب بڑھا تھا۔ وہ آج کی ہیکٹک روٹین کے بعد بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ مگر اُس کے باوجود دل کی بیڈ روم میں کمی اُسے بُری طرح کھل رہی تھی۔ وہ خود اپنی اس کیفیت سے انجان بس ایک نظر دل کو دیکھنے کا خواہاں تھا۔

میرا کے روم میں داخل ہوتے ہی، سامنے کا منظر دیکھتے اُس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے تھے۔ دل میرا کے ساتھ ایک ہی کمبل میں گھسی اُس کا سر اپنے بازو رکھے اُسے اپنی آغوش میں لیے گہری نیند سو رہی تھی۔
سوتے میں بھی اُس کے چہرے پر پھیلی ویرانی دیکھ زورین نے خود سے نظریں چرائی تھیں۔

کتنے ہی لمحے وہ اپنی جگہ پر کھڑا اُسے دیکھے گیا تھا۔ وہ دل کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا۔ مگر وہ جس طرح میرا کے ساتھ چپک کر سوئی ہوئی تھی۔ ایسا کرنے سے میرا کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے مطابق دل اُس کے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتی تھی کہ اُس کی نیند خراب ہونے کی پرواہ نہیں تھی۔

اس سارے چکر میں وہ میرا کو بھی بالکل ٹائم نہیں دے پا رہا تھا۔ میرا کے معصوم چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے وہ واپس پلٹا تھا۔

”بابا جانی۔۔“

میرا کی نرم سی پکار پر وہ جھٹکے سے پلٹا تھا۔ وہ دل کے قریب اُسی پوزیشن میں لیٹے آنکھیں کھولے مسکراتے ہوئے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”میری پرنسز جاگ رہی ہے۔“

زورین نے قریب آکر اُس کی جانب بانہیں واکی تھیں۔ دل کا بازو ہٹا کر میرا ایک سیکنڈ کی بھی دیری کیے اُن میں سما گئی تھی۔ میرا کے اُٹھنے پر دل کی آنکھ بھی کھل چکی تھی۔ مگر زورین سے سامنا نہ کرنے کا سوچتے اُس نے آنکھیں موندے رکھی تھیں۔

”بابا جانی، آئم مس یو سوچ۔ آپ کے پاس میرے لیے زرا ٹائم نہیں بچا۔ آپ مجھے اب آئس کریم کھلانے بھی نہیں لے کر جاتے اب۔ میں بہت سخت ناراض ہوں آپ سے۔“

زورین نے میرا کو اُٹھا رکھا تھا۔ وہ جس طرح آنکھوں میں آنسو بھرے شکوہ کر رہی تھی۔ اُس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

”نہیں رونا نہیں ہے میری پرسنل نے۔ بابا سوری کرتے ہیں۔ اب آئندہ روز آئس کریم کھلانے لے کر جائیں گے آپ کو۔

اب اپنی پیاری سی سائل دے میرا بچہ۔ آپ جانتی ہونا۔ بابا آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کتنا ہرٹ ہوتے ہیں۔“

زورین نے اُس کے آنسو آنکھوں سے باہر آنے سے پہلے ہی روک دیئے تھے۔

کسی اور کی بیٹی کو صبح شام رُلا کر اُسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ مگر اپنی بیٹی کا ایک آنسو بھی تکلیف میں مبتلا کر گیا تھا۔

”مما بھی چلیں گی ہمارے ساتھ۔ پرامس کریں۔“

میرا کو فوراً دل کا خیال آیا تھا۔

”مما؟؟؟؟؟مما نہیں ہیں وہ آپ کی۔“

زورین کے ماتھے پر فوراً بِل پڑے تھے۔

”وہی میری ماما ہیں۔ مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہیں۔ اور اب وہ میرے ساتھ رہیں گی۔“

میرا کی بات سن کر دل کی سماعتیں اُس سنگدل کا جواب سننے کی منتظر تھیں۔ مگر اُس جانب ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

”اوکے۔ اب آپ جا کر سو جاؤ۔ میں نے آپ کی نیند ڈسٹر ب کر دی۔“

زورین کی نظریں بھٹک بھٹک کر دل کی لرزتی پلکوں پر جا رہی تھیں۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دل جاگ چکی ہے

"مجھے اب دوبارہ نیند تب ہی آئے گی جب آپ میرے پاس سوئیں گے۔ وہ دیکھیں ممابھی اٹھ گئیں۔ آپ نے اُن کی نیند

بھی خراب کر دی۔ اب آپ ہم دونوں کو سلائیں گے۔“

میرا کی نظر بھی آنکھیں کھولتی دل پر پڑ چکی تھی۔ جبکہ اُس کی فرمائش پر زورین شاہ فہمائش نظروں سے اُسے گھور رہ گیا تھا۔

مگر وہ بھی اُسی کی بیٹی تھی۔ اپنی ضد تو منوا کر ہی دم لیا تھا۔ زورین کو ناچار بیڈ پر دل کے برابر لیٹنا پڑا تھا۔ جو خود اس سب سے گریزاں نظر آرہی تھی۔ میرا زورین کے پھیلے بازو پر سر رکھتی دونوں کے درمیان میں لیٹ گئی تھی۔

"مما آپ اُدھر ہو کر کیوں سو رہی ہیں۔ آپ بھی بابا کے بازو پر سر رکھ کر سوئیں نہ۔"

میرا کو اچانک خیال آیا تھا۔ وہ رُخ موڑ کر دل سے مخاطب ہوئی تھی۔ دل نے گھبرا کر زورین کی جانب دیکھا تھا۔ جس نے فوراً میرا کے سر کے نیچے سے گزار کر اُس کے گرد لپٹا بازو دل کے لیے کھول دیا تھا۔

دل جو اُس سے فرار اختیار کر کے یہاں چھپی تھی۔ یہ سب اُس پر مزید بھاری پڑ گیا تھا۔ کوئی بہانہ نہ بن پاتے ناچار اُسے سر رکھنا ہی پڑا تھا۔ جب اُس سے نفرت کرنے کے باوجود زورین ایسا کر رہا تھا۔ تو اُسے بھلا کیا پر اہلم ہو سکتی تھی۔

زورین کافی تھکا ہوا تھا اس لیے سر رکھتے ہی وہ سو گیا تھا۔ کچھ ایسا حال دل کا بھی تھا۔ آج کا دن اُس کے لیے بہت مشکل تھا۔ جسے عارضی طور پر ہی سہی مگر کچھ دیر اُن جان لیو باتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر اُس نے بھی نیند کی پناہ ڈھونڈی تھی۔

مگر اُن تینوں میں سے ایک نفوس ایسا تھا۔ جو صرف سونے کا ٹانگ کر رہا تھا۔

میرا کو جیسے ہی یقین ہوا وہ فوراً سے زورین کا بازو خود پر سے اٹھاتی بیچ میں سے نکل آئی تھی۔ خود پر رکھا زورین کا ہاتھ اب اُس نے پوری احتیاط سے پکڑ کے دل گرد لپیٹ دیا تھا۔

اور ہلکا سارینگتی بیڈ سے اتر گئی تھی۔ اب زورین اور دل جس پوزیشن میں سو رہے تھے۔ کوئی بھی دیکھ کر اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ کہ یہ دونوں الگ الگ ہی سوئے تھے۔

”آنی میں نے اپنا کام کر دیا۔ جیسا آپ نے کہا تھا ویسا ہی کیا۔“

میرا دبے قدموں باہر نکل کر باہر موجود منزہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

”ویری گڈ میرا ذہین بچہ۔“

منزہ اُس کا گال چوم کر شاباشی دیتے بولی تھی۔

”یہ آپ کا انعام۔۔۔۔۔“

میرا کو اُس کی فیورٹ چاکلیٹ پکڑا کر گود میں اٹھاتے وہ اپنے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اُسی کے کہنے پر ہی میرا نے یہ سب کیا تھا۔

منزہ خود تو زیادہ دیر یہاں رہ کر اُن دونوں کاریلیشن بہتر بنایے کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ زورین اگر کسی کے آگے قابو آتا تھا۔ کسی کی بات سنتا تھا تو وہ میرا ہی تھی۔ اس لیے اُس نے یہ سارا کام میرا کو سونپ دیا تھا۔

جو خود بھی دل اور زورین کو اپنے فرینڈز کے پیرنٹس کی طرح پیپی کپل دیکھنا چاہتی تھی۔ اُس نے منزہ سے پراس کیا تھا۔ جو منزہ اُسے کہے گی وہ ویسا ہی کرے گی۔

★★★★★★★★

”آپ کب تک مجھے ہوں ہی زبردستی اپنے گھر میں قید رکھیں گے۔ آپ جیسے ملک فروشوں کی جگہ صرف جیل میں ہے۔ میں آپ کو آپ کے انجام تک پہنچا کر رہوں گی۔“

ابہتاج نے سُلین کے چیخنیس چلانے کی پرواہ کیے بغیر اُسے اٹھا کر روم میں لا کر بیڈ پر ڈالا تھا۔ پورا راستہ وہ ایسے ہی اُلٹی سیدھی باتیں کر کے اُس کا دماغ مزید خراب کرتی آئی تھی۔

”میں اپنے انجام کو پہنچنے کو تیار ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ میرا انجام تمہارے ہاتھوں سے ہی ہونا چاہیے۔ تاکہ مرنے میں مجھے بھی تو لطف حاصل ہو سکے۔“

سُلین ابھی اُسی پوزیشن میں بیڈ پر گری ہوئی تھی۔ جب ابہتاج اُس کے اوپر ہلکا سا جھک کر بولتا اُس کا گال چھوتے پیچھے ہٹا تھا۔

اُس کے لمس نے سُلین کے تن بدن میں آگ لگادی تھی۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ابھی اور اسی وقت اس شخص کو پولیس کے حوالے کر دے۔

سُلین نے فوراً چہرہ اچھے کر لیا تھا۔

ابہتاج نے بہت غور سے سے اُس کی یہ حرکت دیکھی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”یہ محبت بھی کتنی بے رحم شے ہے۔ کاش میں اس کے وار سے بچ پاتا۔ تو آج تمہارے آگے یوں بے بس نہ ہوتا۔“

ابہتاج ہی جانتا تھا۔ کہ اس وقت سلین کے آگے وہ ضبط کے کن مراحل سے گزر رہا تھا۔ اُس نے کتنی مشکل سے اپنے جنونی غصے پر قابو کر رکھا تھا۔ اگر یہ لڑکی اُس کی محبت نہ ہوتی تو اب تک وہ اپنے غصے کے بہاؤ میں آکر نجانے اس کے ساتھ کیا کر چکا ہوتا۔

ابہتاج اُسکے پاس سے ہٹا واپس پلٹ گیا تھا۔ سلین کتنے ہی لمحے اپنی جگہ ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔ آنکھوں میں پڑتی روشنی کے احساس سے ڈسٹرب ہوتے زورین کی آنکھ کھلی تھی۔ اُس کے روم میں فل ٹائم وہ پردے گرائے ہی رکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے کبھی اُس کی نیند ڈسٹرب نہیں ہوئی تھی۔ مگر یہ میرا کاروم تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی نیند خراب ہونے پر کسی سے گلہ بھی نہیں کر پایا تھا۔

میرا کا خیال آتے ہی اُس کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

اُس نے آنکھیں موند رکھی تھیں۔ مگر اپنے بازو پر میرا سر اور سینے پر اُس کے ہاتھ کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے موبائل اٹھانے کے لیے جیسے ہی کروٹ بدلی میرا کی جگہ دل کو اپنے اتنے قریب سویا دیکھ وہ کچھ پل کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔

وہ اتنی معصومیت چہرے پر سموئے پر سکون سی اُس کے بازو پر سوئی ہوئی تھی۔ کہ زورین کتنے ہی لمحے یک ٹک اُسے دیکھے گیا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود اُس کا سر اپنے بازو سے جھٹک نہیں پایا تھا۔ زورین نے نظریں گھما کر اپنے سینے پر رکھے اُس کے ہاتھ کی جانب دیکھا تھا۔ اُس کی شرٹ کو پورے استحقاق سے تھامے وہ اس لمحے اُسے کوئی چھوٹی سی پچی معلوم ہوئی تھی۔

جیسے نیند میں بھی اُس کے دور جانے کا ڈر ہو۔

زورین بغور اُس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جب نیند میں ہی دل مسکرائی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایک الوہی سی مسکان بکھری ہوئی تھی۔ خواب میں جیسے اپنی کوئی من پسند شے دیکھ لی ہو۔

وہ اس وقت لائٹ پر پل کلر کے سوٹ میں ملبوس اپنے بے پناہ حُسن کی رعنائیاں بکھیر رہی تھی۔ دوپٹہ فولڈ کر کے تکیے کے قریب رکھا تھا۔ جبکہ بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ جو بار بار اُس کے چہرے پر بکھرتے زورین کے دیکھنے میں خلل پیدا کر رہے تھے۔

زورین نے ہاتھ بڑھاتے اُس کے چہرے سے بالوں کی گھنی لٹیں ہٹاتے کان کے پیچھے اڑسی تھیں۔ اُس کی گہری نظروں کا ارتکاز تھا کہ دل کے گال گلابی ہوئے تھے۔ وہ ایک دم کسمسائی تھی۔ اُس کی نیند زورین شاہ خراب کر چکا تھا۔

دل کو آنکھیں کھولتے دیکھ زورین جان بوجھ کر سوتا بن گیا تھا۔ دل کو بھی آنکھیں کھولتے شاک لگا تھا۔ میرا کا تو دور دور تک کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ زورین شاہ کا چہرہ اپنے بے حد قریب دیکھ اُس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ اُس کی گرم سانسیں دل کے چہرے پر پڑتیں اُسے دھکا گئی تھیں۔

اُس کا دل صبح شام اس شخص کی خواہش کرتا تھا۔ مگر آج اُسے اپنے اتنے قریب دیکھ اُس کے دل کو خوشی نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی جیسے ہی زورین شاہ جاگے گا۔ اُسے پھر سے ویسے ہی دھتکار دے گا۔

”آپ بہت بُرے ہیں۔ آئی ہیٹ یو زورین شاہ۔ آپ کے لیے میں صرف ایک کھلونا ہونا۔ جسے صرف اپنے مطلب کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ خود کو بہت عقل مند سمجھتے ہیں نا۔ مجھے اپنا مہرہ بنانے سے پہلے یہ ہی نہیں جان پائے۔ کہ کس

کو اذیت دینے کے لیے میرا استعمال کریں گے۔ میں اس دنیا میں کسی کے لیے امپورٹنٹ نہیں ہوں۔ مجھے اذیت دینے سے میرے گھر والوں کو تکلیف نہیں ہوگی۔ بلکہ خوشی ملے گی۔“

دل اذیت ناک لہجے اور الفاظ پر زورین کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اُسے دل کی آواز میں نمی گھلتی محسوس ہوئی تھی۔
”آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ بہت بڑا ظلم کیا ہے مجھ پر، اپنی زندگی میں شامل کر کے۔ میرے دل کا جو نقصان ہوا ہے۔ اُس کے لیے میں آپ ہو کبھی معاف نہیں کروں گی۔“

دل نے شکوہ کناں لہجے میں بولتے چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔ وہ ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی۔ کہ زورین سو رہا ہے۔ اس لیے اس وقت اتنی دلیری کا مظاہرہ کرتے اُس نے اُس مغرور نقوش سے سچے چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے جھک کر اپنے نازک لگ زورین کی کشادہ پیشانی پر رکھ دیئے تھے۔

اب دھڑکنیں تھمنے کی باری زورین کی تھی۔ دل کے الفاظ سے تو وہ بھی سمجھا تھا۔ کہ وہ اُسے اس طرح زبردستی شادی کرنے اور اُسے اُس کی محبت جو کہ وہ اپنے کزن سے کرتی تھی۔ سے دور جانے والی بات پر کبھی بہ معاف کرنے کا کہہ رہی تھی۔ مگر اُس کا یہ کپکپاتا نرم گرم لمس ایک ہی لمحے میں زورین شاہ کی ساری کنفیوژن کلیئر کر گیا تھا۔
دل کی آنکھ سے آنسو گر کر زورین کے چہرے پر گرا تھا۔ جس پر دل اُس کے جاگ جانے کے خوف سے فوراً گھبراتی پیچھے ہٹی تھی۔

کچھ دیر بعد زورین کو دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ مضطرب سا وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اٹھ بیٹھا تھا۔
”مجھ سے کہیں کچھ غلط تو نہیں ہو گیا۔“

زورین شاہ کا دل مزید بے چین ہوا تھا۔

بیڈ سے اُٹھتے اُس نے اپنے ماتھے پر کچھ دیر پہلے بخشے اُس نرم گرم لمس کو ہاتھ پھیرتے محسوس کیا تھا۔ عام حالات میں اُس کی جانب نظر اٹھا کر نہ دیکھنے والی اپنی چھوٹی موٹی سی بیوی کا اپنی غفلت میں یہ نیاز و پُا اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔

جو بھی تھا مگر یہ احساس اُسے بہت اُنوکھا اور خوبصورت لگا تھا۔



”خوش آمدید، آج تو بڑے خاص لوگ آئے ہیں۔ ہمارے غریب خانے پر۔ مجھے یقین تھا، تم ضرور آؤ گے۔“
گلشن آرا قاسم کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتا دیکھ اپنی جگہ سے اُٹھی تھیں۔ چہرے پر اپنا پہلا وار کامیاب جاتا دیکھ بے پناہ خوشی رقم تھی۔

”اب آگے ایسے ہی ہمارا ہر وار اُس ابہتاج لغاری کے دل پر خنجر کی طرح کبھے گا۔ بہت تکلیف برداشت کر لی ہم نے اب اُس کی باری۔“

قاسم کے چہرے پر ابہتاج کے لیے انتقامی جذبہ چھایا ہوا تھا۔ جسے دیکھ گلشن آرا کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔
”مجھے پورا یقین ہے تم ایسا ہی کرو گے۔ تمہاری قابلیت پر پورا بھروسہ ہے مجھے۔ اپنی فیورٹ باس سے رابطہ نہیں ہوا تمہارا۔ اُس بچاری کے ساتھ بھی تو بہت بڑا دھوکا ہوا۔ ابہتاج لغاری جیسے انسان سے نکاح کر کے۔ اُسے اس وقت تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ ایک تم ہی تو ہمدرد رہے ہو شروع سے اُس کے۔“

گلشن آرانے یہ بات جس قدر سنجیدگی سے کی تھی۔ اُس کے اختتام پر ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ جس میں قاسم نے بھی اُس کا پورا ساتھ دیا تھا۔

”بس اب اسی موقع کی تلاش میں ہوں۔ ایک دو دن رُک کر ہی ایسا ہوئی قدم اُٹھاؤں گا۔ کیونکہ اس وقت ابہاج لغاری زخمی شیر سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اُس کے دل پر ہاتھ ڈالا ہے ہم نے۔ اُس کی سب سے قیمتی چیز چھیننے کی کوشش کی ہے ہم نے۔ اتنی آسانی سے چپ نہیں بیٹھے گا وہ۔“

قاسم سامنے پڑاوائن کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگاتے بولا تھا۔ اُس کی بات سے گلشن آرا بالکل متفق تھیں۔ اُنہیں کسی صورت ابہتاج لغاری کو ہلکے میں نہیں لینا تھا۔

ابھی وہ اسی ڈسکشن میں مصروف تھے۔ جب باہر سے ایک ملازم بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

”کیا ہوا۔۔۔“

اُس کی حواس باختہ حالت پر گلشن آرا فکر مند ہوتی اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔

”وہ بیگم صاحبہ باہر ابھتاج لغاری۔۔۔۔۔“

باقی کے الفاظ اُس کے منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ جب پیچھے سے آتے ابہتاج لغاری نے اُسے گریبان سے دبوج کر دور پھینکا تھا۔ اور اُن دونوں کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر قاسم پر بُری طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ اُس کے مکوں اور گھونسوں کی برسات پر گلشن آرا چیخیں گارڈز کو آوازیں دینے لگی تھیں۔

مگر ابہتاج نے ہاتھ نہیں روکا تھا۔

”رُک جاؤ ورنہ میرے آدمی گولی چلا دیں گے تم پر۔“

تین چار گارڈز اندر آکر ابہتاج پر گن تان چکے تھے۔ مگر اُسے تو جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ قاسم اُس پر پلٹ کر وار کرنا تو دور کی بات، اپنا بچاؤ بھی نہیں کر پایا تھا۔ ابہتاج نے چند لمحوں میں ہی اُس کو لہو لہان کر کے رکھ دیا تھا۔ سُلین کا سارا غصہ بھی وہ قاسم پر ہی اتار رہا تھا۔

جب اِس سے بھی چین نہ ملا تو اُس نے اپنی پاکٹ سے پستول نکال کر قاسم کی کنپٹی پر رکھی تھی۔ اُسے اپنے پیچھے خود پر گن تانے کھڑے لوگوں کی زرا برابر بھی پرواہ نہیں تھی۔

”میری بیوی تک میرے خلاف ثبوت پہنچاؤ گے۔ اُسے مجھ سے دور کرنے کہ جرأت بھی کیسے ہوئی تمہاری۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا میں تمہیں۔“

اِس وقت وہ بس اِسی بات پر اپنا کھولتا دماغ ٹھنڈہ نہیں کر پایا تھا۔ کہ آج پھر دوسری بار اِسی، شخص نے اُس سے اُسکی سُلین کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

ابہتاج لغاری غصے میں کیسے اپنا آپا کھو بیٹھتا تھا۔ اِس بارے میں گلشن آرا سے زیادہ بہتر بھلا کون جان سکتا تھا۔ قاسم کے ماتھے پر گن دیکھ اُنہیں اپنی جان اٹکتی محسوس ہوئی تھی۔

”ابہتاج لغاری دور رہو قاسم سے۔ سات سال پہلے مجھ سے میرے شوہر کو چھین کر سکون نہیں ملا۔ جو ان میرے بیٹے کو بھی مارنا چاہتے ہو۔ میرے گارڈز تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

ابہتاج کے شکنجے میں موجود قاسم کا زخمی چہرہ اُن کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔

ابہتاج نے گن ہٹائے بغیر پلٹ کر اُن کے گارڈز کو دیکھا تھا۔

”سات سال پہلے آپ کے سو کے قریب گارڈز جب میرا کچھ نہیں بگاڑ پائے تو یہ دو چار تو کسی کھاتے میں نہیں آتے۔“

ابہتاج نے طنزیہ لہجے میں کہتے قاسم کو زمین پر پھینک دیا تھا۔

”یہ میری طرف سے دی جانے والی سزا کا ایک پرسنلٹ تھا۔ اب اگر اس کے بعد میرے معاملات میری زندگی میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کی تو ایسا عبرت کا نشانہ بناؤں گا۔ کہ زمانہ یاد رکھے گا۔ میری سُلین سے دور رہنا تم لوگ۔ ورنہ جیسے اب تک شوہر کے لیے رورہی ہو۔ عنقریب بیٹے کی شکل کو بھی ترسوں گی۔“

ابہتاج قاسم کی حالت دیکھ کر سناٹوں کی زد میں آئی گلشن آرا پر قہر برساتی نظر ڈالتا باہر نکل گیا تھا۔

”قاسم کو روم میں لے کر جاؤ۔ ڈاکٹر کو کال کرو جلدی سے۔ تم سب سے تو بعد میں نبٹتی ہوں میں۔ اتنی سیکورٹی میں یہ شخص اندر آیا کیسے۔“

گلشن آرا کی ساری خوشی ابہتاج نے چند لمحوں میں اُلٹ دی تھی۔ ابہتاج کی لال آنکھیں تصور میں لاتے وہ جھرجھری لے کر رہ گئی تھیں۔

★★★★★★

”ہاں تم فاخر کے ہاتھ وہ ساری فائلز گھر بھیجو ادو۔ میں چیک کر لیتے ہوں سب۔ آج شام میری کراچی فلائٹ ہے، آج

آفس نہیں آؤ گا میں۔“

زورین اپنے منیجر کو ہدایت دیتا فون بند کر گیا تھا۔

منزہ صبح ہی واپس جا چکی تھی۔ زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر نظروں ہی نظروں میں اُسے دل کا ڈھیروں خیال رکھنے اور پیار دینے کی التجا کر گئی تھی۔

زورین واپس فائلز پر جھکا تھا۔ جب اچانک اُس کی سماعتوں سے ایک کھنکھتی دلکش ہنسی ٹکرائی تھی۔ جس کی متلاشی اُس کی نگاہیں فوراً چاروں طرف گئی تھیں۔

وہ میرا کے ساتھ اُسے پودوں کے پاس گلیری میں بیٹھی نظر آئی تھی۔ دونوں گیلی مٹی سے بھرے ایک بڑے سے تھال میں ہاتھ ڈالے بیٹھیں، نجانے کیا بنانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ریڈ شرٹ کے نیچے وائٹ ٹراؤزر پہنے دوپٹے کو کمر پر باندھے، بالوں کو جوڑیوں کی شکل میں کبچر میں لپیٹے وہ سادگی میں بھی زورین شاہ کو اپنی جانب متوجہ کر گئی تھی۔

درمیان میں گلاس وال ہونے کی وجہ سے وہ دونوں اُسے نہیں دیکھ پارہی تھیں۔ مگر وہ اب فائل پرے دھکیلتا فرصت سے اُس کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا تھا۔

میرا نے مذاق میں تھوڑی سی مٹی دل کی نوز پر لگا دی تھی۔ جس کے بعد وہ مزید کیوٹ لگ رہی تھی۔ اُس کا میرا کو بُرا سامنہ بنا کر دیکھنے پر زورین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اب وہ دونوں مٹی سے چیزیں بنانا چھوڑ کر ایک دوسرے پر مٹی لگاتی آپس میں کھیلنے لگی تھیں۔ دل اس وقت میرا کے ساتھ کھیلتی اُسے بالکل بچی ہی لگی تھی۔

اُسے دل سے ہوئی اپنی پہلی ملاقات یاد آئی تھی۔ تب بھی تو وہ ایسے ہی تھی۔ ہنستی مسکراتی لڑتی جھگڑتی، اپنا ہر دکھ اپنی اُداس آنکھوں میں چھپائے۔

مگر اُس نے دل کی زندگی میں شامل ہو کر اُس کی یہ دیکھاوے کی مصنوعی ہنسی بھی چھین لی تھی۔ اُس سے زیادہ ظالم انسان بھلا کوئی اس دنیا میں ہو سکتا تھا۔

زورین کا ضمیر اُسے کچھ لگانے لگا تھا۔ سامنے بکھرتے رنگ دیکھ اُس کی دلچسپی ان بے رنگ فائلز سے ختم ہو چکی تھی۔ وہ انہیں سائیڈ پر رکھتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

دل جو میرا کو پیچھے آتا دیکھ بھاگتی اندر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ سامنے سے آتے زورین کو نہیں دیکھ پائی تھی۔ اُس کا سر زور سے زورین کے سینے سے ٹکرایا تھا۔ گرنے سے بچنے کے لیے دل نے مٹی سے لبریز اپنے دونوں ہاتھوں سے اُس کی سفید شرٹ جکڑ لی تھی۔

مگر لمحے کے ہزاروں حصے میں اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اُس کی آنکھوں کی پتلیاں خوف کے مارے سکڑ کر سمٹی تھیں۔

وہ جانتی تھی اب یہ شخص اُس پر دوبارہ بھڑکتے نوکروں اور میرا کے سامنے اُس کی عزت دو کوڑی کی کر دے گا۔
"آئم سوری۔ میں ابھی آپ کو واش کر دیتی ہوں۔"

اُس صاف شفاف وائٹ شرٹ پر اپنے ہاتھوں کے واضح نشان دیکھ شرمندگی کے مارے وہ زمین میں گڑھ گئی تھی۔ میرا کی خواہش پر وہ کچھ پل ساری باتیں بھلا کر اپنی پہلی والی دنیا میں واپس جاتی بچوں کی طرح اُس کے ساتھ کھیلنے لگی تھی۔ مگر زورین کے سامنے اب اُس کے دو جرم لکھے جا چکے تھے۔ ایک اُس کی شرٹ خراب کرنے کا اور دوسرا اُس کی میرا سے دور رہنے والی بات کی خلاف ورزی کر کے۔

وہ اس بات سے انجان تھی۔ کہ زورین تو اس وقت کسی اور ہی کیفیت کے زیرِ اثر چل رہا تھا۔
اس وقت بھی اُس کی خوفزدہ پلکوں کا رقص دیکھتے وہ اُن میں کھوسا گیا تھا۔
”اُس اوکے۔“

زورین بے تاثر چہرے کے ساتھ اتنا ہی بولتا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ کیونکہ اُس کے الفاظ سن کر دل جس طرح منہ کھولے
ہو نقوں کی طرح اُسے دیکھ رہی تھی۔ اگر وہ اُس کے سامنے رُکتا تو ضرور کوئی گستاخی سرزد کر بیٹھتا۔
دل حیران پریشان سی پاس پڑے کاؤچ پر جاگری تھی۔
”کیا ہوا ممما، بابا نے آپ کو ڈانٹا کیا۔“

میرا اُس کی گود میں چڑھ کر بیٹھتی فکر مندی سے بولی تھی۔ کیونکہ منزہ اُس کی اسی بات پر ڈیوٹی لگا کر گئی تھی۔
”نہیں۔“

دل نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”تو پھر آپ پریشان کیوں ہیں۔“

میرا اُس کا چہرہ اپنے معصوم ہاتھوں میں تھامتے بولی تھی۔

”کیونکہ اس سے بڑی اور کیا پریشانی والی بات ہو سکتی ہے۔ کہ میری غلطی ہونے کے باوجود اُنہوں نے مجھے نہیں ڈانٹا۔ تم
زرا چیک کر کے آؤ تمہارے بابا کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“

دل کے حیرت بھرے کھوئے کھوئے انداز میں کہنے پر میرا سمجھداری سے سر ہلاتی زورین کے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔



سُلیمن روتے روتے نجانے رات کو کس ٹائم سوئی تھی۔ کہ دن ایک بجے کے قریب بیدار ہوئی تھی۔ ابہتاج کی ہدایت کے مطابق ملازمہ کئی بار اُسے دیکھنے آچکی تھی۔ کہ کہیں اُس کی طبیعت تو خراب نہیں۔ مگر ابہتاج خود ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔ سُلیمن شاور لے کر روم میں واپس آتے متلاشی نظروں سے اپنے بیگ کو ڈھونڈنے لگی تھی۔ رات کو تو اُس کا دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ مگر اب فریش ہونے کے بعد اُس کا زہن تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اُسے ہر حال میں ابہتاج لغاری کو اُس کے اِن گھناؤنے کاموں میں مات دینی تھی۔

الماری میں رکھا بیگ نکال کر اُس نے پہلے اُس میں اپنا موبائل چیک کیا تھا۔ اُسے تو لگا تھا ابہتاج اُس کی ساری چیزیں ضبط کر چکا ہو گا۔ مگر اُس کی سوچ کے برخلاف اُس کا موبائل، لیپ ٹاپ اور باقی سارا سامان بھی ویسے ہی رکھا ہوا تھا۔ سُلیمن نے جلدی سے قاسم کا نمبر ملا یا تھا۔ ایک وہی شخص تھا جس پر وہ ٹرسٹ بھی کر سکتی تھی۔ اور جو اس مشکل سے نکلنے میں اُس کی مدد بھی ضرور کرتا۔

”اُف ہو۔ یہ قاسم کال کیوں پک نہیں کر رہا۔“

پانچ چھ بار کالز کرنے کے باوجود کوئی رسپانس نہ پا کر سُلیمن غصے سے موبائل بیڈ پر پٹختی واپس پٹی تھی۔ مگر دروازے کے بیچوں بیچ ابہتاج کو کھڑا دیکھ اُس کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔

اُس کے ہر احساس سے عاری بے تاثیر چہرے سے وہ اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔ کہ اُس نے اُس کی بڑبڑاہٹ سنی ہے یا نہیں۔ ”اتنی بے چینی سے کس کی طرف کال کی جا رہی تھی۔“

ابہتاج کی سرد وحشت زدہ نگاہیں سُلیں کو عجیب سے احساس سے دوچار کر گئی تھیں۔ کچھ دن پہلے اُس کے قریب رہتے جو خوشیوں بھرے خوبصورت رنگ سُلیں نے اُن آنکھوں میں دیکھے تھے۔ وہ اس وقت بالکل مفقود تھے۔

”مجھے اپنے بابا کے بارے میں اُن کے ڈاکٹر سے کچھ پوچھنا تھا۔ اُنہیں ہی کال کر رہی تھی۔“

ابہتاج کے سامنے جھوٹ بولنے پر سُلیں کا ماتھا پسینے کی بوندوں سے بھر گیا تھا۔

اُس کے ہاتھوں کی لرزش بھی ابہتاج سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔ ابہتاج چلتا اُس کے قریب آ رہا تھا۔ جبکہ وہ درزیدہ نظروں سے اپنے موبائل کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہیں ابہتاج اُس سے موبائل نہ چھین لے یا اُس کے ہوتے ہوئے قاسم کال بیک نہ کر دے۔ ابہتاج کو تو وہ ویسے ہی سخت ناپسند تھا۔

سُلیں پیچھے ہوتی دیوار سے جا لگی تھی۔ جبکہ ابہتاج کا چہرہ لمحہ بالمحہ غصے کی شدت سے لال ہوتا جا رہا تھا۔

”تو ہوئی بات ڈاکٹر سے۔۔۔۔“

ابہتاج اُس کے گال پر ہاتھ پھیرتا گھمبیر لہجے میں بولتا اُس کے چہرے پر جھکا تھا۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا۔ وہ سُلیں کے جھوٹ سے واقف ہے۔

”نن نہیں۔۔۔۔“

ابہتاج کے ہونٹ اپنے گال پر محسوس کرتے سُلیں نے اپنی مُٹھیاں سختی سے بھینچ لی تھیں۔

”تم جانتی ہو۔ اس دنیا میں اگر کسی انسان کے قریب مجھے سکون ملتا ہے تو وہ تم ہو۔ تمہاری زرا اسی قربت مجھے میرا ہر دکھ بھلا دیتی ہے۔ مگر تمہاری قربت ہمیشہ میرے لیے کسی آزمائش سے کم نہیں رہی۔۔۔۔“

پہلی بار تمہیں صرف دیکھنے کی قیمت یہاں گولی کھا کر چکانی پڑی تھی مجھے۔“

ابہتاج اُس کے پورے چہرے پر اپنے ہونٹوں کا جھلسا دینے والا لمس بجشتے پیچھے ہوتے اُسے اس سے بھی کہیں بڑا شاک دے گیا تھا۔

ابہتاج لغاری اُسے پہلے سے جانتا تھا؟ مگر کیسے اُس نے تو اُس رات روڈ پر پہلی بار ہی ابہتاج کو دیکھا تھا۔ اُس کا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا تھا۔

”مگر اصل دکھ کی بات یہی ہے۔ کہ تمہارے لیے میرا پانگل پن مزید بڑھ چکا ہے۔ میں اب بھی تمہاری خاطر ایک گولی کھانا تو کیا جان بھی دے سکتا ہوں۔“

ابہتاج نے ہاتھ بڑھا کر اُس کے ہونٹ کے اوپری تل کو چھوا تھا۔ سُلین مسمرائز سی اُسے سنے لگی تھی۔ اُس کا چہرہ ابہتاج کے لمس سے خون چھلکانے کو تیار تھا۔ جبکہ دل کی دھڑکنیں الگ حشر برپا کیے ہوئے تھیں۔

”دنیا کی بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کر سکتا ہوں مگر ان آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھنا ختم کر دے گا ابہتاج لغاری کو۔“

ابہتاج کی رینگتی انگلیوں نے جیسے ہی اُس کے ہونٹوں کو چھوا وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

ابہتاج نے بہت غور سے اُس کا یہ عمل دیکھا تھا۔

”ابہتاج لغاری آپ کو کیا لگتا ہے۔ آپ ایسا کر کے دوبارہ مجھے اپنے جال میں پھنسا لو گے۔ نفرت کرتی ہوں میں آپ سے۔
چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں اس ناپسندیدہ رشتے سے۔ آئندہ میرے قریب آنے کی کوشش بھی مت کیجیے گا
ورنہ۔۔۔۔“

سُلین میں نجانے اتنی ہمت کہاں سے آئی تھی۔ کہ وہ اُس کے سینے پر ہاتھ جما کر اُسے پوری قوت سے پیچھے دھکیلنے کی
کوشش کرنے لگی تھی۔
”ورنہ کیا، کیا کرو گی تم۔۔۔۔“

ابہتاج کی نظریں اُس کے ہونٹوں پر پڑتی اُس کے الفاظ وہیں روک گئی تھیں۔
”آپ کے خلاف۔۔۔۔۔“

سُلین آدھا جملہ ہی ادا کر پائی تھی۔ جب ابہتاج اُس کے چہرے پر جھکتا اُس کی سانسیں روک گیا تھا۔ سُلین کی آنکھیں
ناقابلے یقین حد تک کھل چکی تھیں۔ اُسے ابہتاج سے ایسی حرکت کی اُمید قطعی نہیں تھی۔
ابہتاج کے گریبان پر اُس کی گرفت مزید مضبوط ہوئی تھی۔ جسے محسوس کرتے ابہتاج کے لمس میں مزید تیزی آگئی تھی۔
سُلین پر اپنا غصہ نکالنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ملا تھا اُسے۔ مگر کوشش کے باوجود وہ اُس سے سختی نہیں برت
پایا تھا۔ اُس کے لمس میں سُلین کے لیے نرمی اور احتیاط موجود تھی۔

سُلمین کو اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی تھی۔ جب اُس پر رحم کھاتے ابہتاج نے اُسے آزادی بخش دی تھی۔ سُلمین کا پورا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ گرنے سے بچنے کے لیے اُس نے اُسی دشمنِ جاں کا سہارا لیا تھا۔ جس کی وہ شکل دیکھنے کی روادار بھی نہیں تھی۔

گہرے گہرے سانس لیتے اُس نے ابہتاج کے سینے پر سر ٹکاتے خود کو ریلیکس کرنا چاہا تھا۔ ابہتاج اُس کی کیفیت پر مسکراتا اُس کے گرد اپنی مضبوط بانہوں کا حصار قائم کرتے اُسے خود میں بھینچ گیا تھا۔

”تمہارے چہرے کی یہ سرخی اس بات کی گواہی ہے۔ کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میری جان محبت کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا اعتبار بھی کر لو۔ تو میری یہ مشکل زندگی آسان ہو جائے گی۔ لیکن اگر تم مجھ سے دور چلی گئی تو مجھے درندہ بننے سے کوئی روک نہیں پائے گا۔“

ابہتاج کا لہجہ جس قدر چنگار تا ہوا تھا۔ اُس کی نظروں میں سُلمین کو دیکھتے اتنی ہی نرمی تھی۔ اُس کے گرد سے اپنا حصار ختم کرتا، باری باری اُس کی دونوں آنکھوں پر لمس چھوڑتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ جبکہ سُلمین تو ایسے سُن کھڑی تھی۔ جیسے اُس میں جان ہی باقی نہ رہی ہو۔

ابہتاج سچ کہہ کر گیا تھا۔ اُس کی اصلیت جان لینے کے بعد بھی سُلمین اُس سے نفرت کرنا تو دور کی بات اپنے دل سے اُس کی محبت تک نکال نہیں پائی تھی۔

اپنے دل کی اس دھوکا دہی پر وہ سر پکڑتی وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔



ابہتاج لغاری اپنے بابا جعفر لغاری اور ماں سندس عالم کی اکلوتی اولاد تھا۔ وہ منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والی کہاوت پر پورا اترتا تھا۔

سندس بیگم بھی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد اور کروڑوں کی جائیداد کی اکیلی وارث تھیں۔ وہ نہ صرف بے حد دولت مند بلکہ حُسن و جمال میں بھی بے مثال تھیں۔ اپنے ماں باپ کے فیصلے پر سر جھکاتے انہوں نے اپنے لیے آئے جعفر لغاری کے رشتے پر رضامندی دے دی تھی۔

جن کا تعلق ایک بہت ہی سلجھی ہوئی پڑھی لکھی فیملی سے تھا۔ سندس کی طرح وہ بھی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ شادی کے دو سال بعد اللہ نے انہیں بیٹے کی نعمت سے نوازا تھا۔ جس کا نام انہوں نے بہت محبت سے ابہتاج رکھا تھا۔ سندس شادی کے شروع کے سال تو ان کی سنگت میں بہت خوش رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا سارا بزنس اور جائیداد جعفر صاحب کے کہنے پر ان کی محبت میں ان کے نام پر شفٹ کر کے اپنی لائف کی سب سے بڑی غلطی کر دی تھی۔

کیونکہ اُس کے بعد سے آہستہ آہستہ جعفر صاحب کا رویہ ان کے ساتھ بدلتا چلا گیا تھا۔

وہ گھر پر بہت کم آنے لگے تھے۔ اور جب ہوتے تب بھی سندس بیگم سے نہ ہونے کے برابر بات کرتے تھے۔ وہ ان سے پوچھ پوچھ کر تھک چکی تھیں۔ مگر وہ کوئی واضح جواب دینے کے بجائے بات ہمیشہ ٹال دیتے تھے۔

سندس بیگم تک کچھ جاننے والوں کے تھرو جعفر لغاری کے حوالے سے کچھ باتیں پہنچنے لگی تھیں۔ کہ وہ غلط عورتوں کے ساتھ غلط کاموں میں ملوث پائے گئے ہیں۔ جن باتوں پر یقین انہوں نے تب کیا تھا۔ جب پولیس جعفر لغاری کو اریسٹ

کرنے اُن کے گھر آن پہنچی تھی۔ اُنہیں کس قدر بدنامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ وہی جانتی تھیں۔ وہ ابہتاج پر ان سب باتوں کا بُرا اثر نہیں پڑنے دینا چاہتی تھیں۔ اسی لیے اُنہوں نے اُسے ہاسٹل بھیج دیا تھا۔

مگر ابہتاج نہیں جانتا تھا۔ کہ اس کے بعد وہ کبھی اپنی ماں کا چہرہ نہیں دیکھ پائے گا۔

جعفر لغاری نے سندس بیگم کی دولت ہتھیا نے کے لیے اُن کے سامنے شرافت کا ڈھونگ کیا تھا۔ وہ پہلے دن سے ہی سمگلنگ میں ملوث تھے۔ اُنہوں نے گلشن آرانامی عورت سے چھپ کر دوسری شادی کر رکھی تھی۔ جو اُن کے ساتھ انہیں غلط کاموں میں برابر کی شریک تھی۔

ملک میں انتشار پھیلانا، چوری ڈکیتی، اغواء، بے گناہ لوگوں کو مار پیٹ کر اُن کی دولت ہتھینا اور نو مولود معصوم بچوں سے لے کر بوڑھے افراد کو اغوا کر کے اُن کی سمگلنگ کرنے جیسے تمام گھٹیا کاموں میں ملوث تھے۔ سندس جیسی شریف اور پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کر کے اُس کی زندگی برباد کرنے کا مقصد بھی صرف اُس کی دولت حاصل کرنا تھا۔ جو کہ سندس جیسی معصوم لڑکی نے اُن کے بہکاوے میں آکر شادی کے کچھ سال بعد ہی سب کچھ اُن کے حوالے کر دیا تھا۔



زورین کراچی پہنچ چکا تھا۔ اُس کا یہاں آنے کا مقصد کوئی بزنس میٹنگ نہیں تھی۔ بلکہ وہ اپنے آدمی کی اطلاع پر فضیلہ نامی عورت کو ملنے آیا تھا۔ جس کی تلاش میں پچھلے اتنے سالوں سے اُس نے اپنے آدمیوں کو ملک کے ہر کونے میں چھپا رکھا تھا۔

وہ عورت اُن کے گھر کی پرانی ملازمہ اور ہمایوں کے حوالے سے بہت کچھ جانتی تھی۔ ہمایوں اور شہلا کے غائب ہوتے ہی وہ بھی غائب ہو گئی تھی۔ ثاقب سے ہی اُسے پتا چلا تھا۔ کہ وہ ہمایوں کے پلان میں شامل تھی۔ اور شاید اُس رات کی ہر حقیقت سے واقف بھی۔

زورین کو جیسے ہی اُس کے ملنے کی خبر ملی تھی۔ وہ فوراً وہاں پہنچ گیا تھا۔

تنگ گلیوں سے گزرتے وہ مطلوبہ گھر کے سامنے آن رُکا تھا۔ دو تین بار دروازہ ناک کرنے کے کافی دیر بعد جا کر ایک درمیانی عمر کی عورت نے دروازہ کھولا تھا۔

”جی صاحب کون ہیں آپ۔ اور کس سے ملنا ہے آپ کو۔“

زورین آج اپنے معمول کے حلیے سے ہٹ کر سفید قمیض شلوار میں ملبوس اپنی چھاجانے والی پر سنیلٹی کے ساتھ اُس عورت کو چونکا گیا تھا۔

جبکہ اتنے سالوں کی کوشش کے بعد سامنے کھڑی عورت کو دیکھ اُس کی آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی تھی۔

اُس نے تصویر دیکھ رکھی تھی۔ اِس لیے اُسے زیادہ مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ یہ وہی عورت تھی جس کے لیے وہ اتنا خوار ہوا تھا۔

”زورین شاہ نام ہی میرا۔ ہمایوں شاہ کا بھتیجا، فضیلہ بی بی سے ملنے کے ہوں۔“

زورین نے بات کرتے بہت غور سے اُس عورت کے متغیر ہوتے تاثرات کی جانب دیکھا تھا۔

”مم میں نہیں جانتی جسی فضیلہ بی بی کو۔ آپ پلیز جائیں یہاں سے۔“

شدید گھبراہٹ کا شکار ہوتے وہ عورت دروازہ بند کرنے ہی والی تھی۔ جب زورین بیچ میں ہاتھ رکھ کر ایسا کرنے سے روکتا اندر داخل ہوا تھا۔

”آپ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو میں آپکو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ جو سوال پوچھوں گا اُس کا سچا جواب دینا۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“

زورین کی دھمکی پر وہ عورت چہرہ اچھکائے رونے لگی تھی۔



سندس ایک پڑھی لکھی مضبوط لڑکی تھی۔ وہ اتنی جلدی اور آسانی سے یہ دھوکا برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے جعفر صاحب پر کورٹ میں اپنی جائیداد دھوکے سے اپنے نام کروانے کا کیس دائر کر دیا تھا۔ جس کا نوٹس ملتے ہی جعفر لغاری اور گلشن آرا اُس عام سی کمزور عورت کی اتنی جرأت پر دھنگ رہ گئے تھے۔

اس سے پہلے کے بات مزید بڑھتی اور اُن کے لیے یہ کیس کوئی بڑی ہرا بلم کھڑی کرتا۔ گلشن آرا نے اپنے شاطر دماغ سے ایک بہت بڑی چال چلی تھی۔ جس پر عمل پیرا ہوتے جعفر صاحب سندس کے پاس واپس لوٹ گئے تھے۔ اور اُس کے سامنے آنسو بہا کر ان سب باتوں کو خود پر لگایا جھوٹا الزام ثابت کرنے لگے تھے۔

سندس یقین نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ مگر اپنے شوہر کو یوں قدموں میں گر کر گر گڑا تے دیکھ اُن کا دل پسینہ گیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھیں، اُن کی سادگی انہیں کتنی بڑی سازش کا شکار بنا دے گی۔

جعفر صاحب کو معاف کرتے انہوں نے اپنا کیس واپس لے لیا تھا۔ یہ سب ہوئے ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا۔ جب گلشن آرانے اُن کے گھر آکر جعفر صاحب کی دوسری شادی کا بم اُن کے سر پر پھوڑا تھا۔

سندس یہ سب سن کر بہت روئی تھیں۔ اُن دنوں کو اس دھوکے پر بُرا بھلا کہتے اُن دونوں کی اصلیت سب کے سامنے لانے کی دھمکی بھی دی تھی۔

مگر گلشن آرا تو پہلے سے ہی سب کچھ پلان کر چکی تھیں۔ جعفر صاحب کو یہاں بھیجنے کا مقصد صرف سندس کو بہلا پھسلا کر وہ کیس واپس لینا تھا۔ اصل کام کرنے تو وہ خود آئی تھیں۔ گلشن آرانے سندس کو زہر کا انجکشن لگا دیا تھا۔ جس کے بعد وہ صرف ایک دن ہی زندہ رہ پائی تھیں۔

ابہتاج اپنی ماں کے ساتھ پیش آنے والے ہر واقع سے انجان لندن کے سکول میں اپنی تعلیم حاصل کرتا رہا تھا۔ سندس کے بابا کے خاص دوست جنہوں نے جعفر صاحب پر کیس کرنے میں سندس کی مدد کی تھی۔ بہت حد تک اس سارے قصے سے واقف تھے۔ مگر اُن کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ کہ وہ ابہتاج کو اُس کے باپ کی اصلیت بتا پاتے۔

ابہتاج اپنی ماں کی یوں اچانک ڈیٹھ کی خبر سن کر بہت رویا تھا۔ وہ پاکستان واپس آنا چاہتا تھا۔ مگر سندس کے کزن جو لندن میں ہی رہتے تھے۔ اور ابہتاج کا سگے بھانجوں کی طرح خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت مشکل سے ابہتاج کو سنبھالا تھا۔ ابہتاج نے اپنی آگے کی تعلیم صرف اپنی ماں کی خواہش پوری کرنے کے لیے حاصل کی تھی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وہ پاکستان واپس لوٹ آیا تھا۔ جہاں اُس کے بابا نے اُس کا پُر تپاک استقبال کیا تھا۔

گلشن آراجو جعفر صاحب سے اُن کے بیٹے کا ذکر سن چکی تھی۔ ابہتاج کی پر سنیلٹی دیکھ مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ پائی تھی۔

ابہتاج جیسا بے حد وجہہ اور سٹرانگ شخصیت کا مالک شخص اُن کے کام کو مزید ترقی کی اُونچائیوں تک پہنچا سکتا تھا۔ اِس لیے ایک بار پھر اُن کا اور جعفر صاحب کا ٹانگ ابہتاج کے آگے بھی شروع ہو چکا تھا۔ اُنہوں نے ابہتاج کے سامنے زر اسابھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ کہ وہ اُس کی ماں کے قاتل تھے۔ اور نہ ہی یہ کہ وہ کن جرائم پیشہ کاموں میں ملوث تھے۔ ابہتاج اپنی ماں کی وفات کے صدمے کے بعد سے کافی کم گو ہو گیا تھا۔ صرف اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ غصہ اور ایگریشن اُس میں پہلے دن سے بہت تھا۔ سندس بیگم نے اُس پر قابو پانے کی بہت کوشش کی تھی۔ اور کافی حد تک کم بھی کر لیا تھا۔ اور کافی حد تک اُس پر قابو بھی پالیا تھا۔ مگر اُن کے جانے کے بعد اُس کا غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔ اپنے باپ سے تو وہ ویسے ہی دور رہا تھا۔

اُس کی ماں ہی واحد قریبی رشتہ تھی اُس کے پاس۔ جسے ظالم لوگوں نے چھین لیا تھا۔ اُس سے بڑا ستم یہ تھا کہ وہ اپنی ماں پر ہوئے ظلم سے ناواقف تھا۔

گلشن آرا سے اپنے باپ کی دوسری شادی کا بھی اُس نے کچھ خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔

اُس نے بس خاموشی سے اپنی ماں کا بزنس سنبھال لیا تھا۔ جس کا پرافٹ اب جعفر لغاری اپنے دھندے میں استعمال کرتا تھا۔ لیکن ابہتاج کے آنے کے بعد اُس نے سارے اکاؤنٹس کلیئر کر دیئے تھے۔ ابہتاج تو ویسے بھی اپنے باپ پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں کر سکتا تھا۔

گلشن آرا کی جانب سے اُس کے بابا کی دو اولادیں تھیں۔ نیہا اور قاسم۔ ابہتاج نے اُن دونوں سے ہی اپنا رویہ لیا دیا رکھا تھا۔ مگر وہ دونوں خود بخود ہی اُس کے قریب ہوتے چلے گئے تھے۔

نیہا اور قاسم دونوں ہی اپنے پیرنٹس کی اس غلط روش سے اچھی طرح واقف تھے۔ مگر ابہتاج کی طرف وہ اپنی ماں کی طرح کسی غلط نیت سے نہیں بڑھے تھے۔ وہ ابہتاج کو دل سے اپنا بڑا بھائی تسلیم کرتے تھے۔ ابہتاج بھی اُن کی محبت دیکھ خود کو مزید دور نہیں رکھ پایا تھا۔ اُن میں اتنا پیار تھا کہ کوئی دیکھ کر یقین نہیں کر سکتا تھا کہ وہ سگے بہن بھائی نہیں ہیں۔

لیکن ابہتاج کو گلشن آرا کی حرکتیں کچھ مشکوک لگنے لگی تھیں۔ وہ اُسے مختلف غیر مردوں کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ جب ایک دن اُسے ہوٹل کے روم سے کسی مرد کے ساتھ باہر نکلتا دیکھ اُس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

اُسے اپنی سوتیلی ماں کے اس دھوکے پر شدید غصہ آیا تھا۔ جس پر قابو نہ رکھ پاتے وہ اُن کو اس سب سے باز رہنے اور اپنے بابا کو سب بتا دینے کی دھمکی دے گیا تھا۔

گلشن آرا تو پہلے ہی ابہتاج کے تیور دیکھ سمجھ گئی تھیں۔ کہ یہ شخص اُن کے قابو میں آنے والا نہیں ہے۔ اسے اس کی ماں کی طرح راستے سے ہٹانا ہی بہتر تھا۔

اُس کے شاطر دماغ نے ایک نیا پلان بنا شروع کیا تھا۔ جس میں اُس نے اپنی ہی سگی بیٹی کو مہرے کی طرح استعمال کرنا چاہا تھا۔

نیہا اُن کی بات سن کر سرے سے انکاری ہوئی تھی۔ اُس نے ابہتاج کو دل سے اپنا بھائی مانا تھا۔ وہ اُس کے خلاف کچھ غلط نہیں کر سکتی تھی۔ مگر سناٹوں کی زد میں تو وہ اُس وقت آئی تھی۔ جب اُس کی سگی ماں نے اُس کے بوائے فرینڈ کے حوالے سے اُسے بلیک میل کیا تھا۔

نیہا کے پاس اپنی ماں کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اُن کے کہے پر عمل کرتی گئی تھی۔ اُسے تب احساس ہوا تھا کہ اُس کی ماں کا دل دولت کی ہوس نے بالکل ختم بے رحم کر دیا تھا۔ دوسروں کو سازشوں میں پھنساتے وہ اب اپنے ہی بچوں کو بھی نہیں بخش رہی تھیں۔

گلشن آرانے محسوس کیا تھا کہ جعفر صاحب کے دل میں کہیں نہ کہیں بیٹے کی محبت انگڑائی لیتی رہتی تھی۔ وہ سندس کی طرح ابہتاج کو راستے سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔ اس لیے اُس نے پہلے ابہتاج سے جعفر کو بد ظن کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُس کے پلان کے مطابق نیہا گلشن آرا کے بتائے گئے ہوٹل کے روم میں گئی تھی۔ جہاں پہلے ہی گلشن آرا اپنے ایک خاص آدمی کے ساتھ موجود تھی۔ اُس کے کہنے پر نیہا نے پہلے گھبرائی ہوئی آواز نکال کر ابہتاج کو کال کرتے یہاں بلوایا تھا۔ اور ساتھ ہی پھر جعفر لغاری کو بھی کال ملا دی تھی۔ اُس کی روتی بلکتی آواز سن کر دونوں نے ہی وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ قاسم بھی جعفر صاحب کی کال پر وہاں آن پہنچا تھا۔

مگر آگے کا منظر اُن تینوں کے لیے ہی شاک کا باعث تھا۔ نیہا کے ساتھ روم میں کوئی غیر لڑکا موجود تھا۔ اُن سب کے آنے سے پہلے ہی گلشن آرا وہاں سے نکل گئی تھی۔

ابہتاج اُن دونوں سے چند منٹ ہی پہلے پہنچا تھا۔ اس سے پہلے کے وہ سچویشن سمجھنے کی کوشش کرتا۔ نہیہا جلدی سے اُس کے پیچھے آتے جعفر صاحب کے گلے لگتی بلک بلک کر رودی تھی۔

”تھینک گارڈ بابا آپ آج آگئے۔ ورنہ ابہتاج بھی مجھے آج اس شخص کے ہاتھ بچ ہی دیتے۔“

نہیہا کے الفاظ اُن سب سمیت ابہتاج پر بھی پہاڑ بن کر ٹوٹے تھے۔ وہ بے یقینی سے اپنی بہن کے اتنے بڑے جھوٹ پر اُس کی جانب دیکھے گیا تھا۔ جسے اُس نے سگی بہنوں کی طرح عزت، پیار اور مان بخشا تھا۔ وہ اُس کے خلاف کیا ہر اُگل رہی تھی۔

جعفر صاحب نہیہا کی حالت دیکھ اُس کی بات کا انکار کر ہی نہیں پائے تھے۔ قاسم کے اُس لڑکے کو پیٹنے پر اُس نے گلشن آرا کا رٹارٹایاں سبق سنا دیا تھا۔ کہ اُس کی ابہتاج کے ساتھ ڈیلنگ ہو چکی ہے۔ ابہتاج نے پانچ کڑور میں نہیہا کا سودا کیا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں پکڑانوٹوں سے بھرا بیگ دیکھ شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں بچی تھی۔

”مجھے زرا اندازہ نہیں تھا۔ ابہتاج لغاری چند پیسوں کے عوض تم میری بہن کا سودا کر دو گے۔ تمہیں بڑا بھائی سمجھا تھا۔ مگر تم نے تو ہماری ہی پیٹھ پر خنجر کھونپ دیا۔“

قاسم کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ابہتاج کو شوٹ کر دے۔ جبکہ جعفر لغاری جتنا بھی ضمیر فروش کیوں نہ سہی مگر اپنی بیٹی کا یوں سودا ہو تا دیکھ اُس نے ابہتاج کو ایک زوردار تھپڑ رسید کرتے نجانے کتنا بُرا بھلا کہا تھا۔

اُس دن سے قاسم اور ابہتاج کی دشمنی کی شروعات ہوئی تھی۔ قاسم ابہتاج کو زچ کرنے کے لیے ہر اُلٹا کام کرتا۔ کبھی اُس کے بزنس میں نقصان کر دیتا تو کبھی اُس کی ذاتی زندگی میں زہر گھول دیتا۔ ابہتاج نے نہ ہی کسی کو اپنے بے گناہ ہونے کی وضاحت دی تھی۔ اور نہ ہی اُس کے بعد سے نہیہا کی شکل دیکھنے کا روادار ہوا تھا۔

قاسم کو جس چیز نے ابہتاج سے زیادہ بدظن کیا تھا۔ وہ تھی ابہتاج کو خاموشی۔

اُسی دوران ابہتاج کی ملاقات حبیب صاحب سے ہوئی تھی۔ جو اُس کے نانا کے قریبی دوست کے بیٹے اور ایک سائنسٹ تھے۔ ابہتاج نے نوٹ کیا تھا۔ وہ اُسے کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ مگر کسی خوف کے زیرِ اثر بتا نہیں پارہے۔

اُنہوں نے اُسے رات گئے سب سے چھپ کر، اُسے اپنے گھر آنے کا کہا تھا۔

ابہتاج کو اُن کی بات کافی عجیب لگی تھی۔ مگر اُن کے بے حد اصرار پر وہ حامی بھر گیا تھا۔ اُن سے وعدے کے مطابق رات کے اندھیرے میں بلیک ہڈی پہنے وہ دیوار پھلانگ کر اُن کے گھر میں داخل ہوا تھا۔

دل بہت بور ہو رہی تھی۔ اُسے شروع سے ہی فارغ بیٹھنے کی عادت بالکل بھی نہیں تھی۔ یا تو پورا دن سویرا لوگوں کے ساتھ مل کر کوئی نہ کوئی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی رہتی۔ یا پھر رقیہ بیگم کے عتاب کا نشانہ بنتے اُن کی دی گئی سزا کے مطابق گھر کے مختلف کاموں میں لگی رہتی۔ جن کے لیے خاص طور پر ملازمین رکھے ہوئے تھے۔ مگر دل کو تکلیف دینے کے لیے وہ ایسا کرتی رہتی تھیں۔ اُس کے ساتھ۔

اپنے ماضی کی بھول بھلیوں میں نجانے وہ کب تک کھوئی رہتی۔ جب سویرا کی کال پر ہوش میں آتے وہ اُس جانب متوجہ ہوئی تھی۔

وہ جانتی تھی ضرور سویرا نے اُس سے زورین کے حوالے سے شکوہ کرنے کے لیے کال کی ہوگی۔
”سویرا آتم سوری۔۔۔۔۔“

دل اُن لوگوں کی کوئی مدد نہ کر پانے کی وجہ سے شرمندہ سی ہوئی تھی۔ مگر اُس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی سویرا نے اُسے ٹوک دیا تھا۔

”پاگل تم کیوں سوری بول رہی ہو۔ سوری تو مجھے بولنی چاہیے۔ اُس دن پریشانی میں تم سے بہت روڈی بات کر لی۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر تھینکیو سوچ تم نے زورین بھائی کو مزید مہلت دینے کے لیے منالیا۔ اُنہوں نے اس بار پورے ایک سال کا ٹائم دیا ہے۔ زورین بھائی کے منیجر نے پایا کو بتایا ہے کہ اتنی فیور وہ صرف تمہاری وجہ سے کر رہے ہیں۔ ورنہ اپنے رولز کے خلاف جانے والوں کے ساتھ بہت بُرا کرتے ہیں وہ۔ تم جانتی ہو، سب گھر والے بہت خوش ہیں اور تم دونوں کو بہت دعائیں بھی دے رہے ہیں۔“

سویرا کی چہکتی آواز دل کو حیرت کے سمندر میں ڈبو گئی تھی۔

زورین نے اُس کے گھر والوں کی مدد کی تھی۔ وہ بھی اُسی کی خاطر۔ دل کے لیے یہ بات ہضم کرنا نہایت مشکل ہو رہا تھا۔
”ہیلو دل کہاں گم ہو گئی تم۔“

سویرا اُس کی خاموشی پر بولی تھی۔

”یہ سب کب کیا زورین نے۔“

زورین کل شام کو ہی کراچی کے لیے نکل گیا تھا۔ گھر ہوتے ہوئے تو اُس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔

”کل صبح اُن کا منیجر آیا تھا۔ ایک منٹ تمہیں نہیں پتا اس بات کا۔“

سویرا اُس کی لاعلمی پر فوراً چونکی تھی۔

”نہیں زورین نے سب بتایا ہے مجھے۔ تم یہ بتاؤ گھر میں اب سب ٹھیک ہے نہ۔“

دل نے بہت مشکل سے بات سنبھالی تھی۔

”ہاں اب تم تمہارے ہی نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ اقریچ ایک بات تو بتائی ہی نہیں تمہیں۔ زمین آپ کی نکاح ہے دو چار

دنوں میں اور پھر ہفتے بعد شادی۔ بڑے تو زورین بھائی کو سپیشلی انوائٹ کرنے آئیں گے ہی سہی۔ مگر زمین آپ کی تمہارے

لیے پیغام ہے۔ کہ تم نے تو لازمی آنا ہے۔ اور ایک دن پہلے آنا ہے۔“

سویرا اُسے زمین کے نکاح میں آنے کے لیے بار بار کہتی فون بند کر گئی تھی۔

جبکہ دل ہونقوں کی طرح بیٹھی خود کو اسی الجھن کا شکار تھی۔ کہ زورین تو اُس سے اور اُس کے گھر والوں سے اتنی نفرت

کرتا تھا۔ تو پھر اُس نے ایسا کیوں کیا تھا۔

★★★★★★

پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ مگر سامنے موجود ڈیس پر کھڑی سیاہ پیروں تک آتے فراک میں دوپٹہ شانوں پر

پھیلائے، سیاہ گھنیری ہوا سے لہراتی زلفوں کو نزاکت سے سنبھالنے کی کوشش کرتی وہ کوئی ایسرا ہی معلوم ہوئی تھی ابہتاج

کو۔ وہ اپنا یہاں آنے کا مقصد بھولتے یک ٹک اُسے دیکھے گیا تھا۔ کوئی لڑکی بھلا اتنی حسین بھی لگ سکتی تھی اُسے۔ جس

شخص کے مطابق محبت اس دنیا میں اگزیسٹ ہی نہیں کرتی تھی۔ اُسے خود چند سیکنڈز لگے تھے۔ پہلی نظر کی محبت میں گرفتار ہونے میں۔

بار بار پھسل کر بال چہرے پر آگرنے کی وجہ سے وہ اُس لڑکی کا پورا چہرہ انہیں دیکھ پایا تھا۔ اُس کے دل نے شدت سے اس افسر کا چہرہ دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ اپنے دل کی آواز پر سر خم کرتے وہ اُس کی جانب بڑھا تھا۔ تب تک اُس کا پیچھا کرتے آئے قاسم کے آدمی اُس پر اندھا دھند فائر کھول چکے تھے۔

ابہتاج اس بات سے انجان تھا۔ کہ حبیب صاحب کے پاس کچھ ایسے راز موجود تھے۔ جو جعفر لغاری اور گلشن آرا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر حبیب صاحب ان رازوں کو کسی صورت ملک دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔

وہ جانتے تھے حبیب صاحب کو مارتے ہی سارے راز بھی دفن ہو جائیں گے۔ اس لیے انہیں زندہ رکھنا ان لوگوں کی مجبوری تھی۔ قاسم صبح حبیب صاحب کو ابہتاج سے ملتے دیکھ چکے تھے۔ اس لیے اب وہ ابہتاج کا پیچھا کرتے یہاں آن پہنچا تھا۔

مگر ابہتاج تو ٹیرس پر کھڑی سُلین حبیب کے سحر میں ایسا جکڑا تھا۔ کہ گولیوں کی بوچھاڑ کی پرواہ کیے بغیر صرف ایک نظر اُس کا حسین مکھڑا دیکھنے کی خواہش لیے وہ پائپ کی مدد سے دیوار چڑھتا اُس کے ٹیرس میں آن پہنچا تھا۔ جو گولیوں کی آواز سے خوفزدہ ہوتی اب اپنے روم میں بند ہو چکی تھی۔

ابہتاج کھڑکی کے راستے اندر داخل ہوا تھا۔ جب اُسے وہ سامنے ہی بیڈ پر آڑی ترچھی پڑی نظر آئی تھی۔ ابہتاج اندازہ نہیں لگایا تھا کہ وہ سوچکی ہے یا خوف سے بے ہوش ہوئی ہے۔

ابہتاج کی نظر جیسے ہی اُس حسین مکھڑے پر پڑی وہ اس بے پناہ حُسن کی تباہ کاریوں سے اپنے دل کو تباہ ہونے سے نہیں بچا پایا تھا۔

اس لڑکی کو دیکھنے کی اُسکی خواہش اب پوری ہو چکی تھی۔ وہ اس لڑکی پر کوئی حق نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے بس چھپ کر یوں ایک نظر دیکھنے کی گستاخی کرتا واپس پلٹ گیا تھا۔

کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی مگر وہ سُلیں حبیب کے سحر میں ایسا جکڑا تھا۔ کہ سامنے کھڑے قاسم کے خاص آدمی احمد کو خود پر نشانہ باندھے نہیں دیکھ پایا تھا۔

وہ سیدھا اُس کے دل پر نشانہ باندھے وار کرنے ہی والا تھا۔ جب قاسم نے عین وقت پر اُسے دھکا دیا تھا۔ اُس کا نشانہ چوکتا دل کے بجائے کندھے پر لگا تھا۔

”تم پاگل ہو گئے ہو کیا۔ ہم یہاں ابہتاج کو مارنے نہیں آئے۔ صرف اُسے یہاں دوبارہ نہ آنے سے باز رکھنے آئے ہیں۔ تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ابہتاج کو جان سے مارنے کی کوشش کرنے کی۔“

قاسم جو بظاہر ابہتاج سے شدید نفرت کا پرچار کرتا تھا۔ اُس کو خطرے میں نہیں دیکھ پایا تھا۔ قاسم کے چلانے پر احمد خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا تھا۔ اُسے گلشن آرا کی جانب سے اُن کا نام بولنے کی اجازت نہیں تھی۔

اُس کے بعد سے قاسم نے اکثر ابہتاج کو سُلیں کے ارد گرد پایا تھا۔ وہ ابہتاج کی آنکھوں میں سُلیں کے لیے بے پناہ پیار دیکھ چکا تھا۔ ابہتاج کا حبیب صاحب کی بیٹی کے قریب جانا اُن کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے اُنہیں کسی طرح بھی ابہتاج کو اس لڑکی سے دور رکھنا تھا۔

حبیب صاحب جانتے تھے ابہتاج ہی وہ واحد شخص ہے جو جعفر جیسے ناسور کو اس ملک سے ختم کر سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے بہت بار ابہتاج کو اُس کے خاندان والوں کا بیچ اور اپنے پاس موجود وہ راز دینے کی کوشش کی تھی۔ جس سے جعفر اور گلشن آرا کے پورے گینگ کا خاتمہ کیا جاسکتا تھا۔ اور اگر یہی راز غلط ہاتھوں میں چلے جاتے تو ملک کی مزید تباہی ہونی تھی۔ لیکن قاسم اور جعفر صاحب کے انہیں سُلین کے حوالے سے دھمکانے پر ہی حبیب صاحب ابہتاج کو سارا بیچ بتانے کی خواہش دل میں لیے راتوں رات اپنا گھر چھوڑ آئے تھے۔

ابہتاج نے اُسی رات اُن سے ملنا تھا۔ اُس نے انہیں بہت ڈھونڈا تھا۔ مگر وہ اُسے کہیں نہیں ملے تھے۔ جس لڑکی کی روز ایک جھلک دیکھ کر کی ابہتاج کو سانس آتی تھی۔ اُس لڑکی کے اس طرح چلے جانے پر وہ پاگل ہو اُٹھا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا تھا۔ اپنی ماں کے بعد سُلین ہی وہ واحد ہستی تھی۔ جسے دیکھ اُسے زندگی کا احساس ہونے لگا تھا۔ مگر اُس کی بد قسمتی ہی یہی تھی۔ کہ وہ اُس لڑکی کے آگے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار بھی نہیں کر پایا تھا۔ وہ اُسے جانتی تک نہیں تھی۔

ابہتاج پوری رات روڈ پر ہی گزار دیتا جب اُس کی نظر پاس سے گزرتی جعفر صاحب کی گاڑی پر پڑی تھی۔ نیہا والے واقع کے بعد سے اُس کی سب گھر والوں سے بول چال بند تھی۔ جس سے اُن میں سے کسی کو فرق پڑ بھی نہیں رہا تھا۔

”بابا آدھی رات کو اس طرح کہاں جا رہے ہیں۔“

ابہتاج حیرت کا اظہار کرتا گاڑی اُن کے پیچھے لگا چکا تھا۔ شہر سے بہت دور آبادی سے باہر آکر جعفر صاحب کی گاڑی بڑے بڑے درختوں سے گھرے راستے کو طے کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ابہتاج بہت ہی ہوشیاری سے اُن کا پیچھا کر رہا تھا۔ تاکہ اُن کو زرا سا بھی شک نہ ہو سکے۔

اُسے اپنے خاندان کا ہر فرد ہی بہت پُر اسرار سا لگا تھا۔ جیسے اُس سے کچھ بہت بڑی بات چھپائی جا رہی ہو۔ وہ آج ہر راز جان لینا چاہتا تھا۔

اُس کو حیرت کا شدید جھٹکا اُس وقت لگا تھا۔ جب اُس نے جنگل کے بیچوں بیچ موجود ایک انتہائی عالی شان بنگلہ دیکھا تھا۔ جس کے چپے چپے پر گارڈز ہاتھ میں اسلحہ لیے کھڑے تھے۔

ابہتاج نے اپنی گاڑی درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپا کر کھڑی کر دی تھی۔ دبے پاؤں چلتا وہ گیٹ کھلنے کا انتظار کرتی جعفر صاحب کی گاڑی کی ڈگی میں گھس گیا تھا۔ جعفر صاحب سمیت کسی کا بھی اس طرف کوئی دھیان نہیں تھا۔

جعفر صاحب پورچ میں گاڑی روک کر اندر جا چکے تھے۔ ابہتاج اتنی سیکورٹی میں بہت مشکل سے وہاں سے نکلتا اندر کی جانب بڑھا تھا۔ یہاں کی ایک اچھی بات یہی تھی۔ کہ ہر طرف لائٹس آف کی گئی تھیں۔ لائٹس صرف اُسی جگہ آن ہوتی تھیں۔ جو حصہ استعمال کیا جا رہا ہوتا۔

اس لیے ابہتاج کو مین ہال تک پہنچنے میں آسانی ہوئی تھی۔ جہاں ویٹرز لوازمات کی ٹرے بھر کر لے جا رہے تھے۔ جن میں موجود اُن اور ایسی ہی نشہ آور چیزیں دیکھ ابہتاج سن کھڑا رہ گیا تھا۔ مگر زیادہ شاک تو اُسے اُس وقت لگا تھا۔ جب پردے کی اوٹ سے ہو کر دیکھنے پر اُس کی نظر اندر بیٹھے نفوس پر پڑی تھی۔ اندر صرف جعفر لغاری ہی نہیں بلکہ گلشن آرا، نیہا اور

قاسم بھی موجود تھے۔ اُن سب کے ہاتھوں میں واٹن کے گلاس دیکھ اور اُن کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر ابہتاج کو اس عمارت کی چھت اپنے سر پر گرتی محسوس ہوئی تھی۔

وہ لوگ آج پوری دو سو لڑکیوں کو بیرون ملک سمگل کرنے کا جشن منا رہے تھے۔ شراب کے نشے میں دھت وہ ابہتاج کی وہاں موجودگی سے انجان نجانے کیا کیا انکشاف کرتے چلے گئے تھے۔ کب سے ضبط کرتا یہ سب سنتا ابہتاج اپنی ماں کے ذکر پر اپنے آپ میں نہیں رہ پایا تھا۔

اتنے سالوں بعد آج پہلی بار جعفر لغاری اور گلشن آرانے سندس کا زکر کیا تھا۔ جو نشے میں جھولتا قاسم تو نہیں سن پایا تھا۔ مگر ابہتاج اچھی طرح سب جان اور سمجھ چکا تھا۔

ابہتاج قدم اندر بڑھانے ہی والا تھا۔ جب اُسے موبائل نوٹیفیکیشن میں حبیب صاحب کی ایک ای میل موصول ہوئی تھی۔ جس میں جعفر صاحب کے بارے میں وہی ساری حقیقت بتائی گئی تھی۔ اور ساتھ یہ بھی، کہ اس ملک کے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو جعفر لغاری کے قہر سے بچانے سے یہاں کی پولیس بے بس تھی۔ جعفر لغاری پر بیرون ملک کے ایسے بڑے لوگوں کا ہاتھ تھا۔ کہ اگر یہاں کی پولیس کچھ کرتی تو وہ ملک میں مزید تباہی پھیلا سکتے تھے۔ اس سب کا ایک ہی حل تھا۔ کسی عام آدمی کے ہاتھوں جعفر لغاری کی موت، جو کرنے کی ہمت کوئی نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ ہر وقت جعفر لغاری کے گرد گارڈز کی مضبوط سیکیورٹی موجود ہوتی تھی۔

مگر ابہتاج لغاری اپنے باپ کا اتنا گھٹیا روپ دیکھ اور اپنی بے قصور ماں پر ہوا ظلم جان کر غصے سے پاگل ہوا اٹھا تھا۔ حبیب صاحب کی اس معلومات اور اپنے کانوں سے سب کچھ سن لینے کے بعد شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں بچی تھی۔

اُسے چند سیکنڈز لگے تھے فیصلہ کرنے میں۔

پردے کے پیچھے سے نکلتا وہ تیر کی تیزی سے جعفر لغاری کے سر پر جا پہنچا تھا۔ اپنی فیملی گید رنگ کی وجہ سے اُنہوں نے اس وقت تمام گارڈز کو ہال سے باہر ہی کھڑا کر رکھا تھا۔

”میری ماں کو صرف جائیداد کی خاطر قتل کر دیا تم نے، گھٹیا لالچی شخص۔ اسی ملک کا کھاتے اس سے غداری کرتے زرا شرم نہیں آئی تھی۔ کتنے معصوم لوگوں کے گھر اُجاڑ کر رکھ دیئے۔ یہاں کی حکومت اور پولیس تو بنا کسی ثبوت کے تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔ مگر میرے ہاتھ کسی ثبوت کے محتاج نہیں ہیں۔ چھوڑو گا نہیں میں تمہیں۔“

ابتہاج کسی کو بھی کچھ سمجھنے کا موقع دیئے بغیر قاسم کی جیب سے گن نکالتا جعفر لغاری پر فائر کھول دیئے تھے۔ گارڈز کے بھاگ کر آنے اور باقی سب کے ہوش سنبھال کر اُٹھنے تک جعفر لغاری کی روح پرواز کر چکی تھی۔ گارڈز نے ابتہاج کو مارنا چاہا تھا۔ مگر گلشن آرانے ہاتھ اُٹھا کر اُنہیں باز رکھا تھا۔

اپنی آنکھوں کے سامنے پڑی شوہر کی لاش کے باوجود اُسے صرف پرواہ تھی تو اب بھی اُس دولت و جائیداد کی۔ جو سندس کی وصیت کے مطابق اُن کی جائیداد کا اکلوتا وارث ابتہاج لغاری ہی تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد ساری پر اپرٹی چیریٹی میں چلی جانی تھی۔

ساری زندگی جعفر لغاری نے جس عورت کے اشاروں پر چل کر اپنی زندگی اور آخرت دونوں برباد کر دی تھیں۔ اُسے اُن کی موت سے زیادہ ساری پر اپرٹی چلی جانے کا دکھ تھا۔

ابہتاج نے صرف اتنا ہی نہیں کیا تھا۔ بلکہ جعفر لغاری کے گینگ میں شامل سارے اہم اہم لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ وہ اس ناسور کو جڑ سے اُکھاڑنا چاہتا تھا۔ سب کو ختم کرنے کے باوجود وہ اس گینگ کی ریڑھ کی ہڈی گلشن آرا کو مارنے میں چوک گیا تھا۔ کیونکہ وہ ابہتاج کے خود تک پہنچنے سے پہلے ہی فرار اختیار کر چکی تھی۔ ابہتاج ابھی اس سچائی سے واقف نہیں تھا۔ کہ گلشن آرا ہی سب سے زیادہ اُس کی ماں کے قتل کی ذمہ دار تھی۔ ورنہ وہ اُسے عورت کو اُس کے انجام تک پہنچانے کے لیے کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالتا۔

قاسم جو پہلے ہی نہا کی وجہ سے ابہتاج سے بد ظن تھا۔ اپنے باپ کے قتل کے بعد سے تو اُسے ابہتاج سے نفرت ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ ابھی تک اس بات سے انجان تھا کہ ابہتاج کی ماں کا قتل اُس کے ماں باپ نے کیا تھا۔ اُس کے ماں باپ نے اُسے اور نہا کو اپنے کام کے بارے میں آگاہ تو کر رکھا تھا۔ مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ کس حد تک پستی میں گر چکے تھے۔

ابہتاج نے اپنے باپ کے قتل کا اقبال جرم کرتے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ قاسم اور گلشن آرا نے اُسے زیادہ سے زیادہ سزا دلوانے کی کوشش کی تھی۔ مگر جعفر لغاری کا پچھلا ریکارڈ کافی مشکوک ہونے کی وجہ سے ابہتاج کو سزائے موت کے بجائے پچیس سال قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ جو کہ بعد میں پاشا نے اپنے سوز سزا لگا کر آدمی معاف کر وادی تھی۔

گلشن آرا کے کہنے پر ہی قاسم فل ٹائم سُلین اور حبیب صاحب پر نظر رکھنے کے لیے اُن کے آس پاس رہنے لگا تھا۔ حبیب صاحب کو سخت دھمکایاں گیا تھا۔ کہ اگر انہوں نے اگر سُلین کو بھی کچھ بتانے کی کوشش کی تو وہ اُن کی بیٹی کو مار دیں گے۔ حبیب صاحب دن رات یہ ٹارچر سہتے بیمار پڑنے لگے تھے۔ کیونکہ سارے راز دشمنوں کے حوالے کرنے کے لیے

دھمکیوں کی شدت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔

سُلین اس بات سے بالکل انجان تھی کہ جس انسان کو وہ اپنا محافظ سمجھتی ہے۔ وہ ہی اُس کے بابا کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ حبیب صاحب کسی نہ کسی طرح یہ راز جیل میں قید ابہتاج تک پہنچانا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے کچھ سوز سز لگاتے جیل میں ابہتاج سے رابطہ کیا تھا۔ مگر اُن پر پل پل نظر رکھنے والے قاسم کو جیسے ہی اُن کی اس ہوشیاری کا پتا چلا۔ شدید غصے میں آتے اُس نے اپنے ہی آدمیوں سے حبیب صاحب کو روکنے کے لیے اُن پر حملہ کروادیا تھا۔ اُس کے آدمیوں کی چوک کی وجہ سے حبیب صاحب کو چار گولیاں لگی تھیں۔

حبیب صاحب کو وہ لوگ مرنے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لیے فوری طور پر ہاسپٹل پہنچانے پر اُن کی جان تو بچ گئی تھی۔ مگر وہ کوما میں چلے گئے تھے۔ قاسم نے سُلین کو پوری طرح سے اپنے ہاتھ میں کر رکھا تھا۔ اُسی کے کہنے پر ہی سُلین نے اُسے قاسم کے قابلے اعتماد گارڈز کی سیکیورٹی میں رکھا ہوا تھا۔ اس حقیقت سے انجان کے وہ اپنے باپ کے دشمنوں کو ہی اُن کی ذمہ داری سونپ رہی ہے۔

جیل سے نکل کر ابہتاج سب سے پہلے سیدھا سُلین سے ملنے ہی گیا تھا۔ جہاں اُسے گلشن آرا کے بھیجے گئے غنڈوں میں گھرا دیکھ آپے سے باہر ہوتا وہ اُن پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اور سُلین کے اس طرح تنہا آدھی رات کو باہر موجود ہونے کی وجہ سے اُس کے ساتھ بھی روڈ رویہ اختیار کیا تھا۔

وہ پاشا سے پہلے ہی سُلین کے حوالے سے ایک ایک خبر لے چکا تھا۔ اُس نے جیل میں ہر پل سُلین کو یاد کیا تھا۔ اُسی کا احساس ہی تھا جس نے اُس ٹوٹے پھوٹے شخص کو سنبھالے رکھا تھا۔

باہر آکر اُس نے یہی سوچا تھا۔ کہ سُملین سے دور ہی رہے گا۔ کیونکہ وہ ایک قاتل تھا۔ سُملین یہ اصلیت جان لینے کے بعد کبھی اُس کے ساتھ نہ رہتی۔ مگر سُملین سے دور رہنا بھی اُس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ دوسری بات جو اُس کے سُملین سے نکاح کرنے کی وجہ بنی تھی۔ وہ تھی قاسم کا سائے کی طرح سُملین کے ساتھ رہنا۔ ابہتاج سُملین پر ایسے لوگوں کا سایہ بھی نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اُس نے اپنی ہر حقیقت پیش پُست ڈالتے سُملین کو اپنا لیا تھا۔ یہ احساس ہی اتنے سالوں سے تڑپتے اُس کے دل میں روشنیاں بھر گیا تھا۔

کہ اُس کی زندگی کی واحد خوشی سُملین حبیب اب صرف اُس کی تھی۔ اُس کے ہوتے قاسم اور گلشن آرا سُملین کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تھے۔

ابہتاج سُملین کو اپنی ساری حقیقت بتانا چاہتا تھا۔ مگر اُسے ڈر تھا کہ کہیں سُملین اُس سے نفرت نہ کرنے لگ جائے۔ اس لیے ہر بار وہ یہ ارادہ ترک کر دیتا تھا۔ وہ پہلے سُملین کو بہت سادہ اور اعتبار دے کر اپنا بنانا چاہتا تھا۔ تاکہ سُملین چاہ کر بھی اُس سے دور نہ جاپائے۔ مگر قاسم نے جھوٹ سچ کا ملاپ کرتے جو حقیقت سُملین کے سامنے رکھی تھی۔ اور سُملین جس طرح ایک لفظ بھی پوچھے بغیر اُسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس سب نے ابہتاج لغاری کو سُملین کی محبت میں ڈوبے اُس نرم خوش شخص سے واپس بے حس اور وحشت ناک ابہتاج لغاری میں بدل دیا تھا۔

اب سُملین ہی تھی جو اپنی محبت سے اُسے ٹھیک کر سکتی تھی۔ مگر سُملین اُس کی دلی کیفیت سے انجان اُس کی جانب دیکھنے کی روادار بھی نہیں تھی۔



سُلمین کے اتنے بارٹرائے کرنے کے بعد اُس کا آخر کار قاسم سے کانٹیکٹ ہو ہی گیا تھا۔

"میم مجھے پہلے دن سے ہی وہ شخص مشکوک لگا تھا۔ وہ جانتا تھا، میرے آپ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اُس کا پلان کامیاب نہیں ہو سکتا اس لیے اُس نے پہلے مجھے آپ سے دور کیا۔ میم وہ بہت شاطر پاور فل ہے۔ اُس کا مقابلہ کرنا اتنا آسان نہیں ہو گا۔ مگر آپ فکر مت کریں۔ میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ حبیب انکل سے وعدہ کیا تھا میں نے۔ کسی بھی پر اہلم میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔"

قاسم گلشن آرا کے پڑھائے گئے سبق کے مطابق سُلمین کو اپنے پلان میں استعمال کرنے کے لیے اُس کے گرد لفظوں کا جال بننے لگا تھا۔ جس میں سُلمین آرام سے پھنس بھی گئی تھی۔

"میں اس شخص پر ٹرسٹ کرنے کے اپنی لائف کی بہت بڑی غلطی کر چکی ہوں۔ ایسے بے رحم اور سفاک انسان کے ساتھ میں اب ایک پل بھی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ قاسم آپ پلیز کچھ بھی کر کے مجھے یہاں سے نکلوائیں۔"

یہ الفاظ ادا کرتے سُلمین کی زبان لڑکھرائی تھی۔ اُسے خود بھی علم تھا۔ کہ اس گھر میں زیادہ وہ اس ڈر کی وجہ سے ہی نہیں رہنا چاہتی تھی۔ کہ کہیں پھر سے اس ساحر کا طلسم اُسے اپنی لپیٹ میں لے کر بے بس نہ کر دے۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ اور یہ دھیان رکھئے گا۔ کہ آپ کے شوہر کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ مجھ سے کانٹیکٹ میں ہیں۔"

قاسم ابھی ابہتاج کی چھلی پیٹائی نہیں بھولا تھا۔ اس لیے اُسے ہدایت دیتے بولا تھا۔ جس پر سُلمین اثبات میں جواب دیتے فون بند کر گئی تھی۔

وہ بہت نرم دل کی مالک تھی۔ اُس سے کسی سے روڈ رویہ اختیار نہیں کیا جاتا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں وہ دوبارہ ابہتاج کے بہکاوے میں نہ آجائے۔ اِس لیے وہ قاسم کی مدد لیتے یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ تاکہ باہر نکل کر ابہتاج کے خلاف پراپر سے کیس کر کے اُسے اُس کے گناہوں کی سزا دلوا سکے۔



”صاحب میں آپ کو سب بتانے کو تیار ہوں۔ مگر آپ وعدہ کریں آپ اُس کے بعد ہمایوں سر اور شہلا میڈم کے ساتھ کچھ غلط نہیں کریں گے۔ پہلے ہی اُن دونوں کے ساتھ بہت کچھ غلط ہو چکا ہے۔“

فضیلہ زورین کو سب بتانا بھی چاہتی تھی۔ مگر اُس پر اعتبار بھی نہیں کر پار ہی تھی۔

”میں وعدہ نہیں کر سکتا مگر کوشش کروں گا۔ مجھے جلد از جلد سچ جاننا ہے۔“

زورین کے سخت انداز پر فضیلہ بولنا شروع ہوئی تھی۔ مگر وہ جیسے جیسے انکشاف کرتی جا رہی تھی۔ زورین کے ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ہمایوں اور شہلا دونوں کے ہی گھر والوں نے اُن کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کوئی بھی اُن کی محبت سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ جبکہ وہ دونوں ہی اپنی محبت قربان کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ ایک دوسرے کے بغیر جینے کا تصور کرنا اُن کے لیے محال تھا۔

اِسی بنا پر اُنہوں نے گھر سے بھاگ کر نکاح کرنے کا انتہائی قدم اٹھایا تھا۔ محبت کا راستہ آج تک بھلا کب کسی کے لیے آسان رہا تھا۔ جو اُن کے لیے ہوتا۔

رقیہ بیگم اور تنویر صاحب کو شہلا کے عین بارات والے دن بھاگ جانے پر جو بدنامی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اُسی وقت شہلا کو ڈھونڈ کر اُسے ختم کر دینا چاہتے تھے۔ مگر شہلا تک تو نہیں پہنچ پائے تھے۔ لیکن ہمایوں اور شہلا کو واپس بلانے کے لیے تنویر صاحب نے ایک چال چلی تھی۔

کرائے غنڈوں کو پیسے دے کر انہوں نے ہمایوں کے بھائی بھابھی کی گاڑی کی بریکس فیل کروادی تھی۔ مقصد صرف اُن کا معمولی ایکسیڈنٹ کروانا تھا۔ تاکہ ہمایوں اُن سے ملنے آئے اور وہ لوگ انہیں پکڑ سکیں۔

مگر بریکس فیل ہو جانے کے بعد گاڑی بے قابو ہوتی پاس سے گزرتے ٹرک سے ٹکرائی گئی تھی۔ اُن کی بد قسمتی سے اگر ٹرک بیچ میں نہ آتا تو شاید اتنا سیریس ایکسیڈنٹ نہ ہوتا۔

تنویر صاحب نے دو لوگوں کے قتل کا گناہ تو اپنے سر لے لیا تھا۔ مگر ہمایوں اور شہلا تک نہیں پہنچ پائے تھے۔ وہ دونوں بہن بھائی شہلا کا قصور کسی صورت معاف کرنے کو تیار نہیں تھے۔

اس واقع کو چار سال گزر گئے تھے۔ جب ایک دن تنویر صاحب کو ایبٹ آباد کے ایک شہلا ایک شاپنگ مال میں نظر آئی تھی۔ وہ شہلا کے سامنے جانے کے بجائے اُس کا پیچھا کرتے اُس کے گھر تک آن پہنچے تھے۔ اُن کے دماغ میں کوئی اور ہی منصوبہ چل رہا تھا۔

نکاح کے فوراً بعد وہ دونوں ملائیشیا چلے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ہمایوں اپنے بھائی بھابھی کی موت کا سن کر چاہنے کے باوجود وہاں نہیں پہنچ پائے تھے۔ ایک مہینے بعد واپس آکر انہوں نے ثاقب اور زورین سے ملنا چاہا تھا۔ مگر ثاقب نے اپنے ماں باپ کا قصور وار اُن دونوں کو سمجھتے اُن سے قطع تعلق کر لیا تھا۔

جس کے بعد شہلا اور ہمایوں نے ایبٹ آباد میں اپنی ایک الگ دنیا بسالی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد اُن کے ہاں پہلی بیٹی کی پیدائش ہوئی تھی۔ جس کا نام اُنہوں نے سُلین رکھا تھا۔ اُس سے کچھ عرصے بعد ایک بار پھر شہلا نے اُنہیں اپنے اُمید سے ہونے کی خوش خبری دی تھی۔ دوسری بھی بیٹی ہے یہ جان کر ہمایوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا تھا۔ وہ دونوں بے پناہ خوش تھے۔

مگر اس بات سے انجان تھے کہ اُن کی خوشیوں کی مدت بہت کم تھی۔ شہلا کا آخری مہینہ چل رہا تھا۔ جب بد قسمتی سے ایبٹ آباد کسی کام سے آئے تنویر صاحب کی نظر شہلا پر پڑ گئی تھی۔ شہلا اور ہمایوں اس سب سے انجان اپنی ہی خوشیوں میں مگن اگلی شام سُلین کو لیے باہر ڈنر پر نکلے تھے۔ جب تنویر صاحب کے ہائر کیے گئے لوگوں نے اُن کی گاڑی پر گولیوں کی برسات کر دی تھی۔

ہمایوں نے فوری طور پر ڈھال بنتے اُن دونوں کو تو محفوظ رکھا تھا۔ مگر خود شدید زخمی ہوتے ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتے اُنہیں بے یار و مددگار کر گئے تھے۔

اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا۔ کہ یہ سب کس نے کیا تھا اُن کے ساتھ۔ شہلا اپنے گھر والوں پر تو اس بارے پر زرا برابر بھی شک نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کے مطابق اُس کے بھائی اتنے سفاک نہیں ہو سکتے تھے۔

شہلا کی اپنی حالت کافی تشویش ناک تھی۔ یہ افسوس ناک خبر سن کر ہمایوں شاہ کے بیسٹ فرینڈ اور اُن کے کلاس فیلو حبیب جو اُن دونوں کی محبت کے گواہوں میں سے ایک تھے۔ فوری طور پر وہاں پہنچ گئے تھے۔

شہلا کے ہاں ایک ننھی پری دل آویز نے جنم لیا تھا۔ اُس نے بھی اپنی بڑی بہن کی طرح اپنے بے حد حسین ماں باپ کے نقش چرائے تھے۔

ہمایوں کی حالت کس قدر نازک تھی یہ بات شہلا بھی جانتی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ اُس کے دشمن کون تھے۔ اور کہیں وہ اُن کی بچیوں کا نقصان نہ پہنچا دیں۔ شہلا نے سلین کو حبیب اور اُن کی بیوی کی گود میں دے دیا تھا۔ وہ دونوں پہلے ہی بے اولاد تھے۔ بیٹی جیسی نعمت پا کر بے انتہا خوش ہوئے تھے۔ جبکہ دل آویز کافی ویک تھی۔ جس کی وجہ سے اُسے ابھی آبزرویشن میں رکھا گیا تھا۔ شہلا چاہنے کے باوجود اُسے اُن کے ساتھ نہیں بھیج پائی تھی۔

ہمایوں کو سر پر گولی لگی تھی۔ جس کی وجہ سے اُنہیں ہوش نہیں آ رہا تھا۔ اور ڈاکٹرز کے مطابق جب تک اُنہیں ہوش نہیں آ جاتا تھا۔ اُن کی جان خطرے میں تھی۔ شہلا اپنی وجہ سے حبیب صاحب اور اُن کی بیوی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ اس لیے اُس کے بے حد اصرار پر وہ دونوں سلین کو اپنے ساتھ لیے وہاں سے چلے گئے تھے۔

مگر اگلے دن جو قیامت شہلا پر ٹوٹی تھی۔ اُس نے اُن کی ساری حسیات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اُن کی بربادی کا سبب کوئی اور نہیں اُن کا اپنا سا گناہ تھا۔

تنویر صاحب اپنی آنکھوں سے اپنی مجرم بہن کا انجام دیکھنے ہاسپٹل آئے تھے۔ اور بیڈ پر پڑی شہلا کے سامنے اُس پر کیے جانے والے حملے کا اقرار بھی کر دیا تھا۔ جس نے شہلا کو مزید توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ ہمایوں پر دوبارہ حملہ کروا کر اُس کی بچی کچی سانسیں بھی چھین لینا چاہتے تھے۔ مگر اس بار شہلا اپنے شوہر کی ڈھال بن گئی تھی۔

اُس نے راتوں رات ہمایوں کو دوسرے ہاسپٹل شفٹ کروادیا تھا۔ اور خود بھی دل آویز کو لیے وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر تب تک تنویر صاحب اُس تک پہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے دل آویز کو شہلا سے ہمایوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور نہ بتانے پر دل آویز کو اُس سے چھیننے کی دھمکی دی تھی۔

شہلا ہمایوں کے بارے میں اُنہیں مر کر بھی نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اُنہوں نے دل آویز کو اُس سے چھین لیا تھا۔ اور اُسے بھی زبردستی وہیں لے آئے تھے۔ جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔

ہمایوں کا علاج جلد از جلد شروع کروانا بہت ضروری تھا۔ اِس لیے وہ دل پر پتھر رکھتی دل آویز کو وہیں چھوڑ کر وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔

تنویر صاحب نے اُسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر تلاش نہیں کر پائے تھے۔

دل آویز کو گھر ساتھ اِسی مقصد سے لے کر گئے کہ شہلا ایک دن اُسے لینے ضرور آئے گی۔ تب وہ اُسے اور اُس کے شوہر کو نہیں چھوڑے گا۔

گھر والوں سے اُس نے جھوٹ بولا تھا۔ کہ دل آویز کو اُس نے گیٹ کے باہر سے اُٹھایا ہے۔ مگر سچ یہ تھا کہ وہ اُس روتی بلکتی ایک دن کی بچی کو اُس کی ماں سے چھین کر لایا تھا۔

رقیہ بیگم بھی باقی گھر والوں کی طرح اصل حقیقت سے ناواقف تھیں۔

تنویر صاحب نے اپنی مردانہ انا کو سکون پہنچانے کے لیے اپنی سگی بہن کی زندگی اُجاڑ کے رکھ دی تھی۔ جس کا اُنہیں اب بھی زرا برابر کچھتاوا نہیں تھا۔

فضیلہ یہ ساری حقیقت بتاتے اُن دو محبت کرنے والوں کی زندگی کی تلخیوں پر پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔
"وہ دونوں کہاں ہے اب۔"

زورین ہونٹ بھیجنے پتھر یلے تاثرات سے سچے چہرے کے ساتھ بولا تھا۔ اُس کی سنسناتی آواز ہی ایسی تھی۔ کہ فضیلہ نے خاموشی سے ایک چٹ اُسے پکڑائی تھی۔

"ہمایوں صاحب سر پر گولی لگنے کی وجہ سے اپنی یادداشت کھو بیٹھے تھے۔ جس کے بعد شہلا بی بی جی نے اپنی سچی محبت کا ثبوت دیتے اُنہیں تنہا نہیں چھوڑا۔ پچھلے اکیس سالوں سے وہ اپنے شوہر کی خدمت کر رہی ہیں۔ جو اُنہیں پہنچانے سے بھی انکاری ہے۔ کاش کہ اُن کی محبت میں رُکاوٹ بننے والے اُس کی ایک پرسنٹ سچائی سے واقف ہو پاتے۔ کہ محبت کرنا گناہ نہیں ہے۔ اگر سمجھا جائے تو یہ دنیا کا سب سے پاکیزہ اور پائیدار رشتہ ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسے بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔"

فضیلہ بی بی نے سر اٹھا کر زورین کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں۔ ہمایوں صاحب کی چھوٹی بیٹی کیسی ہے۔ اُن ظالموں نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک روار کھا۔ وہ زندہ بھی ہے یا۔۔۔۔"

فضیلہ بی بی کی آخری بات پوری ہونے سے پہلے ہی زورین نے سختی سے کاٹ دی تھی۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ بیوی ہے اب وہ میری۔ کسی کی جرأت نہیں ہے اُس کے ساتھ غلط کرنے کی۔"

یہ بات کہتے زورین کی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح وہ تمام سینز چلنے لگے تھے۔ جب جب اُس نے دل کے ساتھ غلط کیا تھا۔

زورین ایک بار پھر اُس سے ایڈریس کنفرم کرتا وہاں سے نکل آیا تھا۔

اُس کے ماں باپ اُس سے ہمایوں شاہ کی وجہ سے ہی چھن گئے تھے۔ کہیں نہ کہیں قصور وار وہ بھی تھے۔ مگر انہیں تو اپنی غلطی سے کہیں بڑی سزا مل چکی تھی۔ پھر وہ بھلا کیوں کر اُن کے ساتھ غلط کرتا۔

اُسے بس اسی بات کا پچھتاوا ہو رہا تھا کہ کاش وہ اُسے پہلے مل جاتے تو وہ اُن کی پہلے کوئی مدد کر پاتا۔ مگر تنویر کو اُس کے ہر گنہ کی سزا سود سمیت دینے کا عہد کر چکا تھا وہ۔ دل نے اُس سے سہی کہا تھا۔ وہ ایک شخص کے کیے کی سزا سب کو دے کر غلط کر رہا تھا۔ اُسے باقی سب رشتوں کے ساتھ اب جلد از جلد دل کے حصے کی ساری خوشیاں اُسے لٹانی تھیں۔ وہ اُسے اُس کے ماں باپ اور بہن سے ملو کر اُس کی ویران اُداس آنکھوں میں روشنی بھرتے دیکھنا چاہتا تھا۔

★★★★★★

دل اگلے دن بھی زورین کے آنے کا ویٹ کرتی رہی تھی۔ مگر نہ ہی وہ خود آیا تھا اور نہ ہی اُس کی کال۔ کل زمین کا نکاح تھا، جسے دل کسی طور مس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ زمین نے ہمیشہ اُسے بہت محبت اور مان دیا تھا۔ اُس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا خیال رکھا تھا۔ وہ باقیوں کے رویے کی وجہ سے زمین کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ زمین صبح سے اُسے نجانے کتنی بار کالز کر چکی تھی۔ جس پر آخر دل نے زورین کی پرمیشن کے بغیر خود ہی جانے کا ڈیسیائیڈ کر لیا تھا۔ ویسے بھی یہاں ہوتے زورین نے کونسا اُس کے ساتھ آنا تھا۔ جو وہ اُس کے لوٹنے کا انتظار کرتی۔

”مجھے پتا تھا، میری گڑیا ضرور آئے گی۔ دل پلینز ہمیں معاف کر دو۔ اُس دن ہم سب نے بھی تم سے بہت روڈی بالکل رقیہ پھوپھو کی ٹون میں بات کی۔ اُس وقت سچویشن ہی ایسی تھی۔ اور پھوپھو نے تمہارے خلاف بول بول کر ہمارے دماغ ویسے ہی بہت خراب کر دیئے تھے۔ تمہارے ساتھ بہت غلط طریقے سے بات کی پلینز ہمیں معاف کر دو۔ جب تک تم معاف نہیں کرو گی۔ ہم خود بھی خود کو معاف نہیں کر پائیں گی۔“

نرین سمیت وہ سب اُس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔ دل تو کبھی بھی اتنی کھٹور نہیں رہی تھی۔ اُن سب کو اتنا شرمندہ دیکھ وہ اپنے دل میں اُن کے لیے آئی میل دھو گئی تھی۔

گھر کے باقی سب افراد بھی اُس سے بہت ہی محبت اور عزت سے ملے تھے۔ کیونکہ زورین شاہ نے اُس کی حیثیت بدل دی تھی۔ سب کی نظروں میں اب وہ وہی سب سے جھڑکیاں کھانے والی دل نہیں تھی۔ بلکہ مسز زورین شاہ تھی، جس کے آگے گھر کے اکثر افراد احسان مند ہو کر نظریں جھکائے ہوئے تھے۔

”آپی آپ کا دولہا کیسا ہے، کون ہے۔ مجھے بھی تو پتا چلے۔ آخر اتنی سگھڑ، سمجھدار، سلیقہ شعار، پیاری سی لڑکی کس کے گھر چاند بن کر اُتر رہی ہے۔“

دل کا واپس پہلے جیسا چمکتا لہجہ سن کر سب کے چہروں پر طمانیت بھری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”بہت زیادہ ہینڈ سم اور رچ فیملی سے ہے۔ اور اس قدر مہذب انسان ہیں۔ کہ بندہ بس بیٹھ کر سارا ٹائم اُن کی باتیں ہی سنتا رہے۔“

ویسے پریشان نہ ہو، اتنا ہینڈ سم ہونے کے باوجود وہ تمہارے شاہ صاحب کو ٹکر نہیں دے پائے گا۔“

صوفیہ کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ جب سویرانے اُسے چھیڑنے کے لیے لقمہ لگایا تھا۔ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ جبکہ وہ تو ٹھیک سے مسکرا بھی نہیں پائی تھی۔

جو شخص اُس کا تھا ہی نہیں، تو اُس کے حوالے سے وہ خود کو کیسے خوش نصیب گردانتی۔

زورین نے اُسے واضح لفظوں میں کہہ دیا تھا۔ کہ وہ اُس سے شدید نفرت کرتا ہے۔ اور میرا کہ اُسے ماما پکڑانے پر زورین جس قدر غصے میں آجاتا تھا۔ وہ اسی بات کی گواہی تھی۔ کہ زورین اب بھی اپنی پہلی بیوی سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ زورین شاہ کے دل اور زندگی کہیں بھی اُس کی جگہ نہیں تھی۔

دل کی آنکھوں میں نمکین پانی بھر گیا تھا۔ جسے باقی سب سے چھپانے کے لیے وہ فون آجانے کا بہانہ کرتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔



سُلین کی قاسم سے بات ہوئی تھی جس کے مطابق ابہتاج کی مرضی کے بغیر اُسے اُس گھر نکالنا ممکن تھا۔ اِس لیے سُلین خود ہی کوئی طریقہ سوچ کر اُس کی اجازت سے ہی وہاں سے نکل سکتی تھی۔

سُلین پہلے تو ابہتاج کے پاس جا کر اُس سے بات کرنے سے ہی صاف انکاری ہو گئی تھی۔ مگر پھر قاسم کے سمجھانے پر مرتے کیا نہ کرتے مے مصداق اُسے وہاں جانا پڑا تھا۔ اُس نے ابہتاج سے کمرہ علیحدہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے بیڈروم میں ہی جبکہ سُلین نیچے والے ایک روم میں شفٹ ہو گئی تھی۔

اُس نے ہر طرف سے ہی ابہتاج کو قطع تعلق کر لیا تھا۔ مگر حیرت انگیز طور پر ابہتاج نے اُسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

سُلیم نے لرزتے قدموں اور بے تحاشہ دھڑکتے دل کے ساتھ ابہتاج کے روم کے سامنے کھڑے ہوتے ناک کیا تھا۔ مگر کافی دیر کے بعد بھی کوئی جواب نہ پا کر ناچار اُسے خود ہی آگے بڑھنا پڑا تھا۔ اتنی ہمت کر کے یہاں آ کر اب سی واپس نہیں پلٹنا چاہتی تھی۔

مگر اندر قدم رکھتے ہی سگریٹ کے دھوئے سے وہ بُری طرح کھانسنے لگی تھی۔ جب اُس کی نظر سامنے پورے بیڈ پر پھیل کر سوئے ابہتاج لغاری پر پڑی تھی۔ جو منہ کے بل سویا تکیہ اپنے سینے کے ساتھ دبوچے ہوئے تھا۔ وہ شرٹ لیس تھا۔ سُلیم بے اختیار اُس کے چوڑے مضبوط شانوں سے نظریں چراتی اپنا رخ موڑ گئی تھی۔ وہ بار بار خود سے ہی اُلجھ جاتی تھی کہ اب بھی بھلا اس شخص کو دیکھ اُسے تحفظ کا احساس کیوں ہوتا تھا۔ وہ ابہتاج کے بارے میں اتنا غلط سننے کے بعد اُس سے نفرت کیوں نہیں کر پار ہی تھی۔ وہ انہیں سب باتوں سے گھبرا کر اس سحر انگیز شخص سے دور چلی جانا چاہتی تھی۔

”اُف اللہ جی کیسا انسان بنایا ہے آپ نے یہ۔ بھلا اس گھٹن زدہ ماحول میں کون سانس لے سکتا ہے۔“

سُلیم خود سے بڑبڑاتی کھڑکی کی جانب بڑھ گئی تھی۔

پر دے ہٹا کر کھڑکی کھولتے اُس نے روم آکسیجن کی کمی پوری کرنی چاہی تھی۔ یہ کام کر کے وہ واپس ابہتاج کی جانب پلٹی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مڑورتے وہ اسی کشمکش میں تھی۔ کہ ابہتاج کو جگائے کیسے اور اُس سے بات کیسے کرے۔ بیڈ کے قریب آتے، اُس کی نظر جلے ہوئے سیگریٹس سے بھری ایش ٹرے پر پڑی تھی۔

”پتا نہیں اور بھی نجانے کون کون سے نشے کرتا ہو گا یہ شخص۔“

وہ افسوس سے سر ہلاتی اپنی الجھن میں گم کچھ زیادہ ہی اُونچا بول گئی تھی۔

بیڈ کے قریب ابہتاج کے سر پر کھڑے اُس سے فیصلہ نہیں ہو پارہا تھا کہ ابہتاج کو جگا کر اُس سے بات کرے۔ یا پھر اُس کے اُٹھنے کا انتظار کرے۔

ابہتاج کے اُلٹے ہو کر سونے کی وجہ سے وہ اُس کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھی۔ اُسے اس طرح جگانا سُلین کو خطرے سے خالی نہیں لگا تھا۔ اس لیے وہ اُس کے اُٹھنے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کرتی واپس پلٹی تھی۔

مگر ابھی وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ پائی تھی۔ جب ابہتاج نے ایکدم کروٹ بدلتے اُس کی کلائی پکڑ کر اپنی جانب کھینچا تھا۔ سُلین اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔ سیدھی اُس کے سینے پر آن گری تھی۔



”سویرا جس سپیڈ میں تم کام کر رہی ہو۔ مجھے لگتا یہ ساڑھی میں زمین آپنی کے نکاح میں تو نہیں مگر اُن کے بچوں کے نکاح میں تو ضرور پہن پاؤں گی۔“

دل اپنے بلاؤزر کے ہک سے الجھتی سویرا پر چوٹ کرتے بولی۔ جو پچھلے دو گھنٹے سے صرف اسی میں ہی لگی ہوئی تھی۔ یہ ڈارک پریل کلر کی شیفون نفیس کام سے مزین انتہائی خوبصورت ساڑھی تھی۔ جو منزہ نے اُسے گفٹ کی تھی۔ دل کو سمجھ نہیں آرہا تھا۔ کونسا ڈریس پہنے، سب کی فرمائش پر اُس نے ساڑھی پہننا ہی ڈیسا بیڈ کیا تھا۔ زورین نے تو ویسے بھی یہل نہیں آنا تھا۔ اس لیے وہ زیادہ کمفرٹبل تھی اسے پہننے میں۔

”تم اپنی یہ بڑبڑ بند کر دو پانچ منٹ کے لیے، تو میرا کام ضرور ہو جانا ہے۔“

سویرا تنگ آکر اُس کے آگے ہاتھ جوڑتی اُسے باہر کا راستہ دیکھا گئی تھی۔

”اگلے پندرہ منٹ میں ٹھیک نہ ہوئی اس کی ہک تو میں نے تمہارا آج کے فنکشن والا ڈریس پہن لینا ہے۔“

دل باہر نکلتے ہوئے بھی پہلے سے زچ ہوئی سویرا کو چڑھانہ نہیں بھولی تھی۔

مگر باہر آکر وہ تھوڑا سا ہی آگے بڑھی تھی۔ جب اچانک سامنے سے آتے سفیان سے اُس کا سامنا ہوا تھا۔ شادی کے بعد سے

اُس کا سفیان سے یہ دوسری بار سامنا ہو رہا تھا۔ جو اُسے پہلے سے کافی ویک لگا تھا۔

”دل مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“

سفیان حسرت بھری نظروں سے اُس کے جگمگاتے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ اپنی بزدلی کی وجہ سے وہ اس لڑکی

کو کھو چکا تھا۔ مگر وہ اب اپنی غلطی سدھارنے کی آخری کوشش کرنا چاہتا تھا۔

دل کو وہ بچپن سے جانتا تھا۔ اس لیے اُسے دیکھ کر بہت جلدی پہچان گیا تھا کہ دل خوش نہیں ہے۔ سب کے سامنے اپنی

عزت رکھنے کے لیے صرف دیکھاوا کر رہی ہے، خوش ہونے کا۔

”جی بولیں۔“

دل کو اُس کے دیکھنے کا انداز عجیب سا لگا تھا۔ اُس کے جواب پر سفیان اُسے اپنے ساتھ ٹیئرس پر آنے کا اشارہ کرتا اُس جانب

بڑھ گیا تھا۔

دل جزبزی اُس کے پیچھے ہولی تھی۔

”دل تم چاہے سب سے کتنا بھی جھوٹ بولو۔ مگر میں اچھے سے جانتا ہوں تم زورین شاہ کے ساتھ خوش نہیں ہو۔“

سفیان کی بات کے آغاز پر دل نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔

”اور خوش ہو سکتی بھی کیسے ہو۔ جو شخص اپنے نوکروں کو بھی برینڈیڈ چیزیں پہناتا ہے۔ وہ بھلا اپنی لائف پارٹنر کے طور پر

کسی ایسے انسان کا انتخاب کیسے کر سکتا ہے۔ جو اُس کے سٹینڈرڈ میں کہیں فٹ نہیں آتی۔“

سفیان بولتا جا رہا تھا، اور دل دکھ بھری نظروں سے اُس کی جانب دیکھتی خاموش کھڑی تھی۔

اُس کی ہر بات سچ تھی۔ مگر بے حد تلخ بھی۔

”مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ جو میں پھوپھو اور ماں کی باتوں میں آ کر تم سے دستبردار ہو گیا۔ مگر اب میں اپنی غلطی

سدھارنا چاہتا ہوں۔ اب چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ کسی کے دباؤ میں نہیں آؤں گا۔ ہمیشہ تمہاری ڈھال بن کر کھڑا رہوں

گا۔

اپنے اوپر سے زورین شاہ کے رشتے کا بوجھ ختم کر دو۔ میں پوری عزت اور محبت سے تمہیں اپنانے کو تیار ہوں۔“

سفیان کا ہر الفاظ دل پر حیرت اور بے یقینی کے پہاڑ بن کر ٹوٹے تھے۔ سفیان اُسے زورین سے طلاق لینے کے لیے بول رہا

تھا۔

”آپ کو کس نے اجازت دی میری زندگی کے بارے میں پلاننگ کرنے اور فیصلہ کرنے کا۔ زورین میرے ساتھ جیسے بھی

رہیں۔ مگر میں بے پناہ محبت کرتی ہوں اُن سے۔ مرتے دم تک اپنے شوہر کو نہیں چھوڑوں گی۔

اور رہی بات عزت اور محبت کی تو اس گھر میں اتنے سال رہنے کے باوجود یہ دونوں چیزیں میرے شوہر کی وجہ سے ہی ملی

ہیں مجھے۔ آپ نے آج تو ایسی باتیں کی ہیں مگر آئندہ ایسا کچھ بولا تو اچھا نہیں ہو گا۔“

دل کو سب سے زیادہ غصہ زورین سے علیحدگی والی بات پر آیا تھا۔ یہ تصور ہی اُس کی راہ فنا کیے ہوئے تھا۔
”لگتا ہے زورین شاہ سے زیادہ اُس کی دولت سے عشق ہو گیا ہے تمہیں۔ جسے چھوڑنے کو تیار نہیں تم۔“
سفیان کو دل کا انکار آگ لگا گیا تھا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے شاید آپ ہی مجھے جاننے کا دعوا کر رہے تھے۔ مگر آپ سے کہیں زیادہ تو زورین مجھے جانتے اور سمجھتے ہیں۔“

دل اُس پر افسوس بھری طنز یا مسکراہٹ اچھالتے وہاں سے نکل آئی تھی۔ کیونکہ اُس کی پلکوں کی باڑ پر اگلے آنسو دیوار توڑ کر باہر آگئے تھے۔

وہ بہت اعتماد سے سفیان کی باتیں ٹھکرا آئی تھی۔ مگر اُس کی کافی ساری باتیں سچ تھی۔ لیکن دل یہاں عقلمندی کا ثبوت دیتی سب کچھ اپنے اندر پوشیدہ رکھ گئی تھی۔ وہ اپنی پر سنل باتیں باہر کر کے اپنی اور زورین کی عزت خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

★★★★★★

”یہ کیا بد تمیزی ہے چھوڑیں مجھے۔“

اُس کا دل دور سے ہی اس شخص کو دیکھ کر دھڑک اٹھتا تھا۔ اس وقت اُس کے کسرتی سینے پر گرے اُس کا پورا وجود لرزنے لگا تھا۔

اُس نے ابہتاج کے اوپر سے اٹھنا چاہا تھا۔ مگر ابہتاج نے اُس کے گرد اپنی بانہوں کا حصار قائم کرتے ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔

”بد تمیزی نہیں نشہ ہے میرا، ابھی اسی کی بات کر رہی تھی ناتم۔ تو وہی بتانا چاہ رہا ہوں۔ مجھے دو ہی نشوں کی عادت ہے۔

ایک سگریٹ اور دوسرا نشہ ہو تم۔ پہلے وہ نشہ کر کے سویا ہوں۔ اب یہ کر کے سونا چاہتا ہوں۔“

سُلین کے بالوں سے کیچر نکال کر دور اُچھالتے، وہ اُس کی سیاہ زلفوں کی آبشار کو اپنے اوپر بکھیر گیا تھا۔ سُلین پہلے اُس کے

الفاظ اور اب حرکت پر شرم و حیا سے سُرخ ہوئی تھی۔ یہ شخص جب بے باکی پر آتا تھا تو ساری حدیں کر اس کر جاتا تھا۔

”مسٹر ابہتاج لغاری چھوڑیں مجھے۔ اور اپنی یہ بیہودگی بھری باتیں کسی اور سے جا کر کریں۔“

سُلین اپنا چہرہ اٹھا کر اُس کی جانب دیکھنے کی ہمت نہیں کر پار ہی تھی۔ اس لیے اُس کے چوڑے سینے میں ہی منہ چھپائے

بولتی، وہ ابہتاج کو اپنے ہونٹوں کا نرم گرم لمس بخش گئی تھی۔ اُسے اپنے تڑپتے دل میں ٹھنڈی اُترتی محسوس ہوئی تھی۔

”دیکھ لو تم خود مجھے کسی اور کے پاس جانے کی اجازت دے رہی ہو۔ بعد میں پھر مکرنا نہیں۔“

ابہتاج کروٹ بدل کر اُسے اپنے نیچے کرتا پوری طرح اُس پر حاوی ہوا تھا۔ سُلین اُس کا چہرہ اتنے قریب دیکھ مزید سُرخ

ہوئی تھی۔ وہ اُس لمحے کو کوس رہی تھی۔ جب اُس نے ابہتاج سے پوچھنے اُس کے روم میں آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

”میری طرف سے، کسی کے بھی ساتھ جو مرضی کریں بس مجھ سے دور رہیں۔“

چاہنے کے باوجود سُلین کا لہجہ اُس کی الفاظ کا ساتھ نہیں دے پا رہا تھا۔

ابہتاج کی بے قرار نظریں اُس کے ایک ایک نقش کو چھوتیں اُس کو مزید پزل کر رہی تھیں۔ سُلین کا دل چاہتا تھا یا تو خود غائب ہو جائے یا پھر اس شخص کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دے۔

”مجھے باہر جانا ہے اسی کام سے۔ نیچے کھڑے کیے اپنے غنڈوں سے کہیں مجھے جانے دیں۔“

ابہتاج کو اپنے چہرے پر جھلٹا دیکھ سُلین جلدی سے تیز لہجے میں بولی تھی۔ جبکہ اپنے آدمیوں کے لیے اتنا اچھا لفظ استعمال کرنے پر ابہتاج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ جو کہ لمحے کے ہزارویں حصے میں معدوم بھی ہو گئی تھی۔

”اگر میں نہ جانے دوں تو۔“

ابہتاج اُس کا جواب جاننا چاہتا تھا۔

”تو میں خود ہی یہاں سے بھاگ جاؤں گی۔ اور واپس کبھی آپ کو اپنی شکل نہیں دیکھاؤں گی۔“

سُلین کے الفاظ ابہتاج لغاری کا سویا غصہ جگا گئے تھے۔

جس لڑکی کو وہ اپنی کُل کائنات مان چکا تھا۔ جس سے اپنے مزاج کے خلاف جا کر پیش آیا تھا۔ اُس کے آگے اُس کی زرا برابر بھی اہمیت نہیں تھی۔ اُس سے وضاحت مانگنا تو دور چند کاغذ کے ٹکڑوں پر یقین کر کے وہ اُس سے ہر تعلق ختم کرنا چاہتی تھی۔

”یہ الفاظ بول کر تم نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے سُلین۔ اب تمہیں اس کا حساب تو دینا ہی ہو گا۔“

ابہتاج کے سرد ترین تاثرات اور آنکھوں میں ناچتی وحشت دیکھ سُلین کی ہوائیاں اڑی تھیں۔

”کک کیا مطلب۔۔۔۔۔“

سُلین سے بولا ہی نہیں گیا تھا۔ ابہتاج کا ہاتھ اپنے دوپٹے کی جانب بڑھتا دیکھ اُس کا دل خوف کے مارے حلق میں آن اٹکا تھا۔

”آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔“

سُلین نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ملائم نازک ہاتھ میں تھامتے اُسے اُس کے ارادوں سے باز رکھنا چاہا تھا۔
”ایسا کرنے کا پورا حق رکھتا ہوں۔“

ابہتاج کو اُس کا خوفزدہ چہرہ مزید اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔ اُس نے نرمی سے اپنے ہاتھوں پر گرفت کیے ہاتھ چوم لیے تھے۔
سُلین نے فوراً اپنے ہاتھ واپس کھینچے تھے۔

”آپ نے بولا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے آپ مجھ پر غصہ نہیں کریں گے۔“

سُلین کو سمجھ نہیں آرہی تھی کیسے روکے اُسے۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ سُلین حبیب کے معاملے میں اُس کا واقعی بہت نرم تھا۔
وہ نہ ہی اُس پر غصہ کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی سزا دے سکتا تھا۔

اوپر سے خوفزدہ ہو کر جو حرکتیں وہ کر رہی تھی۔ ابہتاج کا رہا سہا غصہ بھی ختم کر گئی تھیں۔
”تم کیا چاہتی ہو۔“

ابہتاج نے اُس کی ٹھوڑی کو ٹچ کرتے سوال کیا تھا۔ جبکہ سُلین اُس کی گستاخیوں پر خود میں سمٹنے میں علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کا اس بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ کہ اُس کے بے حد قریب موجود ابہتاج لغاری بھی سن پارہا تھا۔
مگر وہ پہلے کی طرح کچھ اُلٹا سیدھا بول کر ابہتاج کے غصے کو پھر سے نہیں جگانا چاہتی تھی۔

”مجھے بس تھوڑے ٹائم کے لیے باہر جانا ہے۔ اس گھر میں قید رہ کر مجھے۔۔۔۔۔ میرا دم گھٹتا محسوس ہو رہا ہے۔“

سُلین نے بے چارگی سے اُسے اپنا پرالِلم بتایا تھا۔

”تو میں ساتھ لے چلتا ہوں۔“

ابہتاج کی گہری نگاہیں سُلین کو کنفیوز کر رہی تھیں۔ اُس سے جھوٹ بولنا مزید مشکل ہو گیا تھا۔

”نن نہیں میں کچھ ٹائم اپنے ساتھ اکیلے گزارنا چاہتی ہوں۔“

ابہتاج سے گھبرا کر سُلین کے ماتھے پر پسینے کی ننھی موندے نمودار ہوئی تھیں۔ جسے ابہتاج نے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ

سجائے اپنی ہتھیلی سے صاف کیا تھا۔ اُس کے نرم لمس پر سُلین کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔

”نیچے گاڑی موجود ہے تم جاسکتی ہو۔ ڈرائیور کو ساتھ لے کر جانا یا نہ لے جانا تمہاری چوائس ہے۔ کوئی تمہیں نہیں روکے

گا۔“

ابہتاج اپنی بات مکمل کرنا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

سُلین نے بیڈ سے اٹھ کر اُس سے دور ہونے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔

ابہتاج کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”ایک منٹ رکو۔“

ابہتاج کی سنجیدہ بھاری آواز پر سُلین کے قدم زمین میں جکڑے گئے تھے۔ وہ جلد از جلد اس گھر سے، اس شخص کی قید سے

بہت دور چلی جانا چاہتی تھی۔ مگر ابہتاج لغاری اُس کا امتحان پر امتحان لیے جا رہا تھا۔

سُلمین اُسکی پکار پر دھیرے سے پلٹی تھی۔ جب ابہتاج چلتا اُس کے عین سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

اب وہ بلیک ٹراؤزر کے اوپر بلیک سیلو لیس، بنیان پہن چکا تھا۔ دراز قد کسرتی وجود لیے یہ حسین مرد صرف اُس کا تھا۔ مگر وہ خود ہی اُس کی ہونے سے انکاری تھی۔

روشن گھنے بالوں سے سچی کشادہ پیشانی، کھڑی مغرور ناک، سیاہی مائل اعنابی لب، جن میں زیادہ تر سگریٹ ہی دبا رہتا تھا۔

مضبوط کسرتی شانے اور چوڑا سینہ ہمیشہ کی طرح تان کر کھڑے وہ سُلمین کی ہارٹ بیٹ تیز کر گیا تھا۔

سُلمین نے ہمیشہ کے لیے اُسے چھوڑ کر جانے سے پہلے اُس کا چہرہ اپنے زہن پر نقش کرنا چاہا تھا۔ اب چاہے حالات بدل گئے

تھے۔ مگر ایک وقت میں اُس نے بھی ابہتاج لغاری سے محبت کی تھی۔ جواب بھی کبھی کبھار اُس کے دل میں سر اٹھا جاتی

تھی۔ مگر سُلمین اس شخص کی اصلیت یاد کرتے ہر بار اُسے واپس سے کہیں اندر دبا دیتی تھی۔

کاش تم اتنے ظالم اور سفاک نہ ہوتے، تو آج سب کچھ کتنا اچھا اور خوبصورت ہوتا۔

سُلمین کے دل سے وہی صدا نکلی تھی۔ جواب وہ دن میں نجانے کتنی بار مانگنے لگی تھی۔

”بس میری ایک بات یاد رکھنا جتنی محبت کرتا ہوں تم سے۔ اُس سے بھی کہیں زیادہ اعتبار ہے تم پر۔ اور یہ بھی یقین ہے۔

کہ میری بیوی کبھی کچھ غلط، کچھ ایسا نہیں کرے گی۔ جس کے بعد اُسے چھتانا پڑے۔“

ابہتاج اُسے دونوں کندھوں سے تھام کر بولتا اُس کے ماتھے پر ہونٹوں کا گہرا لمس چھوڑتا دواش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

جبکہ سُلمین کتنی ہی دیر اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پائی تھی۔

یہ شخص اُسے کیسے طلسم میں باندھ گیا تھا۔ وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی۔ مگر اُس کے قدم نہیں اٹھ پارہے تھے۔

"ابہتاج لغاری آپ واقعی بہت ظالم انسان ہیں۔ باقی لوگوں کی زندگیوں کے ساتھ کھیل کر انہیں تباہ کرتے ہیں۔ مگر میرے تو دل کو ہی اپنی محبت کا عادی بنا کر، اس میں ہمیشہ کے لیے ویرانیاں بھر دی ہیں۔ جواب آگے کبھی آباد نہیں ہو پائے گا۔ کبھی نہیں۔"

سُلیں آنکھوں میں آئے آنسو بے دردی سے رگڑتی وہاں سے نکل گئی تھی۔



"ماشاء اللہ کتنی حسین لگ رہی ہو۔ دل یہ تم ہی ہونا۔ یار بالکل ایسا لگ رہا ہے کوئی ماڈل ریپ واک کرنے کو تیار کھڑی ہے۔"

صوفیہ لان میں داخل ہوتی دل کو ستائشی نظروں سے دیکھتے بولی تھی۔

فنکشن کا سارا انتظام گھر کے لان میں ہی کیا گیا تھا۔ اقرڈیکوریشن بھی بہت اچھی کی گئی تھی۔ بڑا سالانہ مہمانوں سے بھرچکا تھا۔

بہت سے لوگوں کی حسد اور رشک بھری نظریں بیش قیمت ساڑھی اور ڈائمنڈ سیٹ پہنے ننگے سبک سے تیار کھڑی دل پر پڑی تھیں۔

اُس نے اپنے لمبے بالوں کو سٹریٹ کر کے نیچے سے ہلکا ہلکا کرل کر رکھا تھا۔ ساڑھی کا بہت اچھے سے کیری کیے، لائٹ ریڈ لپسٹک ہونٹوں پر سجائے ہلکے پھلکے سے اپنی ہوش رُبا حُسن کو مزید دو آتشہ کیے وہ آج ہمیشہ سے ہٹ کر بے پناہ دلکش لگ رہی تھی۔ اُس سے نظریں ہٹانا آج سب کے لیے ہی مشکل ہو رہا تھا۔

ہمیشہ خاندان کے فنکشنز میں سب لوگوں سے زیادہ سستا اور معمولی ڈریس پہننے والی لڑکی، آج اُن سب میں شان و شوکت کے حوالے سے سب سے اُونچی اور اعلیٰ لگ رہی تھی۔

”تمہیں کیا ہوا ہے۔ تمہاری شکل پر بارہ کیوں بچ رہیے۔ کہیں زورین بھائی کو مس تو نہیں کر رہی۔“
سویرا اُسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

”ہاں اُنہیں کامس کر رہی ہوں میں۔ کاش میرے سامنے ہوں۔ اور وہ خوبصورت منہ توڑ دوں میں اُنکا۔“
دل نے آخری جملہ نہایت، آہستگی سے بولا تھا۔ وہ سب دوبارہ اُس کا سر کھانے لگی تھیں۔ جس پر وہ جان چھڑواتی آگے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

جب اچانک لڑکے والوں کے آنے کا شور مچا تھا۔ چند سیکنڈز بعد مردوں اور عورتوں کے بھرپور پروٹوکول میں جو شخص دلبے کے طور پر اندر داخل ہوا تھا۔

اُسے دیکھ دل پر غم و غصے کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

”یہ گھٹیا شخص یہاں بھی پہنچ گیا۔ آج تو نہیں چھوڑوں گی۔“

دل ارد گرد موجود لوگوں کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھی تھی۔ سب نے حیرت سے دل کی جانب دیکھا تھا۔
”دل تم۔۔۔“

روقیہ پھوپھونے اُسے آنکھوں کے اشارے سے دور رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

مگر دل کی اگلی حرکت سب کو بھونچا کر رکھ گئی تھی۔ اُس نے کس کے ایک تھپڑ زمین کے ہونے والے شوہر کے منہ پر رسید کیا تھا۔

جو پہلے ہی دل کو یہاں دیکھ اچھا خاصہ فکر مند ہو چکا تھا۔

”خالہ یہ شخص دھوکے باز اور فراڈ ہے۔ آپ زمین آپنی کے نکاح اس سے کیسے کر سکتے ہیں۔ اس نے میری فرینڈ ایشا کی بہن کے ساتھ بھی ایسے ہی جھوٹا نکاح کیا تھا۔ یہ نام بدل بدل کر لڑکیوں سے نکاح کر کے انہیں بیچ دیتا ہے۔ آپ پلیز ایسے انسان کے ساتھ زمین آپنی کی زندگی برباد نہیں کر سکتیں۔“

دل سب کو اپنی بات کا یقین دلاتے بولی تھی۔ مگر جو لوگ اُس کی چھوٹی سی معمولی بات ہر بھی یقین نہیں کرتے تھے۔ وہ بھلا اتنے بڑے سچ کو کیسے تسلیم کر لیتے۔

رقیہ بیگم دل کے اس طرح ڈرامہ کرنے پر اپنا غصہ اور نفرت کنٹرول نہیں کر پائی تھیں۔ اور زورین کے ساتھ شادی کے بعد ہواؤں میں اُڑتی دل کو واپس زمین پر پٹخنے کے لیے سب کے سامنے ایک زوردار تھپڑ اُس کے چہرے پر مارنا چاہا تھا۔ مگر دل تک پہنچنے سے پہلے کی کسی نے بیچ میں آتے رقیہ بیگم کا ہاتھ اپنی مضبوط ہتھیلی میں جکڑ لی تھی۔ وہ بھی اتنی سختی سے کہ رقیہ بیگم کی چیخیں نکل گئی تھیں۔

دل نے بے یقینی سے اپنے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہوتے زورین کی جانب دیکھا تھا۔ پورے تین دن بعد اُسے سامنے پا کر دل کے گال خوشی کے مارے لال ہو چکے تھے۔ وہ ایک پل کے لیے موجودہ سچویشن بھول ہی گئی تھی۔

اُس نے زورین کی چوڑی پشت کو مسکراتی نظروں سے دیکھتے ایک جتنا قی نظر کچھ فاصلے پر کھڑے اپنی جانب تکتے سفیان پر ڈالی تھی۔ اور اُسے باور کروایا تھا۔ کہ ڈھال بننا یہ ہوتا ہے۔ صرف باتیں کرنا بہت آسان ہے۔

”میری بیوی پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت بھی کیسے کی۔“

زورین کی چنگارتی آواز اُسے ہوش کی دنیا میں واپس لے آئی تھی۔

زورین کی آنکھوں میں اتنا غصہ دیکھ وہاں سب کو ہی سانپ سونگھ گئے تھے۔ زورین شاہ کے بارے میں زیادہ تر جانتے تھے۔ اور یہ بھی کہ اُس سے اُلجھنا اپنی بربادی کو آواز دینا تھا۔

[illegible]

رقیہ بیگم اچانک زورین کو اس طرح اپنے سامنے دیکھ بُری طرح گھبرا گئی تھیں۔ سب پر چلانے والی کے الفاظ جیسے گم سے ہو گئے تھے۔

”زورین بیٹا ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ دراصل۔۔۔۔۔“

تنویر صاحب جلدی سے آگے آئے تھے۔ جب زورین نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کروادیا تھا۔ وہ ان دونوں افراد کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا۔ ابھی اسی وقت اپنے خاندان کی بربادی کے ذمہ دار ان لوگوں کو دنیا سے ہی ختم کر دے۔ مگر ابھی کچھ وقت کے لیے اُسے لحاظ رکھنا تھا۔ ان کو اتنی آسان سزا نہیں دے سکتا تھا۔

وہ ان کو بھی ویسے ہی پل پل مارنا چاہتا تھا۔ جیسے انہوں نے اُس کے چاچو کی فیملی کے ساتھ کیا تھا۔ اور جس طرح اُس کے بے قصور ماں باپ کی جان لی تھی۔

”زورین پلیز سب لوگ ہیں یہاں۔۔۔۔ آپ پلیز یہ سب مت کریں۔۔۔۔ یہ تھپڑ کھا کر ہی بڑی ہوئی ہوں میں۔ میرے لیے یا یہاں موجود لوگوں کے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے یہ۔“

دل زورین کا بازو تھام کر اُسے رقیہ بیگم کا ہاتھ چھوڑنے کے لیے بولتی زرا سی تلخ ہوئی تھی۔ جو بھی تھا مگر وہ اپنے خاندان والوں کا اب بھی یوں ڈرامہ بنتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

زورین جو کافی برہم لگ رہا تھا۔ دل کی بات پر اُس نے نظریں گھما کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ اور سچی سنوری اُس کے بازو سے لگی وہ زورین شاہ کے دل کے تار چھیڑ گئی تھی۔

اُس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔ جس سے رقیہ بیگم نے اپنا درد کرتا ہاتھ نکال لیا تھا۔ اُنہیں اپنی ہڈیاں چٹختی محسوس ہو رہی تھیں۔

”یہ شخص ٹھیک نہیں ہے۔ جس سے نرمین آپنی کا نکاح ہو رہا ہے۔ یہ پہلے بھی میری فرینڈ کی بہن کے ساتھ غلط کر چکا ہے۔ اسے پولیس ڈھونڈ رہی ہے۔ اور اب یہ پھر شناخت بدل کر یہاں آگیا ہے۔ یہ نرمین آپنی کے ساتھ بھی غلط کرے گا۔ پلیز آپ یہ معاملہ سنبھال لیں۔ میں آپ کی احسان مند رہوں گی۔“

دل جانتی تھی یہاں کوئی اُس کی بات کا یقین نہیں کرے گا۔ اس لیے وہ زورین سے ریکویسٹ کرتے بولی تھی۔ جیسے اُسے اتنا یقین ہو کہ زورین اُس کی بارمان جائے گا۔

وہ نرمین کی لائف کسی صورت برباد نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اُس کے لیے چاہے اُسے کسی کے پیر بھی کیوں نہ پکڑنے پڑتے۔

”آئی، انکل یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔“

وہ شخص یہ دیکھ کر کہ کوئی دل کی بات پر یقین نہیں کر رہا جلدی سے رقیہ بیگم اور تنویر صاحب کو اپنا یقین دلاتے بولا تھا۔
”دل تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ فہد بہت اچھا لڑکا ہے۔ میرے دوست کا بھانجا ہے، ہم ایسے ہی تو کسی ایرے غیرے کو اپنی بیٹی نہیں دے دیں گے نا۔“

تنویر صاحب زورین کا لحاظ کرتے دل سے بہت نرم لہجے میں بولے تھے۔ مگر آنکھوں سے برہمی بھرے تاثرات لیے دل کو گھورا تھا۔ کہ اب وہ چپ رہے بلا وجہ کا ڈرامہ بند کرے۔

”اگر دل آویز کہہ رہی ہے۔ تو ضرور کچھ نہ کچھ ہو گا۔ دل تم اپنی فرینڈ کی فیملی کو کال کر کے یہاں بلاؤ۔ میں پولیس کو کال کرتا ہوں، جو بات ہوئی کلیئر ہو جائے گی۔“

زورین فہد کے چہرے پر نظریں جمائے دل سے مخاطب ہوا تھا۔ فہد کا بدلتا رنگ اُسے دل کی بات سچ ہونے کی آدھی گواہی تو وہیں دے گیا تھا۔

دل تشکر بھری نظروں سے زورین کی جانب دیکھتی جلدی سے اپنی فرینڈ کو کال ملانے لگی تھی۔ آج پہلی بار کسی نے اُس کی بات کا مان رکھا تھا۔ وہ بھی زورین شاہ نے جس سے اُسے ایک پرسنٹ یقین نہیں تھا۔ دل کو یہی ڈر تھا۔ کہ اُس کی بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا، زمین کی شادی اسی فراڈ شخص کے ساتھ ہو جائے گی۔ مگر زورین نے اُس کی بہت بڑی مدد کر دی تھی۔

دل اُس کے بدلے ہوئے انداز پر حیران تو تھی۔ مگر اس وقت اُس کا اظہار کرنے کا ٹائم نہیں تھا اُس کے پاس۔

”دل تم سچ کہہ رہی ہو۔ کیا واقعی ایسا ہے۔“

سویرا سائیڈ پر کھڑی دل کے کان میں گھس کر پوچھتے ہوئے بولی تھی۔

”ہاں، تمہیں کیا لگتا ہے۔ میں نرمین آپنی کے نکاح میں جان بوجھ کر ایسا کروں گی۔ یا پھر اُن کے ساتھ کچھ غلط ہونے دوں گی۔“

دل اب کی بار چڑھ کر بولی تھی۔

”ویسے ایک بات ماننی پڑے گی۔ زورین بھائی پیار بہت کرتے ہیں تم سے۔ کیسے غصے میں آگئے تھے۔ جب پھوپھو نے تم پر

ہاتھ اٹھایا۔ مجھے تو خود اُن سے بہت ڈر لگنے لگا تھا۔ لگتا ہے غصہ بہت تیز ہے اُن کا۔“

سویرا کو اس سچویشن میں بھی شوخیاں سوجھ رہی تھیں۔

”اُن کو غصہ کرنے کے علاوہ کچھ کرنا نہیں آتا، پیار تو بالکل بھی نہیں۔ ایک نمبر کے خشک مزاج اور سٹرل انسان ہیں۔

بس سن لیا، اب اس کے بعد دماغ مت کھانا میرا۔“

دل اُن کے صبح سے مسلسل پوچھے جانے والے سوالوں پر زچ ہو کر جواب دیتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ یہ نہیں دیکھ پائی

تھی، کہ کچھ فاصلہ پر موجود زورین اُس کے اپنے بارے میں یہ حسین خیالات سن چکا ہے۔



سُلیم نے بجھے دل کے ساتھ گاڑی واپس ابہتاج لغاری کے محل کے پارکنگ ایریا میں روکی تھی۔ وہ یہاں واپس نہیں آنا چاہتی تھی۔ مگر واپس آنے کے لیے مجبور کر دی گئی تھی۔ وہ خود غرض بن کر ابہتاج لغاری سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور چلی جانا چاہتی تھی۔ مگر چاہنے کے باوجود خود غرض نہیں بن پائی تھی۔

اُس کے بابا نے اپنی لائف کا ایک بہت لمبا عرصہ ملک کے لیے وقف کیا تھا۔ تو پھر وہ کیسے پیچھے ہٹ سکتی تھی۔ سیٹ بیک سے سرٹکاتی سُلیم کچھ دیر پہلے قاسم سے ہوئی ملاقات کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

”قاسم یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں اب اُس انسان کے پاس کسی صورت نہیں جاؤں گی۔ میں وہاں سے نکل کر دوبارہ واپس جانے کے لیے نہیں آئی۔ میں اُس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ جو شخص انسانوں کو بیچ کر حرام کھاتا ہے، میں بھلا اُس کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہوں۔“

آئی تھنک مجھے آپ کو کچھ بتانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں خود اپنے لیے اچھی طرح لڑ سکتی ہوں۔ مجھے نہ آپ کی ہیلپ کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی اور کی۔ آپ جاسکتے ہیں۔“

سُلیم نے قاسم کو ملنے کے لیے اپنے گھر بلایا ہوا تھا۔ جب وہ قاسم کی واپس ابہتاج کے پاس جانے والی بات سن کر بھڑک اُٹھی تھیں۔

قاسم کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ سُلیم کو سمجھانے اور واپس ابہتاج کے پاس جانے کو کہہ رہا تھا۔ تاکہ وہ اُسے اپنے سوچے گئے پلان کے مطابق استعمال کر سکے۔ مگر ابہتاج لغاری کی بیوی اُس سے بھی دو ہاتھ آگے نکلی تھی۔ اُس کی سننے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

وہ سمجھ گیا تھا، سُلین جیسی لڑکی کو اپنے اشاروں پر چلانا آسان نہیں تھا۔

مگر ابہتاج لغاری کو برباد صرف وہی کر سکتی تھی۔ کیونکہ ابہتاج اگر کسی کو اپنے قریب رکھتا تھا۔ کسی پر بھروسہ کرتا تھا۔ تو وہ سُلین حبیب ہی تھی۔ جسے قابو کرنا اب قاسم کو بھی اچھا خاصہ گھما گیا تھا۔

”آپ تو اپنی ہیلپ کر سکتی ہیں میم۔ میں جانتا ہوں آپ ایک پاور فل لیڈی ہیں۔ مگر کیا آپ نے ایک بار بھی اُن لوگوں کے بارے میں سوچا ہے، جو ابہتاج لغاری کے ظلم کے نیچے پس رہے ہیں۔ اور ساری زندگی ایسے ہی مر مر کر گزارنی ہے اُنہوں نے۔ یہاں کی فور سز بھی اُس وقت تک ابہتاج لغاری پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔ جب تک اُن کے پاس کوئی پروف نہ ہو۔ پروف ڈھونڈنے میں سالوں لگ جائیں گے۔ تب تک نجانے وہ شخص کتنی جانوں کا سودا کر چکا ہو گا۔ اپنے ملک کے لیے نہ سہی مگر اپنے بابا کے لیے تو آپ اُس شخص کے قریب رہ کر اُسے برباد کر سکتی ہیں نا۔“

سُلین جو قاسم کی کوئی بھی بچکانا بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔ اپنے بابا کے نام پر چونکی تھی۔

”بابا۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ میرے بابا کا بھلا اُس شخص کے ساتھ کیا لنک ہو سکتا ہے۔“

سُلین کی دماغ مزید الجھا تھا۔ قاسم اُس کے بابا کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ تو کیا وہ جانتا تھا، کہ اُس کے بابا کا یہ حال کرنے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ اگر ایسا تھا تو اتنے سال اُس کے بار بار پوچھنے پر بھی قاسم نے اُسے سچ کیوں نہیں بتایا تھا۔ ”جی، حبیب صاحب کی اس حالت کا زمرہ دار ابہتاج لغاری ہے۔ اُسی نے اُن پر حملہ کروایا تھا۔ اُن کے پاس ابہتاج کے کچھ ایسے راز موجود ہیں۔ جو ابہتاج کو اُس کے انجام تک پہنچا سکتے تھے۔ ابہتاج اُن سے وہ سب چھین کر اُنہیں مار دینا چاہتا تھا۔“

مگر خوش قسمتی سے وہ بچ گئے۔ ہاسپٹل میں اُن کے آس پاس موجود سیکیورٹی کاریزن بھی ابہتاج لغاری ہے۔ کیا آپ اپنے بابا کی خاطر بھی اُس شخص کو اُس کے انجام تک پہنچانے کے لیے تھوڑی سی قربانی نہیں دے سکتیں۔"

قاسم کی بات سنتے سُلین یک ٹک اُسے دیکھے جارہی تھی۔ ابہتاج لغاری نے اُس کے بابا پر حملہ کیا تھا؟ اتنے سالوں سے اُس کے بابا کی جو حالت تھی اُس کا زمرہ دار ابہتاج لغاری تھا؟

اُس شخص سے نفرت کرنے کی بہت ساری وجوہات میں ایک اور وجہ شامل ہو چکی تھی۔
مگر ----

اچانک کچھ یاد آتے، سُلین کا ماتھا ٹھکا تھا۔

اُس دن جو پیپر ز اُسے بھیجے گئے تھے۔ اُن کے مطابق تو جس وقت اُس کے بابا پر حملہ ہوا تھا۔ اُس وقت تو ابہتاج جیل میں تھا۔ تو پھر وہ بھلا اُن پر حملہ کیسے کروا سکتا تھا۔

اُس نے مشکوک نظروں سے قاسم کی جانب دیکھا تھا۔

"اگر آپ کو یہ سب پتا تھا تو آپ نے مجھے اُس وقت کیوں نہیں ساری سچائی بتائی۔ جب آپ نے فرسٹ ٹائم ابہتاج لغاری کو میرے آفس میں دیکھا تھا۔ تب تو میرا اُس شخص سے نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔ آپ کو بہت موقع ملے تھے، مجھے سب بتانے کے۔ پھر کیوں نہیں بتایا آپ نے۔"

سُلین کے دماغ میں بہت کچھ چلنے لگا تھا۔ قاسم اُسے اتنی آسانی سے بے وقوف نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں تھی۔ ایک بزنس وومین تھی۔ ہر چیز کو باریکی سے دیکھنا اور سمجھنا جانتی تھی۔

قاسم ایک لمحے کے جذبہ ہوا تھا۔ اُسے سُلیں سے اس سوال کی اُمید نہیں تھی۔

”میں بہت ڈر گیا تھا۔ ابہتاج لغاری بہت پاور فل شخص ہے۔ آپ جانتی ہیں، ہر بار آپ کے سامنے اُس نے کتنا بُرا سلوک کیا میرے ساتھ۔ ویسے بھی کسی کو ختم کرنا، اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ آپ کے قریب آنے کا مقصد بھی صرف آپ کے بابا تک پہنچنا ہے۔“

قاسم سُلیں کو اپنی جھوٹی سچی کہانیوں میں اُلجھانے کی ہر طرح سے کوشش کر رہا تھا۔

”او کے میں تیار ہوں۔ کیا کرنا ہو گا مجھے، اور میں بھلا کیسے اُس جیسے طاقتور شخص کو کچھ کر سکتی ہوں۔“

سُلیں نے حامی بھرتے اُلجھن بھری نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔ جب قاسم نے ایک چھوٹی سی کانچ کی ڈبی سُلیں کی جانب بڑھائی تھی۔

اُس پر لکھا ”پوائزن“ لفظ دیکھ سُلیں کی بے یقینی سے آنکھیں پھٹی تھی۔

”روز ابہتاج لغاری کو اس زہر کی ایک چمچ دینی ہو گی۔ یہ آہستہ آہستہ اُس کے وجود میں اُتر کر اُسے بالکل بیکار کر دے گی۔

اور اس کا سب سے زیادہ اثر پڑے گا اُس کے دماغ پر۔ وہ مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ مرنے کی دعائیں کرے گا مگر موت

نصیب نہیں ہو گی اُسے۔ اُس نے جتنے گناہ کیے ہیں، اس سے زیادہ عبرت ناک سزا اُس کی کوئی اور نہیں ہو سکتی۔“

قاسم کی آنکھوں کے پردے پر اپنے باپ کا خون سے لت پت وجود اور کانوں میں اپنی ماں اور بہن کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

سُلیں جہاں اُس کی بات سن کر سکتے میں آگئی تھی۔ وہیں اُس کے لہجے میں چھپی ابہتاج کے لیے اِس قدر نفرت اُس کو ششدر کر گئی تھی۔

”آپ اپنے بابا اور اُن سب مظلوموں کی موت کا بدلہ لیں گی نا ابہتاج لغاری سے۔ اور آپ فکر مت کریں، آپ کی حفاظت کے لیے بہت جلد وہاں میرا ایک آدمی پہنچ جائے گا۔ جو ظاہری طور پر ابہتاج کا آدمی ہو گا مگر کام میرے لیے کرے گا۔ وہ آپ کو ابہتاج لغاری کے کسی بھی وار سے محفوظ رکھے گا۔“

قاسم وہ ڈبی سُلیں کے سامنے کرتا اُمید بھرے لہجے میں بولا تھا۔
سُلیں جو کسی صورت ایسے کسی بھی کام کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ ناچاہتے ہوئے بھی کچھ سوچتے اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑ لیا تھا۔

”ہاں میں کروں گی۔ اُس شخص سے بہت حساب نکلتے ہیں میرے۔ اُسے تو چھوڑوں گی نہیں میں۔“

سُلیں کی آنکھوں میں نظر آتا انتقامی جذبہ دیکھ قاسم کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا تھا۔ اُس کے سب سے بڑے دشمن ابہتاج لغاری کو وہ اُس کی محبت کے ہاتھوں بہت بڑی مات دینے والا تھا۔

جس سے ابہتاج لغاری کا سنبھلنا ناممکن تھا۔ اگر وہ زہر سے نہ بھی مرتا مگر اِس بات نے اُسے مار دینا تھا۔ کہ اُس کی سب سے عزیز ترین ہستی، جس کے سہارے وہ اپنی آگے کی زندگی گزارنا چاہتا تھا، اُسی نے اُس کی جان لے لی۔

سُلیں گہرا سانس بھرتی گاڑی سے نیچے اُتر آئی تھی۔ وہ زہر کی ڈبی اُس نے اپنے پرس کے اندر ایک انتہائی محفوظ جگہ پر چھپا دی تھی۔

ٹیرس پر کھڑے ابہتاج نے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتے گہری نظروں سے گاڑی سے اتر کر اندر جاتی سُلین کی جانب دیکھا تھا۔ اُسے تھکے تھکے بے دلی بھرے قدم گھر کی جانب بڑھاتے دیکھ ابہتاج کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔



”دل تھینک گارڈ تم تھی آج یہاں۔ تم نے زمین آپنی کی لائف برباد ہونے سے بچالی۔ لو یو سوچ۔ تم بہت اچھی ہو۔ اور تمہارے شاہ صاحب تو سب سے زیادہ بیسٹ ہیں۔ اُن کی تو کیا ہے بات ہے۔ جب کوئی تمہارا یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ تو اُنہوں نے تمہاری بات سنی۔ ایسے ہی ہوتے آئیڈیل ہر بینڈ۔“

سویرانجانے کتنی بار دل کے گال چوم کر اُسے گلے لگا چکی تھی۔

کال پر دل کی فرینڈ کی پوری فیملی اور پولیس دونوں پہنچ گئے تھے۔ اور دل آویز کا کہا سچ نکلا تھا۔ وہ شخص بہت بڑا فراڈی تھا۔ اتنے بڑے دھوکے پر سب گھر والوں کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ جہاں سب زمین کی زندگی بچ جانے پر اپنے رب کے حضور شکر گزار تھے۔ وہیں اُس کی شادی ٹوٹ جانے پر کچھ پریشان بھی بہت تھے۔ جن میں سرفہرست رقیہ بیگم تھیں۔ زورین سے زیادہ امیر اور اچھا داماد لانے کے چکر میں وہ اپنی بھتیجی کو کتنے غلط لوگوں کے حوالے کرنے جا رہی تھیں۔

یہ رشتہ اُنہوں نے ہی طے کروایا تھا۔ اس لیے اب سب سے زیادہ سر اُنہیں کا ہی جھکا ہوا تھا۔

کیونکہ ہال میں اب سب لوگ دل اور زورین کی تعریفیں ہی کر رہے تھے۔ جنہوں نے وقت پے ایکشن لیتے زمین کو بچا لیا تھا۔

”دل تمہیں زورین بھائی بلارہے ہیں۔“

صوفیہ عجلت میں اندر داخل ہوتے دل سے مخاطب ہوئی تھی۔

”اوکے چینج کرلوں، سن لیتی ہوں اُن کی بات بھی۔“

دل زورین کا بلاوا صاف ٹالتی واش روم کی جانب بڑھی تھی۔ جب سویرا اور صوفیہ نے آدھے میں ہی اُسے بازو سے پکڑ کر واپس کھینچا تھا۔

”چینج بعد میں کرنا پہلے زورین بھائی کی بات سنو۔ چلو جلدی، جو آج اُنہوں نے کیا ہے۔ تمہیں اس رُوپ میں دیکھنے کا انعام تو بنتا ہے نا۔“

اُس کے نہ نہ کرنے کے باوجود وہ دونوں اُسے دھکیلتی باہر کی جانب لے گئی تھیں۔ دل اُن کی حرکت پر اُنہیں آنکھیں نکالتی آگے بڑھ گئی تھی۔

ساڑھی میں چلنے میں وہ پہلے ہی پوری طرح کفر ٹیبل نہیں تھی۔ اوپر سے زورین سے سامنے کا سن کر اُس کے قدم ویسے ہی لڑکھڑانے لگے تھے۔ بالوں کو اُس نے لپیٹ کر جوڑے کی شکل دے رکھی تھی اب۔ کیونکہ فنکشن میں اُسے زورین کی بدلتی شوخ نظریں اچھا خاصہ کنفیوژ اور پریشان کر رہی تھیں۔ اس وقت بھی انہی سوچوں کا شکار وہ اپنے بلاؤز کے گہرے گلے پر دھیان ہی نہیں دے پائی تھی۔ جس کو چھپانے کے لیے سویرا نے اُس کے بال کھول کر ارد گرد بکھیر دیئے تھے۔ مہمان سب تقریباً جا چکے تھے۔ زورین کو سب گھر والوں نے زبردستی ڈنر کے لیے روک لیا تھا۔

دل ابھی سیڑھیوں کی جانب بڑھنے ہی والی تھی۔ جب کسی نے اُس کی کلائی تھام کر اُسے ایک طرف قدرے تارک کونے میں کھینچ لیا تھا۔

دل کی بے ساختہ نکلتی چیخ اُس کی مضبوط آہنی ہتھیلی کے نیچے دب گئی تھی۔
اُس نے دل کی پشت دیوار سے ٹکاتے اُسے پوری طرح اپنے قبضے میں لیا تھا۔
”آپ۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں۔“

دل جو خوف کے مارے کانپنے لگی تھی۔ آنکھیں جیسے ہی اندھیرے سے مانوس ہوئیں۔ سامنے اپنے بے حد قریب کھڑے زورین شاہ کو دیکھ اُس کا کچھ دیر پہلے خوف سے بھرا دل اب بُری طرح دھڑک اُٹھا تھا۔
”یہاں پر ٹھیک سے دیکھ نہیں پارہا میں تمہیں۔ یہاں آ جاؤ۔“
زورین اُس کی کمر میں بازو جمائل کرتا اُسے لیے ٹیس کی جانب بڑھ گیا تھا۔ جبکہ دل اُس کے اس شوخ لب و لہجے پر ساکت سے اُسے دیکھے گئی تھی۔

کیا یہ واقعی زورین شاہ تھا۔ یا اُس کا کوئی ہم شکل۔ وہ روڈ، بات بات پر بے عزت کرنے والا شخص بھلا اتنا اچھا کیسے ہو سکتا تھا۔
”ایسے مت دیکھو۔ ورنہ میں ارد گرد کا لحاظ بھول کر وہ کر جاؤں گا۔ جو کرنے کو کب سے اس دل نے مجھے پاگل کر رکھا ہے۔“

زورین اُس کے لپسٹک سے سچے آدھے وال ہو نٹوں کو گہری بے باک نظروں سے دیکھتا اُس کے پسینے چھڑا گیا تھا۔

اب تو دل کو یقین ہو گیا تھا۔ ضرور یہ زورین شاہ ہو ہم شکل ہے۔ جو راستہ بھول کر یہاں آ گیا ہے۔ ورنہ زورین شاہ کو بھلا اُس میں اتنا انٹر سٹ کیسے پیدا ہو سکتا تھا۔



”آپ کی کافی۔۔۔“

سُلین نے بہت مشکل سے اپنے لرزتے ہاتھوں پر قابو پاتے کافی کا گاہک ابہتاج کے پاس ٹیبل پر رکھا تھا۔ ابہتاج جو سگریٹ پینے کے ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ حیرت بھرے تاثرات سے سُلین کی جانب دیکھا تھا۔ جو چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائے اُسے دیکھ رہی تھی۔ جبکہ لرزتی پلکیں بار بار کافی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

”یہ میرے لیے بنائی تم نے۔“

ابہتاج اب کی بار خوشگوار حیرت سے گویا ہوا تھا۔ جس کے جواب میں سُلین نے صرف اثبات میں سر ہلا کر ہی جواب دیا تھا۔

”امیزنگ۔۔۔“

ابہتاج خوشی کا اظہار کرتا، ایک ہی سانس میں ساری کافی کا پورا گاہک ختم کر گیا تھا۔ جبکہ سُلین پھٹی پھٹی نظروں سے اُسے دیکھ گئی تھی۔ ایک آنسو ٹوٹ کر اُس کے گال پر گرا تھا۔ جسے وہ ابہتاج کے دیکھنے سے پہلے ہی غیر محسوس انداز میں صاف کر گئی تھی۔

”تھینکس۔ بہت اچھی کافی تھی۔ کیا روزیہ نوازش ہو سکتی ہے۔“

سُلمین نے کافی جان بوجھ کر بہت کڑوی بنائی تھی۔ مگر ابہتاج کو وہ بھی پسند آگئی تھی۔

اُس کے اس طرح تعریف کرنے پر سُلمین نے مشکوک نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ اس قدر کڑوی کافی بھلا کسی کو پسند آسکتی تھی۔

”اوکے۔“

سُلمین مصنوعی مسکراہٹ سے اُسے جواب دیتی سامنے پڑے صوفے پر جا بیٹھی تھی۔ ٹیبل پر پڑا میگزین اٹھا کر اُس نے چہرے کے سامنے کر لیا تھا۔

قاسم کی ہدایت کے مطابق اُسے زیادہ ٹائم ابہتاج کے ارد گرد ہی رہنا تھا۔ اُس کی پلاننگز سن کر قاسم کو اُس کے بارے میں انفارم کرنا تھا۔

جب اچانک ابہتاج کا موبائل بجا تھا۔ سُلمین کے کان فوراً کھڑے ہوئے تھے۔ اُس نے ہلکا سا میگزین نیچے کر کے ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔ مگر اُسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ فوراً گڑبڑاتی میگزین چہرے کے سامنے کر گئی تھی۔

ابہتاج کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

”تم ختم کر دو اُن سب کو۔ کوئی ایک بھی زندہ نہیں بچنا چاہئے۔“

ابہتاج کے پتھر یلے لہجے پر سُلمین کا چہرہ خوف کے مارے لال ہوا تھا۔ اگر اسے قاسم سے ہوئی اُس کی ملاقات کا پتا چل جاتا تو اس ظالم نے اُس کا بھی یہی حال کرنا تھا۔

وہ فون بند کر چکا تھا۔ سُلین نے میگزین زرا ساینچے کیے تھے۔ لیپ ٹاپ اُسی طرح گود میں رکھے وہ اپنے پسندیدہ شغل سِگریٹ پینے میں مصروف ہو چکا تھا۔

”اِس بندے کا کوئی ایک جو سیدھا کام ہو۔ کڑوی کافی اور اِس قدر وافر مقدار میں سِگریٹ کون پیتا ہے بھلا۔“

سُلین اُسے منہ سے دھواں نکالتے دیکھ افسوس سے بولی تھی۔

دوسری طرف ابہتاج بظاہر خود کو انجان ظاہر کرتا اُس کی نظریں خود پر اچھے سے نوٹ کر رہا تھا۔

”آپ یہ سِگریٹ کیوں پیتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ یہ کتنے نقصان دہ ہیں آپ کی لائف کے لیے۔“

سُلین چاہنے کے باوجود خود کو یہ کہنے سے روک نہیں پائی تھی۔

”میرے دونوں نشے ہی میرے لیے جان لیوا ہیں۔ مگر اصل مسئلہ ہی یہی ہے کہ میں ان دونوں کے بغیر ایک پل بھی نہیں جی سکتا۔“

ابہتاج گہری نظریں اُس پر مرکوز کرتے بولتا اُسے چونکنے پر مجبور کر گیا تھا۔

وہ اپنا دوسرا نشہ اُسے ہی تو کہتا تھا۔ تو کیا وہ اُس کے بارے میں سب جانتا تھا۔ کہ وہ اُسے مارنا چاہتی ہے۔

”کیا مطلب اِس بات کا۔۔۔۔۔“

سُلین کی رنگت ذرد پڑی تھی۔

”یہ قاتلانہ حُسن مجھ جیسے کمزور دل انسان کے لیے جان لیوا ہی تو ہے۔ جس کا میں صرف دور سے ہی دیدار کر سکتا ہوں۔“

ابہتاج لیپ ٹاپ بند کرنا پوری طرح اُس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

”چھیچھوڑا انسان۔“

اُس کی بات سن کر سُلین جل کر بڑبڑاتی اپنی رکی ہوئی سانسیں بحال کر گئی تھی۔

”کچھ کہا مجھے۔“

ابہتاج کی آنکھیں شوخی سے مسکرائی تھیں۔ سُلین کا لال چہرہ دیکھ اُسے بہت مزا آ رہا تھا۔

”نہیں۔“

سُلین نفی میں جواب دیتی اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔ ابہتاج کی بدلتی نظریں اُسے کنفیوز کر رہی تھیں۔ اس شخص کے پاس

بیٹھنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ قاسم نے اُسے لائف کاسب سے مشکل کام سونپ دیا تھا۔

ابھی وہ ابہتاج کے قریب سے گزر رہی رہی تھی۔ جب بے دھیانی میں اُس کا پیر کارپٹ میں الجھا تھا۔ صوفے کا سہارا لے کر

اُس نے خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ ابہتاج اُسی صوفے پر براجمان خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

”تم کچھ دیر میرے ساتھ بیٹھ سکتی ہو۔“

ابہتاج نے صوفے پر رکھا اُس کا ہاتھ گرفت میں لیتے اُسے روکنا چاہا تھا۔

سُلین اُس کی نرم گرفت اور سرخی مائل آنکھوں کو دیکھ کر چاہنے کے باوجود انکار نہ کر پائی تھی۔

”کیا تمہیں واقعی یہ لگتا ہے۔ کہ میں بہت بُرا انسان ہوں۔ چند کاغذ کے ٹکڑوں پر یقین کر لیا تم نے۔ میری محبت نظر کیوں

نہیں آئی تمہیں۔“

ابہتاج اپنے برابر صوفے پر بیٹھی سُلین کی آنکھوں میں جھانکتے شکوہ کناں لہجے میں بولا تھا۔

”اگر آپ بُرے انسان نہیں ہیں۔ تو کیا حقیقت ہے آپ کی۔ اوکے مان لیتی ہوں میں۔ وہ سب جھوٹ ہے۔ تو پھر سچ کیا ہے۔ سننا چاہتی ہوں میں۔ ابہتاج لغاری آپ اتنے سال جیل میں قید کیوں رہے۔ بول دیں آپ کو جھوٹے الزام کے تحت سزا دی گئی تھی۔ آپ قاتل نہیں ہیں۔ آپ نے اپنے فادر کا قتل نہیں کیا۔ آپ کے ہاتھ خون سے بالکل صاف ہیں۔ آج تک آپ نے کسی کی جان نہیں لی۔“

سُلین کا ابہتاج کی بات پر ایک بار پھر شدید غصہ اُٹ آیا تھا۔ وہ اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے جھٹکتی آنکھوں میں نفرت بھرے ابہتاج سے مخاطب ہوئی تھی۔

”تم کچھ جاننا ہی نہیں چاہتی۔ تمہیں بس مجھ سے نفرت کرنی ہے۔ وضاحت دینے کی عادت نہیں ہے مجھے۔ مگر آج دوسری اور شاید آخری بار اپنی انا اور خود داری کو دبا کر میں نے تمہیں سچ بتانا چاہا تھا۔ لیکن تم مجھ سے نفرت کرنے میں زیادہ خوش ہو۔ تم اپنی نفرت کی جنگ جاری رکھو اور میں محبت کی۔ مگر اتنا ابھی سے بتا دوں جیت میری ہی ہوگی۔ مگر اُس کے بعد معافی نہیں ملے گی تمہیں۔ تمہیں میری ایک ایک اذیت کا جواب دینا ہو گا۔“

ابہتاج اُس کے قریب سے اُٹھا تھا۔

سُلین کا دل اُس کے گھمبیر لہجے پر دھڑک اُٹھا تھا۔ وہ ایک دم اُٹھ کر ابہتاج کے راستے میں آئی تھی۔

”ایک منٹ۔۔۔۔ پہلے میری بات کا جواب دیں۔ کیا آپ نے اپنے بابا کا قتل نہیں کیا؟؟؟ آپ کو جیل اسی کی وجہ سے ہوئی نا۔ پھر آپ بے قصور کیسے ہوئے۔ آپ خود اپنے بابا کے قتل کا اقرار کر چکے ہیں۔ تو اب پھر یہ کونسی نئی سچائی ہے۔ یا پھر نیا فریب ہے، جس میں آپ مجھے پھنسانا چاہتے ہیں۔“

سُلیں کا دماغ اُلجھ چکا تھا۔ اُس کا دل ابہتاج لغاری کے بے قصور ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ مگر ساری باتیں ابہتاج کے خلاف جارہی تھیں۔

وہ عجیب دوہراے پر آن کھڑی ہوئی تھی۔

انجانے میں وہ ابہتاج کو بار بار اُس کا تکلیف دہ ماضی یاد دلارہی تھی۔ ابہتاج جو شدید غصے کے عالم میں وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ سُلیں کے اِس طرح ایک بار پھر سامنے آجانے اور اُلٹے سیدھے سوالوں پر وہ خود پر قابو نہیں رکھ پایا تھا۔
”ہاں کیا ہے قتل میں نے اپنے باپ کا۔ بہت بے دردی سے مارا ہے اُنہیں۔ اُسی کی جیل کاٹی میں نے۔ ناصرف اپنے باپ کو بلکہ اُس کے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں کی جان لے چکا ہوں۔“

سُلیں کو دونوں کندھوں سے تھام کر اُسے اپنے بے حد قریب کرتے ابہتاج بھرے ہوئے لہجے میں بولتا سُلیں کو اپنے مزید خلاف کر گیا تھا۔

”یہی سننا چاہتی تھی ناتم۔ میں نے ایسا کیوں کیا۔ یہ سچائی اب میں کبھی نہیں بتاؤں گا تمہیں۔ اور شاید تمہیں بھی یہ جاننے میں کوئی انٹر سٹ ہے بھی نہیں۔ اگر جاننا بھی چاہو گی تو اب میں کبھی نہیں بتاؤں گی۔ لیکن تمہیں اپنی ساری زندگی اب میرے ساتھ ہی گزارنی ہے۔ اِس گھر سے جانے کی غلطی مت کرنا۔ تم پر ہی بہت بھاری پڑے گا۔“

ابہتاج جھٹکے سے اُسے چھوڑتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ جبکہ اُس کی گرفت اتنی سخت تھی۔ کہ سُلیں کو اُس کی انگلیاں ابھی بھی اپنے بازوؤں میں کبھی محسوس ہو رہی تھیں۔

ابہتاج نے اپنے منہ سے اپنی سفاکی کی داستان بتا کر اُس کی ساری اُمیدیں ختم کر دی تھیں۔ سُلین وہی صوفے پر بیٹھتی چہرا
دونوں ہاتھوں میں چھپاتی پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔

اُسے اب شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ وہ بہت غلط انسان سے محبت کر بیٹھی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے اُس نے اپنی دل کی دنیا
اُجاڑ دی تھی۔



”زورین شاہ آپ اپنے حواسوں میں تو ہے۔ یہ کیا مذاق لگا رکھا ہے آپ نے۔ دور رہیں مجھ سے۔ مجھے یہ سب نہیں پسند۔
جانتی ہوں آپ کے مجھ پر بہت سارے احسانات ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں آپ میری فیلنگز کے ساتھ کھیلیں گے۔“
دل اپنی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی دھڑکنوں سے گھبرا کر زورین کے ہاتھ دور جھٹکتی تلخی سے چلائی تھی۔
وہ اتنا تو جانتی تھی اس شخص کے دل میں اُس کا کوئی مقام نہیں تھا۔ پھر وہ یہ سب کر کے اُس کو مزید ہرٹ کیوں کر رہا تھا۔
کہیں وہ جان تو نہیں گیا تھا کہ وہ اُسے چاہنے لگی ہے۔ اور اب وہ اُسی بات کا مذاق بنا کر اُسے یوں زچ کر رہا تھا۔
”ارے تم تو ناراض ہی ہو گئی۔ میں تو وہی کر رہا تھا۔ جو تم چاہتی ہو۔“

زورین کی شوخی سے پُر لہجے پر دل نے حیرت بھری سوالیہ نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔
”ابھی اپنی کزن سے یہی کہانا تم نے۔ کہ مجھے پیار کرنا نہیں آتا۔ ایک خشک مزاج سڑیل انسان ہوں میں۔ میں تو صرف
تمہاری وہی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔“

زورین دور ہو کر ریلنگ سے لگی دل کی جانب قدم بڑھاتا اُس کا سہانا روپ آنکھوں کے راستے دل میں اُتارتے بولا تھا

جبکہ اُس کے الفاظ دل کی آنکھیں نم کر گئے تھے۔ اُس کے دل میں سر اٹھاتی خوش فہمی دم توڑ گئی تھی۔ اُسے خود پر شدید غصہ آنے لگا تھا۔ بھلا ایسے بے حس انسان سے دل لگایا ہی کیوں تھا۔

”آپ کو بہت مزا آتا ہے نا۔ اس طرح میرا مذاق اڑا کر۔ مجھے ہرٹ کر کے۔ کبھی شدید نفرت جتاتے اور دھتکارتے ہیں۔ تو کبھی یہ محبت کا جھوٹا ناکل کرنے آ جاتے ہیں۔ آپ کو آخر اس بات کا احساس کیوں نہیں ہوتا۔ میں بھی انسان ہوں۔ میں بھی

کچھ احساسات اور جذبات رکھتی ہوں۔ مزید یہ سب برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ بہت جلد چلی جاؤں گی۔ آپ سب کی زندگیوں سے۔ پھر آپ کو بھی مجھ جیسی نفرت کے قابل لڑکی کی شکل نہیں دیکھنی پڑے گی۔“

دل کے آنسو اُس کا پورا چہرہ بھیکو گئے تھے۔ ہچکیوں کے درمیان بمشکل بولتی وہ زورین شاہ کو بالکل خاموش کر وا گئی تھی۔ زورین ساکت سا اپنی جگہ کھڑا اُسے روتے بلکتے دیکھ رہا تھا۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے کتنی خوش تھی۔ مگر اُس کا قریب آنا اور چھونا دل کو اتنا ناگوار گزرا تھا۔ جو وہ ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔

جو بھی تھا۔ لیکن زورین شاہ ایسے رویوں کا عادی نہیں تھا۔ اوپر سے دل کا اس بُری طرح سے رونا اور اُس کے الفاظ دونوں ہی اُسے بُری طرح تپا گئے تھے۔

دل وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ مگر زورین نے اُس کی راہ فرار بند کر دی تھی۔

”تم مجھے چھوڑ کر جاؤ گی۔ آج تو یہ بات کی ہے۔ لیکن اگر آئندہ ایسا بیہودہ خیال تمہارے دماغ میں بھی آیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔“

زورین اُس کے ارد گرد رینگ پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا جھکتے بولا تھا۔ دل نے دور جانے والی بات کر کے اُس کا اچھا بھلا موڈ غارت کر دیا تھا۔

دل بنا اُس سے ڈرے اُس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ یہ شخص انجانے میں یا شاید جان بوجھ کر کئی بار اُس کے دل کا خون کر چکا تھا۔ وہ اب مزید یہ سب برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔
”مگر مجھے آپ۔۔۔۔۔“

دل نے غصے میں کچھ بولنا چاہا تھا جب زورین نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر مزید کچھ اُلٹا سیدھا بولنے سے روک دیا تھا۔
”یہ سب بول کر تم اپنے لیے مشکلات پیدا کر رہی ہو۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، چاہے کچھ بھی ہو جائے اب ساری زندگی کے لیے رہنا تمہیں میرے ساتھ ہی ہے۔ اس میں تمہاری خوشی ہو یا نہ ہو۔ مگر تم زورین شاہ سے کسی قیمت پر دور نہیں جاسکتی۔“

زورین اُس کی کلائی اپنی مضبوط گرفت میں دبوچتا اُسے لیے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔
وہ اپنی مزاج کے برعکس جا کر اپنی ایگو سائیڈ پر رکھ کر اُس کی جانب بڑھا تھا۔ مگر اس لڑکی نے ایک منٹ میں اُس کا موڈ غارت کر کے رکھ دیا تھا۔ دل اُس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کرتی واپس اُس کے ساتھ جانے سے انکاری تھی۔ مگر زورین اُس کی ہر بات اُن سنی کرتا اُسے لیے وہاں سے نکل گیا تھا۔



وہ گہری نیند میں تھی۔ جب موبائل کی وائبریشن پر اُس کی آنکھ کھلی تھی۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ رات کو بھی روتے روتے وہ بہت لیٹ سوئی تھی۔ جس کے باعث فجر کی نماز بھی قضا ہو گئی تھی۔

موبائل پر قاسم کا نمبر دیکھ اُس نے جلدی سے کال اٹینڈ کی تھی۔ مگر دوسری جانب سے جو خبر اُسے دی گئی تھی۔ اتنے دنوں بعد سُلین کا چہرہ اچھی خوشی سے جگمگا اٹھا تھا۔

”آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ پایا کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ کوما سے باہر آچکے ہیں۔ میں بتا نہیں سکتی میں کس قدر خوش ہوں۔“
سُلین اُسے جلدی سے حبیب صاحب کے پاس پہنچنے کا کہتی بیڈ سے اُٹھی تھی۔ اتنے دنوں کی زہنی ٹینشن کے بعد اس خوشی کی خبر نے اُس کا دماغ بالکل ریلیکس کر دیا تھا۔

وہ جلد از جلد اُن کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی۔ ہاسپٹل جانے کی تیاری کرتے ساتھ اُس نے ڈاکٹرز کو کال کر کے اُن کی سیکورٹی مزید بڑھانے کی ہدایت کی تھی۔ وہ اب کسی قسم کا رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔

★★★★★★

”میم سر آپ کو نیچے ناشتے کے لیے بلا رہے ہیں۔“

دل جو بیڈ پر اُوندھی لیٹی تکیے میں منہ دیئے پڑی تھی۔ ملازمہ کی بات اب کی بات پھر اُن سنی کرتی آنکھیں موند گئی تھیں۔ رات سے ہی اُس نے زورین کے ساتھ سے اپنا کمرہ علحیدہ کر لیا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں سوئی تھی۔ زورین بالکل خاموش رہا تھا۔ اُس نے دل کو اس کے لیے بالکل بھی نہیں ٹوکا تھا۔ مگر اُسے ناشتے کے لیے نہ آتا دیکھ وہ تین بار ملازمہ کو بھیج چکا تھا۔ لیکن ہر بار دل کا یہی خاموش انکار ہی ہوتا تھا۔

"پتا نہیں اب کیوں پھر یہ سب ڈرامہ کر رہے ہیں۔ اگر اتنی ہی فکر ہے۔ تو خود کیوں نہیں بلانے آ جاتے۔ مگر کیا کریں بچارے اکڑ جواتی ہے۔ اُسے کیسے سائیڈ پر رکھیں۔"

دل خود سے ہی کڑھتی شدید بھوک ہونے کے باوجود ایسے ہی پڑی رہی تھی۔ وہ بھی دل میں اب زورین شاہ کی کوئی بھی بات نہ ماننے کا ارادہ کر چکی تھی۔ تاکہ وہ خود ہی تنگ آ کر اُسے چھوڑ دے۔

وہ ابھی انہی سوچوں میں مگن تھی۔ جب دروازہ کھلنے کے ساتھ بھاری قدموں کی آواز گونجی تھی۔ کمرے میں پھیلتی اُس کی سحر انگیز خوشبو پر دل نے اپنی سانسیں روکی تھیں۔

زورین نے بنا کچھ بولے بیڈ کے قریب پہنچ کر اُس کی جانب جھکتے اُس کا بازو تھام کر کھینچا تھا۔ دل اس اچانک حملے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی۔ لڑکھڑاتے قدموں سے کھڑی ہوتی وہ اُس کے سینے سے جا ٹکرائی تھی۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے۔ آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے آخر۔"

دل اُس کی سینے پر ہاتھ رکھ کر فاصلہ برقرار رکھنے کی کوشش کرتے بولی۔

"ناشتہ کرو چل کر۔"

زورین اُس کا ہاتھ تھامے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"مجھے نہیں کرنا۔"

دل بضد تھی۔

"تم مجھے سختی کرنے پر مجبور کر رہی ہو۔"

زورین نے غصے سے اُسے گھورا تھا۔

”مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ پلیز جانے دیں مجھے۔“

دل اُس کے بے حد قریب کھڑے ہونے پر نظریں چراتے بولی تھی۔ زورین نے بہت غور سے اُس کا گلابی پڑتا چہرہ دیکھا تھا۔ اُس کے بدلے بدلے انداز تو زورین کافی دنوں سے نوٹ کر رہا تھا۔

”یہ اچانک تم مجھ سے اتنا گریز کیوں برتنے لگی ہو۔ کہیں محبت تو نہیں ہو گئی مجھ سے۔“

دل کا گلابی پڑتا ناک کھینچتے وہ اُس کی دکھتی رگ چھیڑ کیا تھا۔

”میں ابھی اتنی پاگل بھی نہیں ہوئی۔ جو آپ جیسے پتھر سے محبت کروں۔“

دل اُس سے ہاتھ چھڑاتی رُخ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔ زورین کی مسکراتی نظریں اُسے پزل کر رہی تھیں۔

”اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں میں جانتا ہوں۔ تم خود کو مجھ سے محبت کرنے سے نہیں روک پائی۔“

دل کو لگا تھا جیسے زورین اُس کا مذاق اُڑا رہا ہے۔

وہ ایک دم واپس پلٹی تھی۔ اور بھیگی شکوہ کنناں نظروں سے اُس کی جانب دیکھتے اُس کے گریبان کو دونوں مٹھیوں میں جکڑ لیا تھا۔

”سمجھتے کیا ہیں آپ خود کو۔ نفرت کرتی ہوں میں آپ سے شدید نفرت۔ آپ کے ساتھ رہ کر جتنی تکلیف برداشت کی ہے

میں نے۔ اتنی تو میرے خاندان والوں کی وجہ سے بھی نہیں ہوئی۔ اُنہیں مجھ سے نفرت تھی تو ہمیشہ نارواں سلوک ہی رکھا

مجھ سے۔ آپ کی طرح دورِ رخ نہیں تھے اُن کے۔ کبھی قریب آ کر نرمی برتنا، سب کے سامنے مجھے عزت دینے کا دکھاوا

کر کے میرے جذبات کے ساتھ کھیلنا اور کبھی مجھے بے عزت کر کے میری اوقات یاد دلادینا۔ میں تنگ آگئی ہوں آپ کے کھیل سے۔ میرے ماں باپ مجرم ہیں نا آپ کے۔ تو آپ ایسا کریں مجھے ختم کر دیں۔ اس طرح آپ کے انتقام کی آگ بھی بجھ جائے گی اور میری اذیت بھی ختم ہو جائے گی۔“

دل اُس کے ہاتھ تھام کر اپنی گردن پر رکھتی اس وقت اُسے اپنے حواسوں میں نہیں لگی تھی۔

زورین کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اُس نے کسی اور کے کیے کی سزا اس معصوم لڑکی کو دینی چاہی تھی۔ جو بے قصور تھی۔ اور نجانے کب سے نا کردہ گناہوں کی سزا سہتی آرہی تھی۔

زورین شاہ کو لگا تھا۔ وہ اس پیاری سی لڑکی کا دل بہت آرام سے جیت لے گا۔ اُس کی مایوسی بھری زندگی میں اپنی محبت سے خوشیوں بھرے رنگ بھر دے گا۔ مگر آج دل کی حالت دیکھ کر اُسے لگا تھا وہ بہت ٹوٹ چکی ہے۔ جسے اب زورین نے بہت نرمی اور محبت سے جوڑنا تھا۔

لیکن اُس سے بھی پہلے زورین یہ جاننا چاہتا تھا۔ کیا واقعی ہی وہ اُس سے محبت کرتی تھی۔ یا وہ بلا وجہ ہی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو رہا تھا۔

”اگر تم مجھ سے محبت نہیں بھی کرتی۔ تو اب اپنے دل کو اس نئے روگ کے لیے تیار کر لو۔ کیونکہ زورین شاہ بے پناہ محبت کرنے لگا ہے تم سے۔ اب ساری زندگی میرے ساتھ ہی رہنا ہے تم نے۔ تو اُس کے لیے محبت ہونا تو لازم ہے۔“

زورین اپنی پلاننگ کے بارے میں سوچتا مسکرایا تھا۔ اُس نے بنا دل سے اپنا گریبان آزاد کروائے اُس کے گرد حصار کھینچا تھا۔ مگر بولا کچھ نہیں تھا۔

”دور رہیں مجھ سے۔“

دل نے مزید طیش میں آتے اُس سے دور ہونا چاہا تھا۔ اِس سے پہلے کے زورین کچھ بولتا جب دروازہ ناک ہوا تھا۔ دل جھٹکے سے اُس سے دور ہوئی تھی۔

”سرنٹا شبی بی جی آئی ہیں آپ سے ملنے کے لیے۔“

ملازمہ اطلاع دیتی پلٹ گئی تھی۔

جبکہ اُس لڑکی کا نام سنتے ہی زورین کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ جسے دل نے بہت غور سے دیکھا تھا۔ زورین بنا کچھ بولے وہاں سے نکل گیا تھا۔ جو بات دل کو مزید تپا گئی تھی۔ اِس انسان کی زندگی میں اور لڑکیاں بھی تھیں۔ مطلب اب تو اُس کی کہیں کوئی جگہ بچتی ہی نہیں تھی۔

★★★★★★

سُلیں شدید غصے کے عالم میں آگے بڑھی تھی۔ وہ اب مزید دور کھڑے ہو کر سامنے کا منظر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

ابہتاج غیض و غضب کی کیفیت میں کھڑا اپنے قدموں میں گری لڑکی پر برس رہا تھا۔ جو بہت بُری طرح سے روتی اُسے کوئی بات مان جانے کی منت کر رہی تھی۔

”کیا ہو رہا ہے یہ سب۔ آپ کو زرا شرم نہیں آرہی ایک معصوم لڑکی کے ساتھ یہ سب کرتے ہوئے۔“
سُلین اُونچی آواز میں چلاتی اُن کے قریب گئی تھی۔ اور جھک کر اُس بُری طرح کپکپاتی لڑکی کو ابہتاج کے آگے سے اُٹھایا تھا۔

”واٹ کیا بکواس ہے یہ۔“

سُلین کے الزام پر ابہتاج کا دماغ گھوم چکا تھا۔

”آپ بتائیں کیا بیہودگی چل رہی ہے یہاں۔ کیا کرنا چاہ رہے تھے آپ اِس لڑکی کے ساتھ۔ وہ تو شکر ہے میں ٹائم پر آگئی ورنہ آپ اِس لڑکی کے ساتھ بھی وہی کرتے۔ جو آج تک نجانے کتنی لڑکیوں کے ساتھ کر چکے ہیں۔“

سُلین بنا ارد گرد موجود ابہتاج کے آدمیوں کی پرواہ کیے۔ جو منہ میں آرہا تھا بولی جا رہی تھی۔ اُس کے ہر لفظ کے ساتھ ابہتاج کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

دل نے اپنے پاس کھڑی اپنے سے بھی کہیں زیادہ جذباتی لڑکی کو افسوس بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ معاملہ اصل میں تھا کیا اور وہ سمجھ کیا رہی تھی۔ اتنے لوگوں کے سامنے وہ اپنے شوہر پر اتنا بڑا الزام لگا رہی تھی۔

آصف سمیت وہاں موجود تمام لوگوں کے سر بالکل جھک گئے تھے۔ آصف کو اب ابہتاج کے ہاتھوں اپنی درگت بنتی صاف نظر آرہی تھی۔ آج اُس کی کوئی نہ کوئی ہڈی تو لازمی ٹوٹنے والی تھی۔ اُس نے ابہتاج کی اجازت کے بغیر سُلین کو یہاں لانے کی بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔

”کیا بیہودگی کرتے دیکھا ہے تم نے مجھے اِس لڑکی کے ساتھ۔ اِس ساری بکواس سے پہلے زرا وہ بتانا پسند کرو گی تم مجھے۔“

ابہتاج بھی ارد گرد موجود لوگوں کی پرواہ کیے بغیر سُلیں کا بازو دبوج کر اُسے اپنے قریب کرتے دبے لہجے میں دھاڑا تھا۔ اُس کی جھلستی سانسوں کی تپیش اور جارحانہ انداز پر سُلیں لمحے بھر کو سہم کر خاموش ہوئی تھی۔

”تو پھر کون ہے یہ لڑکی۔ اور یہاں یوں روتی بلکتی کیا کر رہی ہے۔“

سُلیں سب کے سامنے ابہتاج کی اِس وحشی قربت پر خائف ہوئی تھی۔ ابہتاج کے اشارے پر آصف اور دل کے علاوہ باقی سب وہاں سے نکل گئے تھے۔ مگر ابہتاج نے سُلیں کو ابھی بھی اپنی گرفت سے آزاد نہیں کیا تھا۔

”یہ لڑکی تو مجھ سے بھی زیادہ پاگل ہے۔ بھلا کوئی اتنے خطرناک شوہر سے ایسے پنگے لے سکتا ہے۔ یہ بھی کوئی میری ہی بہن ہے۔ جسے بنا سوچے سمجھے بولنے اور کرنے کی عادت ہے۔“

دل سُلیں کی جانب دیکھتی افسوس سے سوچ کر رہ گئی تھی۔

”تم ہمیشہ الزام لگا کر، وضاحت کیوں مانگتی ہو۔ تم میری نرمی کا اب مزید ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ اب تمہیں میں بتاؤں گا، ابہتاج لغاری کتنا ظالم اور سفاک ہے۔“

ابہتاج سُلین کو جھٹکے سے خود سے دور کرتے دھاڑا تھا۔ سُلین لڑکھڑائی تھی جب دل نے قریب آکر اُسے سہارا دیا تھا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔ آپ کے شوہر میرے ساتھ کچھ غلط نہیں کرنے والے تھے۔ بلکہ اُنہوں نے تو میری بہت مدد کی ہے۔ وہ عزت کے محافظ ہیں لُٹیرے نہیں۔"

دل کی بات پر سُلین نے ٹھٹھک کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ جس پر دل اُسے اپنے ساتھ ہوا تمام واقع بتانے لگی تھی۔

وہ لڑکے دل کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ جب اُس کی خوش قسمتی سے وہاں سے گزرتے ابہتاج نے اُس کی آواز سن لی تھی۔ جس پر ایک لمحے کی بھی دیر کیے بغیر اُس تک پہنچتے ابہتاج نے اُن تینوں لڑکوں کو دھنک کر رکھ دیا تھا۔

اُسی کے پوچھنے پر دل نے اُسے اپنے گھر چھوڑنے اور اِس سچویشن میں پھنسنے کی ساری بات بتا دی تھی۔ ابہتاج نے اُس کے انکار کے باوجود زبردستی زورین کا نمبر پوچھ کر اُسے کال کر دی تھی۔

دل زورین کے پاس واپس نہیں لوٹنا چاہتی تھی۔ اِس لیے وہ ابہتاج کو اُسے زورین کے حوالے نہ کرنے کی منت کر رہی تھی۔ جسے دیکھ سُلین اِس ساری بات کو کسی اور ہی رُخ پر لے گئی تھی۔

ساری حقیقت جان کر سلین کا سر ندامت سے جھک گیا تھا۔ غصے میں وہ ابہتاج پر بہت بڑا الزام لگا گئی تھی۔
حبیب صاحب کی گمشدگی کی وجہ سے وہ اس قدر پریشان اور زہنی اذیت کا شکار تھی۔ کہ وہ ایک لمحے کے
لیے بھی سوچنے کی زحمت کیے بغیر اُس پر الزام داغ گئی تھی۔
”آئم سوری۔۔۔۔“

سلین نے بہت دقت سے ابہتاج کے سامنے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔

جس کا بنا کوئی جواب دیئے ابہتاج آصف کی جانب بڑھا تھا۔ ابہتاج کا اُٹھنے والا زور دار تھپڑ آصف کو ہوش
بھلا گیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر نیچے جاگرا تھا۔ اپنے سُن ہوتے گال پر ہاتھ رکھے اُس نے رحم طلب نظروں سے
سامنے کھڑے ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔

سلین اور دل ہکا بکا سی منہ پر ہاتھ رکھے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ سلین کو ابہتاج کے اس نئے رُوپ سے
بہت ڈر لگنے لگا تھا۔

”اپنی بیوی کا غصہ مجھ غریب پر تو مت نکالو۔“

آصف تھپڑ کھانے کے باوجود بھی بولنے سے باز نہیں آیا تھا۔
ابہتاج اُسے خونخوار نظروں سے گھورتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

”آئم سوری میری وجہ سے۔ آپ دونوں ہزبینڈ وائف کے درمیان پرابلمز آگئیں۔“

دل اپنی وجہ سے اُن دونوں کے درمیان مس انڈرسٹینڈنگ آتی دیکھ شرمندہ ہوئی تھی۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کو گلٹی ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہم دونوں میں صرف پراہلمز ہی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔“

سُلین کو وہ معصوم پیاری سی لڑکی بہت پسند آئی تھی۔ ایک اپنائیت سے محسوس ہو رہی تھی اُس سے۔ وہ اُسے لیے صوفے پر آن بیٹھی تھی۔

”تم بتاؤ تم کیوں چھوڑ کر آئی اپنے ہر بینڈ کو۔ کیا وہ اچھا انسان نہیں ہے۔ تم کیوں اُس کے پاس واپس نہیں جانا چاہتی۔ مجھے بتاؤ اپنی ساری پراہلم۔ اُس شخص کی چھٹکارا دلوانے کے لیے میں تمہاری ہر ممکن حد تک مدد کرنے کی کوشش کروں گی۔“

سُلین نے شوہر کے ذکر پر دل کی آنکھوں میں نمی اُترتی دیکھی تھی۔ اس لیے وہ ملائمت سے اُس کے ہاتھ تھامے بولی تھی۔

”بتائیں انہیں پلیز بہت اچھی طرح مدد کریں گی یہ آپ کی۔ دوسروں کا دل توڑنے کی ان سے زیادہ اچھی ٹریننگ کوئی نہیں کروا سکتا۔“

ابہتاج کی طنز میں ڈوبی آواز پر وہ دونوں چونک کر سیدھی ہوئی تھیں۔

”آپ کے ہر بینڈ آچکے ہیں۔ خاموشی سے بنا کوئی چوں چراں کیے اُس کے ساتھ چلی جاؤ۔ ورنہ میں واپس اُسی جگہ چھوڑ آؤں گا۔ جہاں سے لایا تھا۔“

دل زورین کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر ابہتاج کے دھمکی آمیز انداز پر اُس نے مدد طلب نظروں سے سُلین کی جانب دیکھا تھا۔

”یہ کیا طریقہ ہے کسی کو اپنے گھر سے بھیجنے کا۔ اگر اس لڑکی کی جگہ آپ کی سگی بہن ہوتی تو اُس کو بھی ایسے ہی دھمکی دے کر رخصت کرتے۔“

سُلین کو ابہتاج کا انداز بہت ناگوار گزرا تھا۔

”نہیں تب یہاں تک نوبت ہی نہ آتی۔ کیونکہ اُس کو میں اپنے گھر گھسنے بھی نہ دیتا۔“

ابہتاج کی بات پر سُلین کے ساتھ ساتھ دل بھی حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ ابہتاج سے موازنے میں دل کو زورین لاکھ درجہ بہتر لگا رہا تھا۔ جتنا بھی اکڑو سہی مگر وہ اس شخص جتنا بے حس اور سنگدل بالکل بھی نہیں تھا۔

”دل۔۔۔“

اُسی لمحے زورین نے وہاں قدم رکھا تھا۔ دل کو سہی سلامت اپنے سامنے دیکھ جہاں اُس کے رگ و پے میں طمانیت اُتر گئی تھی۔ وہیں ابہتاج سے ساری حقیقت جان کر اُس کی دھڑکنیں ابھی تک جگہ پر نہیں آپائی تھیں۔ اگر ابہتاج بروقت دل کی مدد نہ کرتا اور اُسے خدا نخواستہ کچھ ہو جاتا تو۔۔۔۔۔ اس سے آگے کا تصور کرتے ہی زورین کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

اُسے دل پر بھی بہت غصہ تھا۔ مگر اِس وقت وہ ہر چیز بھلائے صرف اُسے اپنے سینے سے لگا کر اُس کے سہی سلامت ہونے کا یقین کرنا چاہتا تھا۔

زورین کی پکار پر دل اپنے قدم اُس کی جانب اُٹھنے سے روک نہیں پائی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ جس حادثے کا شکار ہوتے بچی تھی۔ اُس کے بعد ایموشنلی وہ بالکل بھی سٹیبل نہیں تھی۔ جس شخص کی دوبارہ کبھی صورت نہ دیکھنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ اُسے یوں سامنے دیکھ خود پر سے اختیار کھوتی وہ اُس کے قریب کرنے پر سینے سے لگتی بُری طرح رو دی تھی۔ زورین نے کسی قیمتی متاع کی طرح اُسے پوری طرح خود میں سمو لیا تھا۔

”تھینکیو سو مچ مسٹر ابہتاج۔ آپ نے آج جو احسان مجھ پر کیا ہے۔ وہ میرے لیے میری زندگی سے بڑھ کر ہے۔ اگر آئندہ کبھی کسی قسم کی مدد درکار ہو تو آپ کی ایک کال پر حاضر ہوں گا میں۔“ تھینکس اگین۔“

زورین دل کو اُسی طرح سینے میں بھیچے بولتا اُسے ساتھ لگائے وہاں سے نکل آیا تھا۔

سُلیں اُس معصوم سی لڑکی کا اتنا پروٹیکٹو شوہر دیکھ ابہتاج کے آگے ایک بار پھر اپنی بات غلط ہو جانے پر شرمسار ہوئی تھی۔ مگر یہ شرمندگی بہت تھوڑے ٹائم کے لیے ہی تھی۔ اگلے ہی لمحے اپنے بابا کا خیال زہن میں آتے وہ طیش کے عالم میں ابہتاج کی جانب بڑھی تھی۔

”میرے بابا کہاں ہیں۔ کدھر غائب کیا ہے انہیں۔ آخر آپ کی اُن سے دشمنی ہے کیا۔ کیوں مارنا چاہتے ہیں آپ انہیں۔“

ابہتاج کا گریبان پکڑے طیش کے عالم میں بولتی وہ اُس کا خوف بھول چکی تھی۔

”میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔“

ابہتاج اُس کی لال سوچی آنکھوں سے نظریں چراتے بولتا اُس کے ہاتھ جھٹک گیا تھا۔

”پابند ہیں آپ میری ہر بات کا جواب دینے کے۔ جیسے آپ نے مجھے اپنا پابند کر رکھا ہے۔ ویسے ہی آپ کو بھی میرا پابند ہونا پڑے گا۔“

ابہتاج کا دماغ سُلین کی الزام تراشی پر پہلے ہی بہت اُبل رہا تھا۔ جبکہ دوسری طرف سُلین کو بھی اُس کا یوں روڈ بی ہیو کرنا غصہ دلا گیا تھا۔ جو کچھ اُس کی لائف میں چل رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ زہنی ٹینشن کا شکار تھی۔ دونوں غیض و غضب میں بپھرے آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

”اوہ ریٹلی، کیا واقعی میں نے تمہیں اپنا پابند کر رکھا ہے؟“

ابہتاج دو قدم آگے بڑھاتا درمیانی فاصلہ ختم کرتا اُس کے بے حد قریب آن کھڑا ہوا تھا۔

اُس کی معنی خیزی پر سُلین کا چہرہ لال ہوا تھا۔ اُس کی اس قدر نزدیکی پر گھبرا کر وہ فوراً پیچھے ہٹی تھی۔ مگر ابہتاج نے اُس کی کمر میں بازو جمائل کرتے اُسے اپنے مزید قریب کھینچ لیا تھا۔

”جانتی ہو اپنا پابند کیسے کیا جاتا ہے۔“

سُلین کا چہرا ٹھوڑی سے تھام کر اُونچا کرتے ابہتاج اُس کی آنکھوں میں جھانکتا گھمبیر تپیش زدہ لہجے میں بولا تھا۔

سُلین کو بالکل بھی اندازہ نہیں تھا اُس کا بولا گیا لفظ اُسی پر بھاری پڑ جائے گا۔

”آپ بات کو غلط رُخ پر لے کر جارہے ہیں۔“

سُلین اُس کی اتنی قربت پر کپکپانے لگی تھی۔ ابہتاج کا چہرا اُس کے اتنے قریب تھا۔ کہ اُس کے بولنے پر اُس کے لب سُلین کی ناک سے ٹچ ہو رہے تھے۔ مٹھیاں بھیجنے وہ بہت مشکل سے یہ سب برداشت کر رہی تھی۔

جب بھی وہ ابہتاج سے نفرت کرنا چاہتی تھی۔ یہ شخص ہر بار اُس کے اتنے قریب آکر اُس پر اپنا سحر پھونک دیتا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اُس سے دور نہیں جا پاتی تھی۔

”ابھی ہی تو اپنے سیدھے رُخ پر آرہا ہوں میں۔“

ابہتاج نے اُس کے کان کی لوح پر شدت بھرا لمس چھوڑتے اپنے اندر لگی آگ کو کم کرنا چاہا تھا۔ وہ زندگی میں اب صرف اِس لڑکی کی محبت، اِس کے ساتھ کا خواہشمند تھا۔ مگر وہ اُس کا دکھ سمجھنے کے بجائے ہر روز اُس پر نیا الزام لگا کر اُس کی تکلیف میں مزید اضافہ کر جاتی تھی۔ اگر سُلین کی جگہ کوئی اور یہ سب کرتا تو ابہتاج اب تک اُسے سزا دے چکا ہوتا۔ مگر سب سے بڑا ستم ہی یہی تھا اُس کے لیے، اِس لڑکی کے معاملے میں وہ ہمیشہ بے بس ہو جاتا تھا۔

سُلین اُس کے دھکتے لمس پر لرز سی گئی تھی۔ ابہتاج لغاری کی قربت برداشت کرنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔

”میرے بابا کہاں ہیں۔“

سُلین لرزتی آواز میں بمشکل اتنا بول پائی تھی۔

”میرے پاس ہیں۔ اگر تم چاہتی ہو وہ سہی سلامت رہیں۔ اور اگر ملنا چاہتی ہو تو تمہیں ایک ہفتے کے لیے میرا پابند رہنا ہوگا۔ اُس کے بعد جو تم کہو گی وہی ہوگا۔“

ابہتاج کے ہونٹوں نے اب سُلین کی سوجی آنکھوں کو نرمی سے چھوا تھا۔ سُلین کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گال پر پھسلا تھا۔ جسے ابہتاج نے بے مول ہونے سے پہلے ہی اپنے لبوں سے چن لیا تھا۔

سُلین کا وجود لرزنے لگا تھا۔ اگر وہ ابہتاج کے سہارے پر نہ کھڑی ہوتی تو اب تک زمین بوس ہو چکی ہوتی۔ وہ اکیلے لڑتے لڑتے تھک چکی تھی۔ اُس کا دل اسی شخص کی محبت کا طلبگار تھا۔ اِس کی اصلیت اِس کے منہ سے سن لینے کے باوجود وہ یقین نہیں کر پار ہی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ ابہتاج کی وکالت کرتے اپنے دل سے اُلجھ جاتی تھی۔

”آپ کیوں کر رہے ہیں یہ سب۔ میں نے اور میرے بابا نے آخر کیا بگاڑا ہے آپ کا۔ وہ بیمار ہیں پلیز انہیں اپنی اِس دشمنی میں مت گھسیٹے۔ آپ مجھ سے اپنا ہر بدلہ نکال لیں۔ جیسا چاہے سلوک کریں میں کچھ نہیں کروں گی۔ مگر پلیز میرے بابا کو کچھ مت کیجئے گا۔“

سُلیں اپنے بابا کا سن کر آنسو نہیں روک پائی تھی۔ ابہتاج اب بار اُس کے آنسوؤں کے آگے کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ بہت مشکل سے اُس نے اپنے دل کو مضبوط رکھا تھا۔

"تو پھر اس ایک ہفتے تمہیں میرا پابند ہو کر رہنا پڑے گا۔ جو میں کہوں گا تم وہی کرو گی۔ یہی شرط ہے اگر تم اپنے بابا سے ملنا چاہتی ہو تو۔ بولو منظور ہے۔"

سُلیں کے آنسو صاف کرتے اُس نے ہتھیلی اُس کی جانب بڑھائی تھی۔ جس پر ایک سیکنڈ کے لیے بھی سوچے بغیر سُلیں نے اپنا کپکپاتا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تھینکس یہ ایک ہفتہ میری زندگی کا سب سے حسین وقت ہونے والا ہے۔ اس کے بعد میں سکون سے موت کو اپنے گلے لگا سکتا ہوں۔"

ابہتاج اُس کو محبت پاش نظروں سے دیکھتا اُسے لیے وہاں سے نکل گیا تھا۔

★★★★★★★★

پورا راستہ زورین نے اُس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ لب بھینچے وہ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا تھا۔

دل بھی اُس سے پوری پوری ناراضگی ظاہر کرتی اُس کی جانب سے رُخ موڑ کر گاڑی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔ مگر دھیان سارا زورین کی جانب ہی تھا۔

اچانک کسی خیال کے آتے وہ زورین کی جانب پلٹی تھی۔

”آئم سوری۔ میری وجہ سے آپ ڈسٹرب ہوئے۔ آپ کی فیانسی کو تو بہت بُرا لگا ہو گا نا۔ آپ اس طرح اُسے چھوڑ کر آگئے۔ اب واپس مجھے گھر دیکھ کر وہ آپ سے مزید ناراض ہو جائے گی۔ یہاں قریب ہی میری فرینڈ کا ہاسٹل ہے۔ آپ پلیز مجھے وہاں ڈراپ کر دیں۔“

دل بہت سوچ سوچ کر بولتی زورین کو راضی کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اُسے اس وقت زورین کے اتنے سنجیدہ انداز سے ڈر بھی بہت لگ رہا تھا۔

”جسٹ کیپ کوائٹ۔“

زورین کی سرد و سپاٹ آواز پر دل خاموش ہو کر واپس سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

گھر پہنچ کر بھی زورین نے اُس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ گاڑی سے اُسے ہاتھ تھام کر نکالتے وہ اُسے لیے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”جاؤ جلدی سے فریش ہو کر آؤ۔ میں ویٹ کر رہا ہوں تمہارا۔“

دل کو اپنے بیڈ روم میں لا کر اُس نے الماری سے کپڑے نکال کر اُسے تھمائے تھے۔ دل نے ایک نظر اپنے ملگجے حلیے کی جانب دیکھا تھا۔ اور خاموشی سے لباس اُس کے ہاتھ سے تھامتی وہ واش روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اس وقت وہ صرف زورین کی گہری نظروں سے دور جانا چاہتی تھی۔

جان بوجھ کر واش روم میں ٹائم لگاتی وہ پونے گھنٹے بعد زورین کے چلے جانے کی تسلی کرتی باہر نکلی تھی۔ مگر اُسے باہر ہی صوفے پر براجمان دیکھ دل دانت پیس کر رہ گئی تھی۔

وہ اُسے اتنی اہمیت کیوں دے رہا تھا۔ وہ لڑکی نتاشا کہاں گئی تھی۔ جو خاص طور پر اُس کی خاطر لندن سے آئی تھی۔

دل کی موجودگی کا احساس کرنے کے باوجود زورین نے موبائل سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ وہ جانتا تھا دل پہلے ہی بہت پزل ہو رہی ہے۔ وہ اُسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

دل مرر کے سامنے کھڑے گیلے بال سلجھاتے ہر سیکنڈ بعد اُس پر نظر ضرور ڈالتی تھی۔

زورین کے رویے سے وہ بُری طرح اُلجھ رہی تھی۔ نہ وہ اُسے اس طرح گھر سے نکل جانے پر ڈانٹ رہا تھا۔ نہ ہی اُسے کوئی اور بات کہہ رہا تھا۔ اتنا اچھا اور اس طرح صبر کرنے والا یہ شخص کبھی نہیں رہا تھا۔

”چلو۔۔۔۔۔“

بال سلجا کر وہ ابھی برش رکھ ہی رہی تھی۔ جب زورین اُس کے سر پر آن پہنچا تھا۔

اُس کی گہری نظریں پوری فرصت سے دل کے وائٹ ڈریس میں روشنیاں بکھیرے حسین سراپے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دل نے پہلے سے اوڑھا ریڈ دوپٹہ اپنے گرد مزید درست کیا تھا۔

زورین نے بہت غور سے اُسکی یہ حرکت دیکھی تھی۔ بہت مشکل سے اُس نے اپنے ہونٹوں پر اُمد آنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کو ہونٹ بھیج کر روکا تھا۔

”مجھے ابھی بال خشک کرنے ہیں۔ اور مجھے بہت نیند بھی آرہی ہے۔ مجھے آرام کرنا ہے۔“

دل دراز کھول کر ڈرائیئر نکالتی فوراً انکار کر گئی تھی۔

”مے آئی ہیلپ یو۔“

زورین نے اُس کی کلائی اپنی گرفت میں لیتے ڈرائیئر اُس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ دل ہکا بکا سی اُس کی شوخی ملاحظہ کر رہی تھی۔

جو اب سوئچ آن کرتا ڈرائیئر کا رخ اُس کے بالوں کی جانب موڑ بھی چکا تھا۔

”پلیز میں خود کر لوں گی۔۔۔۔۔“

دل نے گھبرا کر اُس سے ڈرائیئر واپس لینا چاہا تھا۔

مگر زورین اُس کا ہاتھ اپنی گرفت میں قید کرتا اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔

زورین کے ہاتھ اپنے بالوں میں چلتے محسوس کرتے اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ تو پہلے ہی اپنا سب کچھ اس شخص پر قربان کر چکی تھی۔ یہ سب کر کے وہ اب نجانے پھر کونسا ستم ڈھانا چاہتا تھا اُس پر۔

بال خشک کر کے زورین اُسے اپنے ساتھ لیے کمرے سے نکل گیا تھا۔ اُس کا رخ ڈائینگ ٹیبل کی جانب تھا۔ دل بے جان گڑیا کی طرح اُس کے ساتھ کھینچتی جا رہی تھی۔ اُس کے انکار کرنے پر کونسا زورین نے اُس کی سن لینی تھی۔

”بیٹھو اور یہ سارا کھانا ختم کرو۔ جب تک تم یہ نہیں کھاؤ گی۔ یہاں سے اُٹھ نہیں سکتی۔“

زورین اس بات سے آگاہ تھا کہ دل نے صبح سے ایک لقمہ بھی نہیں لیا تھا۔ اُسے تو یہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔
بنا کھائے پیے یہ دھان پان سی لڑکی چل پھر کیسے رہی تھی۔

زورین کے اِس نئے آرڈر پر دل کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ اُسے اب یہی محسوس ہو رہا تھا۔ اُس کی حالت کے پیش نظر زورین اُس پر ترس کھا کر یہ سب کر رہا ہے۔

وہ ایک ایک جھٹکے سے کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے نہیں کھانا۔ آپ نے مجھے چابی سے چلنے والی گڑیا سمجھ رکھا ہے۔ جیسے مجھے چلائیں گے میں ویسے ہی کروں گی۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ طلاق چاہ۔۔۔۔۔۔"

دل کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی۔ جب زورین نے اُسے اپنی جانب کھینچا تھا۔ وہ سیدھی اُس کی گود میں جاگری تھی۔

”کیا بد تمیزی ہے یہ چھوڑیں مجھے۔“

زورین نے اُسے پوری طرح اپنے حصار میں قید کر لیا تھا۔ دل اُس کے بازو پر ناخن گاڑھے اُس کا حصار توڑنے کی سر توڑ کوششیں کر رہی تھی۔ اُسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ آخر زورین اب اُس سے کیا چاہتا ہے۔ جب اُس کے پاس اُس کی محبت آچکی ہے۔

”جب تک کھانا نہیں کھاؤ گی۔ اِسی طرح میری گود میں بیٹھنا پڑے گا۔ اب یہ تمہاری چوائس ہے۔ تم کیا کرنا چاہتی ہو۔“

زورین ریلیکس ہو کر چیئر سے ٹیک لگا کر بیٹھتے بولا تھا۔ اپنے بازو میں گڑھے دل کے ناخنوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں تھی اُسے۔

دل نے غصے سے گھور کر اُسے دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ شخص کتنا ضدی ہے۔ اُس کی ایک نہیں سنے گا۔ اِس لیے کافی دیر کی مزاحمت کے بعد آخر کار ہار مانتے اُس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

زورین نے اپنے ہاتھوں سے اُسے کھانا کھلانا چاہا تھا۔ جس پر دل نے پہلے دو نوالوں میں اُس کی اُنکلیوں پر اپنے دانت گاڑھے تھے۔

”تم تو میری سوچ سے زیادہ جنگلی ہو۔“

زورین پہلے اپنے بازو اور اب اُنکلیوں کا حال دیکھ کر اُسے مزید چڑھاتے بولا تھا۔

”بہت جلدی پچھتاوا ہو رہا۔ مجھے دوبارہ اِس گھر میں لانے کا فیصلہ کر کے۔“

دل نے طنز یا نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔

”نہیں تمہاری یہ حرکتیں مجھے مزید تمہارے قریب کر رہی ہیں۔“

زورین نے ہاتھ بڑھا کر اُسے کے ہونٹ پر لگا چاول ہٹایا تھا۔ دل نے فوراً اپنا چہرا پیچھے کیا تھا۔

”بس میں بہت کھا چکی ہوں۔ اب اِس سے زیادہ نہیں کھا سکتی میں۔“

دل نے اب کی بار بے چارگی سے زورین کی جانب دیکھا تھا۔ جس پر آخر کار رحم کھاتے وہ مان گیا تھا۔ دل اپنے روم کی جانب بڑھی تھی۔ زورین کو بھی اپنے پیچھے آتا دیکھ اُس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ اُسے خطرے کی بو آنے لگی تھی۔ زورین کے بدلے انداز اُسے خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔

جب اچانک دل کو اپنی دعا قبول ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ زورین کا فون بجا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ دوسری جانب بڑھ گیا تھا۔

دل زرا سی بھی دیر کیے بغیر روم میں داخل ہو کر اندر سے لاک کر گئی تھی۔ دروازے کے ساتھ سر ٹکا کر گہرے گہرے سانس لیتے وہ بستر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ وہ آج بہت تھک گئی تھی۔ اب صرف آرام کرنا چاہتی تھی۔

مگر بہت سی باتیں اُس کے ذہن میں گڈمڈ ہوتیں۔ اُسے سکون نہیں لینے دے رہی تھیں۔

کافی دیر گزر چکی تھی۔ مگر نیند آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ جب اُسے دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ اُس نے تو روم لاک کیا تھا پھر یہ۔

وہ بیڈ سے اٹھنے ہی والی تھی۔ جب زورین کیز سے لاک اوپن کرتا اندر داخل ہوا تھا۔ دل جلدی سے آنکھیں بند کرتی سوتی بن گئی تھی۔

قدموں کی چاپ اُسے اپنے قریب آتی محسوس ہونے لگی تھی۔ زورین اُس کے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔ جھک کر اُس کی پیشانی سے بال سمیٹتے اُس نے اپنے لبوں کا لمس چھوڑا تھا۔ دل بہت مشکل سے سانس روکے پڑی رہی تھی۔

زورین شاہ اتنا مہربان کیوں ہوا تھا اُس پر۔ جب وہ اُس سے محبت بھی نہیں کرتا تھا۔ پھر کیا تھا یہ سب۔ زورین اُس پر کمرل درست کرتا واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ دل نے دروازہ بند ہونے کی آواز پر آنکھیں کھول کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ منتشر ہوتی سانسوں کے ساتھ کتنی ہی دیر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پائی تھی۔

اُس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

کچھ لمحے بعد زورین کو باہر آتا دیکھ وہ واپس اُسی پوزیشن میں لیٹ گئی تھی۔ حقیقت میں دل کی سانسیں تو اُس وقت رکی تھیں۔ جب زورین نے اُس کے قریب بیڈ پر لیٹتے ہاتھ بڑھا کر اُسے اپنے قریب کھینچا تھا۔ دل کے لیے مزید سونے کا نالک کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ مگر وہ جس سچویشن میں اب تھی۔ اس میں آنکھیں کھول کر زورین کا سامنا کرنا بھی دو بھر تھا۔

دل کا سر اپنے بازو پر ٹکاتے زورین نے اُس کا گلابی پھولا گال چوم لیا تھا۔ جس پر دل کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا۔ زورین کے سامنے اُس کی چوری پکڑی گئی تھی۔ زورین کا زور دار قبضہ برآمد ہوا تھا۔ وہ پہلے سے ہی جانتا تھا دل جاگ رہی ہے۔ یہ ساری حرکتیں وہ اُسے تنگ کرنے کے لیے ہی کر رہا تھا۔

”تم آنکھیں کھول سکتی ہو۔ اس میں شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔“

زورین کی شوخی میں ڈوبی آواز پر دل نے خفیف سا ہو کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور دونوں ہاتھ اُس کے سینے پر جماتے اُسے غصے سے دور دھکیلنا چاہا تھا۔ مگر اس چکر میں زورین اُس کے مزید قریب آگیا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ جب آپ کے نزدیک میری کوئی اہمیت ہی نہیں۔ آپ کی ساری محبت آپ کی پہلی بیوی اور آپ کی بچپن کی دوست نتاشا کے لیے ہے تو پھر آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔ شوہر ہونے کی حیثیت سے آپ مجھ پر پورا حق رکھتے ہیں۔ مگر جب آپ مجھے اپنے ساتھ رکھنا ہی نہیں چاہتے تو پھر یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔ کیا اس اذیت سے دوچار کر کے آپ مجھ سے میرے پیرنٹس کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔“

اگر یہی بات ہے تو ٹھیک ہے۔ آپ جو مرضی کریں میں آپکو نہیں روکوں گی۔ آپ کو پوری زندگی جتنی اذیت ملی ہے۔ آپ اُس کا حساب لینے کا پورا حق رکھتے ہیں۔“

دل اپنی مزاحمت ترک کرتی زورین کے آگے اپنی سوچ رکھ گئی تھی۔

زورین کتنے ہی لمحے سپاٹ نظروں سے اُس کی جانب دیکھے گیا تھا۔ اگر وہ اس وقت پہلے والا زورین ہوتا تو دل کے منہ سے اپنے بارے میں ایسے خیالات سننے کے بعد اُسے اس کی سزا سنا چکا ہوتا۔ مگر اب ایسا نہیں تھا۔ دل جو کچھ بھی بول رہی تھی۔ یہ سارا اُس نے ہی اپنے عملوں سے دل کے دماغ میں بھرا تھا۔ اب اپنی محبت سے ہی اُس نے یہ سب ختم کرنا تھا۔

”میں نے اپنی پوری زندگی صرف ایک لڑکی سے ہی محبت کی ہے۔ جو کہ اس وقت میرے بے حد قریب بیوی کی حیثیت سے میری ہانہوں میں موجود ہے۔ یہی ایک لڑکی حقیقت ہے زورین شاہ کی۔ نہ تم سے پہلے کچھ تھا۔ نہ آگے کچھ ہوگا۔ دل آویز ہمایوں تم ہی میری محبت ہو۔ تمہیں بے پناہ چاہنے لگا ہوں میں۔ نہیں رہ سکتا اب تمہارے بغیر۔“

زورین بول رہا تھا جبکہ دل سکتے کے عالم میں اُسے دیکھے گئی تھی۔ یہ خواب تو وہ کئی بار دیکھ چکی تھی۔ اُسے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ کہ واقعی یہ حقیقت تھی یا کوئی پُر فریب خواب۔ زورین شاہ اُس جیسی معمولی لڑکی سے محبت کیسے کر سکتا تھا۔

وہ اپنی چند لمحوں کی خوش فہمی پر تلخی سے مسکرائی تھی۔

”حیرت ہو رہی ہے مجھے۔ زورین شاہ جس کی ایک کال پر شہر کی خوبصورت ترین لڑکیاں ٹاپ ماڈلز تک اُس کے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں۔ اُسے آج مجھ جیسی ایک معمولی مڈل کلاس کی طلب کیسے ہو گئی۔ میں سمجھ نہیں پا رہی آپ یہ سب بول کیوں رہے ہیں۔ آپ تو مجھے زبردستی حاصل بھی کر سکتے ہیں۔ پورا حق رکھتے ہیں مجھ پر۔“

دل اتنے دنوں سے اپنے اندر اکٹھی کی گئی تلخی اُس پر اُنڈیلنے لگی تھی۔

”دل تم ہوش میں تو ہو۔ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔ تم مجھے اتنا گھٹیا سمجھتی ہو۔“

زورین کی گرفت دل کے گرد ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ دل اس سب کو اتنے غلط انداز میں لے گی۔

”نہیں آپ کو گھٹیا نہیں سمجھتی۔ لیکن اپنی اوقات کے بارے میں اچھے سے جانتی ہوں۔ زورین شاہ کی طلب ہو سکتی ہوں محبت نہیں۔ آپ کی آنکھوں میں آج تک اپنے لیے جتنی نفرت دیکھی ہے۔ اُس کے بعد محبت نامی فریب پر یقین کرنا ناممکن ہے میرے لیے۔ میرے دل نے آپ سے محبت کر کے مجھے پہلے ہی کسی قابل نہیں چھوڑا۔ آپ کی یہ چند لمحوں کی قربت مجھے بالکل ختم کر دے گی۔ مگر آپ کے سکون کی خاطر میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔“

دل کس قدر اذیت کا شکار تھی۔ زورین اُس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ پہلے ہی اس لڑکی کو اس قدر توڑ چکا تھا۔ کہ اب ایک پل میں جوڑنا ناممکن تھا۔ زورین کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کیا کر ڈالے۔ ایک معصوم ہنستی بستی لڑکی کا دل توڑ کر بہت بڑا گناہ کیا تھا اُس نے۔ جس کی سزا صرف اُسے ملنی تھی۔ دل آویز کو بالکل بھی نہیں۔

”تمہارے وجود سے نہیں تمہاری روح سے محبت کرنے لگا ہوں میں۔ جس کا میں تمہیں بہت جلد یقین دلا کر رہوں گا۔“

زورین دل کی آنکھوں میں جھانک کر اُسے یقین دلاتا اُس کے قریب سے اُٹھ گیا تھا۔ وہ دل کو اپنی محبت کا یقین دلا کر اُسے اپنا بنانا چاہتا تھا۔ جس کے لیے ابھی اُسے کچھ وقت مزید انتظار کرنا تھا۔

زورین کے روم سے نکلتے ہی دل پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔



"بیگم صاحبہ سر آپ کو جم خانے میں بلا رہے ہیں۔"

سُلین نے اِس نئے آرڈر پر اپنا سر پکڑ لیا تھا۔ دو دن سے ابہتاج نے اُسے گھن چکر بنا کر رکھ دیا تھا۔ اپنا ہر کام وہ اُس کے ہاتھوں سے کروا رہا تھا۔

اُس کے کپڑے پریس کرنے سے لے کر کھانا بنانے اور یہاں تک کے کھلانے کی ذمہ داری بھی سُلین کی ہی تھی۔ سُلین اُس وقت کو کوس رہی تھی۔ جب اُس نے ابہتاج کے آگے یہ سب کرنے کی حامی بھری تھی۔ کوئی شخص اِس قدر ٹُف بھی ہو سکتا تھا۔

دن میں کوئی بیس ایک بار تو وہ کڑوی کافی اُس سے بنوا کر پیتا تھا۔ یہ سب تو سُلین پھر بھی خندہ پیشانی سے کر جاتی تھی۔ مگر اُس کی جذبے لٹاتی گہری نظروں کا سامنا کرنا سُلین کے لیے بہت مشکل کام تھا۔

صبح سے سُلین اِسی بات کا ویٹ کر رہی تھی کہ ابہتاج کب جم میں جائے گا۔ تو اُس کی شوخی بھری نظروں سے تو چھٹکارا ملے گا۔ مگر آدھے گھنٹے بعد ہی اُس کے بلاوے پر سُلین تپ اُٹھی تھی۔ اگر وہ بابا کی وجہ سے اِس شخص کے آگے مجبور نہ ہوتی تو اب تک اُسے سبق سیکھا چکی ہوتی۔

"جی بلایا آپ نے۔"

سُلین نے دانت پیستے اپنے لہجے کو حتی المکان نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی۔

ابہتاج حسبِ معمول بلیک ٹراؤزر اور بلیک بنیان میں ملبوس تھا۔ اُس کے کسرتی شانے نمایاں ہوتے سُلین کی نظریں مزید جھکا گئے تھے۔

”میرے ڈمبلز نہیں مل رہے۔ پتا نہیں کہاں رکھ دیئے ملازمین نے صفائی کرتے ہوئے۔“

ابہتاج کی بات سن کر سُلین نے چاروں طرف نظریں دوڑائی تھیں۔ مگر کہیں بھی اُس کے ڈمبلز کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

”میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔“

سُلین اُس کا پرسکون انداز دیکھ دانت پیستے بولی تھی۔ وہ یقین کر رہی نہیں سکتی تھی۔ کہ ابہتاج کے ملازمین نے اُس کی اتنی ضروری چیز گم کر دی اور وہ اتنے سکون سے کھڑا رہے۔ یہ سب اُس نے اُسے بلانے کے لیے کیا تھا۔

”اوکے تھینکس۔“

ابہتاج نے شانے اُچکاتے جواب دیا تھا۔ اور بہت ہی دلچسپی سے سُلین کو دیکھنے لگا تھا۔ جو اُس کی اصل چال سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔

”یہاں تو کہیں بھی نہیں ہیں۔“

سُلین ہر جگہ ڈھونڈنے کے بعد ناکام لوٹتے بولی تھی۔

”وہی تو میں کہہ رہا تھا۔ ڈمبلز پتا نہیں کہاں گم کر دیئے اُنہوں نے۔ اب ایکسرسائز تو کرنی ہے مجھے۔ یہ تو میں ایک دن بھی مس نہیں کر سکتا۔“

ابہتاج معنی خیزی سے بولتا اُس کے بے حد قریب آن کھڑا ہوا تھا۔
”تو۔۔۔۔“

ابہتاج لغاری اور کسی بات کی تمہید باندھ رہا تھا۔

”تو۔۔۔ جب تک میرے ڈمبلز نہیں مل جاتے۔ اُن کا کام بھی تم سرانجام دو گی۔“

ابہتاج نے بات کے اختتام پر ہی سُلین کو کچھ بھی سمجھنے کا موقع دیئے بغیر بانہوں میں اٹھا لیا تھا۔ سُلین ہکا بکا سی یہ دیکھ رہی تھی۔ یہ شخص اُس کی سوچ سے کئی گنا زیادہ شاطر تھا۔ اُس کو اپنے قریب رکھنے کے کیسے کیسے بہانے ڈھونڈ لیتا تھا۔

”یہ کیا طریقہ ہے۔ پلیز نیچے اتاریں مجھے۔“

سُلین گرنے کے ڈر سے اُس کی شرٹ کا کالر اپنی مٹھی میں دبوچے خوفزدہ لہجے میں بولی تھی۔

”تم مجھے انکار کر رہی ہو۔“

ابہتاج نے سوالیہ نظروں سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔ جس پر ناچار سُلین کو نفی میں سر ہلانا پڑا تھا۔

مگر جیسے ہی ابہتاج نے اپنی ایکسرسائز شروع کی سُلین کا دل اُچھل کر پیٹ میں جاگرا تھا۔ سُلین اس پوزیشن میں تھی۔ کہ ہر بار ابہتاج کے بازو اوپر لے جانے پر اُس کے ہونٹ سُلین کی گال سے ٹچ ہوتے تھے۔ اُس کا چہرہ بالکل لال ہو چکا تھا۔ جیسے ابھی سارا خون چھلک پڑے گا۔

سُلین اچھے سے سمجھ رہی تھی۔ ابہتاج یہ سب اُسے تنگ کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ اُس نے بھی خود کو محفوظ رکھنے کے لیے۔ اپنا دوپٹہ اُس جگہ چہرے پر رکھ لیا تھا۔ جہاں ابہتاج اپنے ہونٹوں کا لمس چھوڑ رہا تھا۔

اُس کے گریز پر ابہتاج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
”میں تھک گئی ہوں۔ پلیز مجھے اب نیچے اُتار دیں۔“

سُلین کا سلکی دوپٹہ بار بار پھسل جاتا تھا۔ جس سے وہ بُری طرح زچ ہو چکی تھی۔
”اوکے۔۔۔ تھینکس۔“

ابہتاج نے اُس کی گال پر اُسی مقام پر اپنے ہونٹوں کا گہرا لمس چھوڑ کر اُسے آزاد کر دیا تھا۔ سُلین نے جلن کے احساس سے سامنے لگے مرر کی جانب دیکھا تھا۔ ابہتاج کے اس لو بائٹ پر اُس نے ٹاول گلے میں ڈال کر اُسے باہر کی جانب جاتا دیکھ سختی سے گھورا تھا۔

اُسی لمحے ابہتاج نے پلٹ کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ دور سے ہی اُسے گال پر ہاتھ رکھا دیکھ وی شوخی سے آنکھ دبا کر اُسے مزید آگ بھگولا کرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

”وحشی، ایڈیٹ، لوفر، دہشت گرد کہیں کا۔ اتنے سال جیل میں رہ کر یہی سیکھ کر آیا ہوگا۔ اب میں گھر میں اسے چھپانے کے لیے سب ملازمین کے سامنے نقاب کر کے رہوں گی۔“

سُلیم اپنے گال کا قریب سے معائنہ کرتی تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اُسے کوسنے لگی تھی۔ جب موبائل بجنے پر جلدی سے وہ اُس جانب متوجہ ہوئی تھی۔ ابہتاج نے اُسے خود میں ایسا الجھا رکھا تھا۔ کہ اُس کی قاسم سے بات ہو ہی نہیں پائی تھی۔

”بس مزید کچھ دنوں کی بات ہے۔ پھر ابہتاج اپنے وعدے کے مطابق مجھے میرے بابا سے ملوا دیں گے۔“

سُلیم اُسے اپنی خیریت بتاتی پُر اُمید لہجے میں بولی تھی۔

”اور آپ کو لگتا ہے۔ وہ آپ کا حبیب سر سے ملوا بھی دے گا۔ آپ ہر انسان کو اپنے جیسا سمجھتی ہیں۔ اس لیے اتنے آرام سے اُس دھوکے باز اور غدار انسان پر یقین کر رہی ہیں۔“

قاسم اُس کی نا سمجھی پر تاسف سے بولا تھا۔

”کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔“

سُلیم نے اس رُخ پر سوچا ہی نہیں تھا۔

”وہ صرف آپ کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ کبھی بھی آپ کو اتنی آسانی سے سر کے پاس لے کر نہیں جائے گا۔ آپ کو خود ہی حبیب سر تک پہنچنے کے لیے کچھ کرنا ہو گا۔ آپ اُسی کے کھیل کو اُس پر پلٹ سکتی ہیں۔“

قاسم اُسے نیا سبق پڑھانے لگا تھا۔ جسے سُلیمن بہت غور سے سننے لگی تھی۔

”آپ وہ زہر ڈال رہی ہیں نا اُس کی کافی میں۔“

قاسم نے آخر وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا۔ جو وہ کب سے پوچھنا چاہتا تھا۔

”ہاں صبح و شام دونوں ٹائم اُس کی کافی میں ملا رہی ہوں۔ میں اِس شخص کی اصلیت اچھی طرح جان چکی ہوں۔ اب کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گی اُسے۔“

سُلیمن پُر عزم لہجے میں بولی تھی۔ دوسری طرف قاسم کے ساتھ بیٹھی گلشن آرا کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ ابہتاج لغاری بہت جلد اُن کے ہاتھوں مات کھانے والا تھا۔ اتنے سال اُن دونوں ماں بیٹے نے صرف اِسی دن کا انتظار کیا تھا۔

”ویری گڈ۔ میں اپنے آدمی کے ہاتھ آپ کی طرف ایک نشہ آور دوا بھیج رہا ہوں۔ جسے آپ نے ابہتاج کی کافی میں مکس کر کے اُسے پلانی ہے۔ اِس دوائی کا اثر کافی زیادہ دیر تک رہے گا۔ جس دوران ابہتاج کو کسی بات کا ہوش نہیں ہو گا۔ آپ اپنا کام آسانی سے کر سکتی ہیں۔ ابہتاج کے فون اور لیپ ٹاپ کا سارا ریکارڈ آپ نے اپنے پاس ٹرانسفر کرنا ہے۔ اُس کی ساری امپورٹنٹ فائلز کا ڈیٹا بھی۔ اگر آپ نے یہ سب کر لیا۔ تو

ہمارے پاس اُس درندے کے خلاف بہت سارے ثبوت اکٹھے ہو جائیں گے۔ جس کے بعد اُس پر ہاتھ ڈالنا ناممکن بالکل بھی نہیں رہے گا۔“

قاسم سُلین کو ساری بات سمجھا کر فون بند کر گیا تھا۔ سُلین کچھ دیر کھڑی اس سب کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ اگر اُسے ابہتاج کی اس قید سے رہائی چاہی تھی تو اُسے یہ سب کرنا تھا۔ اس نئے پلان کے لیے خود کو تیار کرتی وہ گہرا سانس بھرتی جم سے نکل آئی تھی۔



زورین دوزانو وہیل چیئر پر بیٹھے شخص کے قدموں میں آن بیٹھا تھا۔ اتنے دنوں کی مسلسل پیش رفت کے بعد اُس نے آخر کار اپنے عزیز از جان چچا کو ڈھونڈ ہی لیا تھا۔

”مجھے معاف کر دیں۔ اتنے سالوں تک ایک فضول سی غلط فہمی کا شکار رہتے میں نے آپ کے معاملے میں اتنی کوتاہی برتی۔ آپ دونوں اتنے بُرے حالات میں نجانے کتنی مشکلات اور تکلیف کا شکار رہے۔ آپ کی مدد کرنا تو دور کی بات میں آپ سے نفرت کرتا رہا۔ آپ کو صرف محبت کرنے کے جرم میں اس حال تک پہنچا دیا گیا۔ اور میں آپ کے حوالے سے بالکل غافل رہا۔ آئم ریلی سوری۔۔۔“

زورین ہمایوں شاہ کے دونوں ہاتھ تھام کر ندامت سے چور لہجے میں بولا تھا۔ اتنی جائیداد کا مالک شخص کے بوسیدہ سے گھر میں لاوارثوں کی طرح پڑا تھا۔ یہ سب دیکھ زورین کو اپنی لاعلمی اور غفلت پر مزید غصہ آیا تھا۔

اُسے ملازمہ نے یہی بتایا تھا کہ ہمایوں شاہ اپنی یادداشت کھو چکے ہیں۔ مگر انہیں اپنے پورے ہوش و حواس میں دیکھ زورین بے پناہ خوش تھا۔

"نہیں بیٹا تم شرمندہ مت ہو اس سب میں تمہاری کوئی غلطی نہیں۔ تمہارے سامنے بچپن سے جو سچائی رکھی گئی تمہیں تو اُسی پر ہی یقین کرنا تھا۔ مگر اب میں بہت خوش ہوں۔ میرا بیٹا مجھے ڈھونڈتے میرے پاس پہنچ گیا ہے۔ مجھے یقین ہے اب وہ میری ہر تکلیف کا ازالہ کر دے گا۔"

ہمایوں شاہ کے چہرے پر موجود سکون زورین کو حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔ عیش و عشرت کا عادی شخص بھلا ایسی جگہ پر اتنے سکون سے کیسے رہ سکتا تھا۔

وہ زیادہ دیر اس حیرت میں ڈوبا نہیں رہ پایا تھا۔ اور اُن سے اس بارے میں سوال کر گیا تھا۔

اُس کے سوال پر ہمایوں شاہ نے مسکرا کر کچھ فاصلے پر کھڑی شہلا بیگم کی جانب دیکھا تھا۔

"اپنی جس دنیا کے لیے میں پورے زمانے سے لڑ گیا۔ وہ میرے پاس ہے۔ تو میری لائف آسودہ کیوں نہیں ہوگی۔ آج کل لوگوں کے نزدیک محبت بہت عام سا جذبہ اور ٹائم پاس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن سچی محبت کرنا اور اُسے حاصل کرنا دنیا کا سب سے حسین اور انوکھا احساس ہے۔ لوگ صرف باتیں کرتے ہیں۔ مگر ہم دونوں نے تو ثابت بھی کر دیا کہ محبت کے سہارے انسان مشکل سے مشکل وقت بھی بہت سکون اور آسودگی سے گزار سکتا ہے۔"

ہمایوں شاہ کا چہرا سچی خوشی کے احساس سے جگمگایا تھا۔

زورین شہلا بیگم سے ملا تھا۔ دل بالکل اُن کا عکس تھی۔ وہ بہت محبت سے دھیمی مسکراہٹ لبوں پر سجائے زورین سے ملی تھیں۔ جہاں تک اُن سے ہو پایا تھا اُس کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

”ایسا تو بالکل نہیں ہوگا۔ کہ آپ کو اپنی بیٹیوں کی یاد کبھی نہ آئی ہو۔ آپ نے ایک بار بھی دل آویز سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا اس کی اصل وجہ جان سکتا ہوں میں۔“

زورین کافی دیر کی خوشگوار گفتگو کے بعد سنجیدہ پہلو کی جانب آیا تھا۔ اپنی بات پر اُس نے اُن دونوں کے چہروں پر سایہ سا لہراتے دیکھا تھا۔

”چچا جان آپ پر افس کر چکے ہیں مجھ سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔ میں سب کچھ سچ سننا چاہتا ہوں۔“

زورین دو ٹوک لہجے میں بولا تھا۔

”شہلا کے بڑے بھائی تنویر نے واضح طور پر ہم تک یہ دھمکی بھیجوائی تھی۔ کہ دنیا والوں کے سامنے ہم خود کو مرا ہوا ثابت کر دیں۔ ورنہ وہ ہماری بیٹی کو نقصان پہنچائے گا، اُس کی زندگی تباہ کر دے گا۔ میں اپناج اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے صرف اپنی بیٹی کی خوشی کی خاطر ہم نے گمنامی کی زندگی گزارنے کو زیادہ ترجیح دی۔ اب تو پتا چلا ہے دل کی شادی ہو چکی ہے۔ ہم بالکل بھی نہیں چاہتے ہماری حقیقت اُس کے شوہر اور سسرال والوں کے سامنے آئے۔“

بہت مشکل سے آنسوؤں کے بیچ ہمایوں شاہ نے یہ بات ختم کی تھی۔ یہ بات وہی جانتے تھے کہ اپنی بیٹیوں سے دور رہ کر وہ کس قدر تکلیف میں تھے۔

”ابھی تو آپ نے کہا۔ آپ لوگوں نے محبت کی اور اُسے حلال طریقے سے آگے بڑھایا۔ اس میں غلط کیا ہے۔ میرے خیال میں آپ کی ایسی کوئی حقیقت نہیں جو آپ کی بیٹی کو اپنے شوہر کے سامنے شرمندہ کر دے۔ ویسے آپ کی بیٹی کا شوہر اتنا بُرا بھی نہیں ہے۔“

زورین آخری جملہ ادا کرتا مسکرایا تھا۔

”بیٹا آپ جانتے ہو میری دل آویز کا شوہر کون ہے کیسا انسان ہے وہ۔“

شہلا بیگم بے قراری سے بولی تھیں۔ جب سے انہیں دل کی شادی کا پتا چلا تھا۔ یہی ٹینشن کھائے جا رہی تھی انہیں۔

”یہ تو آپ ہی بتا سکتی ہیں۔ کہ آپ کا داماد کیسا انسان ہے۔ جانتی ہیں آپ اُسے۔“

زورین کو ان دونوں کی ایکساٹمنٹ دیکھ کر بہت مزا آرہا تھا۔

”میں کیسے جانتی ہوں اُسے۔ میں سمجھی نہیں آپ کی بات۔“

شہلا بیگم کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کس طرف اشارہ کر رہا ہے۔

”زورین شاہ نام ہے آپ کے داماد کا۔ کیا آپ اب بھی نہیں جانتیں آپ اُسے۔“

زورین کی بات پر وہ دونوں ہونقوں کی طرح اُسے دیکھے گئے تھے۔

”زورین تم۔۔۔ تم ہو دل کے شوہر تم سچ کہہ رہے ہو۔“

اُن دونوں کا خوشی کے مارے بُرا حال تھا۔ اُن کو ایک دم اتنا پرسکون اور خوش ہوتا دیکھ زورین کھل کر مسکرا دیا تھا۔

”اب جلدی سے پیکنگ کریں۔ اور چلیں میرے ساتھ۔ آپ کے داماد کو آپ کی حقیقت جان کر بالکل بھی کوئی پرابلم نہیں ہے۔“

زورین کے اِس قدر خوش کن انکشاف پر شہلا بیگم نے آگے بڑھ کر اُس کی پیشانی چوم لی تھی۔ اُن کو زورین میں ایک ساتھ داماد اور بیٹا دونوں مل گئے تھے۔ زورین نے اُن سے وعدہ کیا تھا۔ وہ بہت جلد اُنہیں سلین کا بھی پتا لگوا کر دے گا۔

★★★★★★

”میں یہ قاسم سر نے بھیجی آپ کے لیے۔“

آصف نے قاسم کی بھیجی گئی نشہ آور دوا سلین کی جانب بڑھائی تھی۔

”آتم سوری میری وجہ سے اُس دن ابہتاج نے آپ کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا۔“

آصف کے چہرے پر ابھی تک ابہتاج کے اُس دن والے تھپڑ کا نشان دیکھ وہ شرمندہ ہوئی تھی۔

”ارے بھابھی یہ تو بہت معمولی تھپڑ ہے۔ آپ کے اُس جلاذ کے ہاتھوں آپ کی خاطر اس سے زیادہ بھی کھا چکا ہوں میں۔ یہ میرے ہاتھ کی اُنکلی ٹیڑھی دیکھ رہی ہیں۔ یہ اُنہی کے مرہون منت ہے۔“

اُس کے زرا سے نرمی سے پوچھتے ہی آصف پٹری سے اتر چکا تھا۔

”آج آپ مجھے بتا ہی دیں۔ یہ کس رشتے سے بھابھی لگتی ہوں میں آپ کی۔ اور میری وجہ سے ابہتاج نے آپ کو کیوں مارا۔“

سُلین کو اُس کی اُوٹ پٹانگ باتیں اچھا خاصہ تپا گئی تھیں۔

”فلحال آپ کو کچھ بھی بتا کر مجھے اپنے دوسرے گال پر نشان نہیں ڈلوانا۔ عنقریب میری شادی ہونے والی ہے۔ میں نہیں چاہتا میری دلہن میری شکل دیکھ کر ہی بھاگ جائے۔“

آصف اُس کی سیدھی بات کا اُلٹا جواب دیتا وہاں سے رفو چکر ہو گیا تھا۔

”یہ کیسا سر پھرا انسان بھیجا ہے قاسم نے میری سیکورٹی کے لیے۔ جو اپنا خیال بھی ٹھیک سے نہیں رکھ سکتا۔“

سُلین دانت پیستی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔



”اما آپ کو بھی یہ کارٹون پسند ہیں۔“

دل جو غائب دماغی کے عالم میں ٹی وی سکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ میرا کے مخاطب کرنے پر چونک کر اُس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ سامنے آتے عجیب و غریب کارٹونز دیکھ وہ مسکرا دی تھی۔

”میرا آپ کے پاپا کہاں ہیں۔“

اُس رات کے بعد سے زورین کو دل نے ایک بار بھی گھر پر نہیں دیکھا تھا۔ شاید وہ بہت زیادہ غصے میں تھا۔ مگر ابھی پورچ میں اُس کی گاڑی کھڑی دیکھ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور میرا سے پوچھ بیٹھی تھی۔

”میرے پاپا تو لندن میں ہیں۔“

میرا اپنی گڑیا کے بال ٹھیک کرتی مصروف سے انداز میں بولی تھی۔

”واٹ۔ لندن کب گئے وہ۔“

دل کو جھٹکا لگا تھا۔

”ارے آپ کو نہیں پتا۔ میرے پاپا تو ممبا کے پاس کس سے لندن میں ہی ہیں۔ میں اُن سے ویڈیو کال پر

بات کرتی ہوں۔ بہت مزا آتا ہے۔“

میرا کی بات سن کر دل حیرت زدہ سی اُسے دیکھے گئی تھی۔

”کیا نام ہے آپ کے پاپا اور ماما کا۔“

دل اس نئے انکشاف پر ششدر تھی۔

”پاپا کا نام ہے فراز اور ماما کا نام ہے ہما۔۔۔۔۔ میرے پاپا بہت اچھے ہیں اور ماما بھی۔ مگر ماما بول نہیں سکتیں۔ اور نہ ہی میری طرف دیکھتی ہیں۔“

یہ بات کہتے اُس چھوٹی سی بچی کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ ماں باپ سے دوری کتنی جان لیوا ہوتی ہے۔ یہ اُس سے بہتر بھلا کون جان سکتا تھا۔

”تو مطلب زورین شاہ آپ کے پاپا نہیں ہیں۔“

یہ سوال پوچھتے اُس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

”وہ پاپا نہیں بابا جانی ہیں میرے۔ فراز پاپا کے بیسٹ فرینڈ ہیں۔ ورلڈ کے بیسٹ بابا۔“

میرا کی باتیں اُس کا دماغ بالکل گھما گئی تھیں۔ مگر اُس کی باتوں سے جو نتیجہ وہ اخذ کر پائی تھی۔ وہ دل کے لیے کافی خوش کن تھا۔

میرا کو پیار کرتی وہ اُٹھ کر نسیمہ بیگم کے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

”کیا میں اندر آسکتی ہوں۔“

دل نے دستک دیتے اجازت مانگی تھی۔

”جی بی بی جی آپ اندر آئیں پلیز۔۔۔۔“

نسیمہ بیگم اُسے دیکھ خوشدلی سے بولی تھیں۔

”مجھے آپ سے ایک بہت اہم بات پوچھنی ہے۔ میں جانتی ہوں آپ منزہ بھابی سے بھی زیادہ زورین کے کلوز ہیں۔ آپ ہی ہیں جو میری کنفیوژن کلیئر کر سکتی ہیں۔ پلیز انکار مت کیجئے گا۔ میں بہت اُمید لے کر آئی ہوں آپ کے پاس۔“

دل کی اس طرح تمہید باندھنے پر نسیمہ بیگم پوری سنجیدگی سے اُس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔ ایک گھر میں رہتے وہ اُن دونوں کی ازدواجی زندگی کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ وہ خود بھی دل کی مدد کرنا چاہتی تھیں۔ کیونکہ اُنہوں نے پہلی بار زورین کی نظروں میں کسی کے لیے چاہت دکھی تھی۔ اُن کے اثبات میں حامی بھرنے پر دل کی ہمت مزید بڑھی تھی۔

”میرا اگر زورین کی سگی بیٹی نہیں ہے تو وہ کس کی بیٹی ہے۔ اگر اُس کے سگے ماں باپ زندہ ہیں تو وہ اُن سے الگ یہاں کیوں رہ رہی ہے۔“

دل نے ایک ہی سانس میں سارے سوالات پوچھ ڈالے تھے۔ وہ جلد از جلد یہ جان لینا چاہتی تھی۔ کہ کیا واقعی زورین نے اُس سے پہلے کسی سے شادی نہیں کی تھی۔

دل کے بے قراری بھرے لہجے پر نسیمہ بیگم مسکرا دی تھیں۔

”جی یہ سچ ہے۔ میرا زورین شاہ کی بیٹی نہیں ہے۔ اور نہ ہی انہوں نے آپ سے پہلے کسی سے شادی کی ہے۔ آپ ہی انکی پہلی اور اکلوتی وائف ہیں۔“

میرا اُن کے بیسٹ فرینڈ اور جان سے عزیز دوست فراز کی بیٹی ہے۔ فراز اور زورین شاہ لندن میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ فراز کو وہاں ایک مسلم لڑکی سے محبت ہوئی اور پھر وہیں انہوں نے شادی بھی کر لی۔ مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابھی اُن کی شادی کو دو سال ہی گزرے تھے۔ جب ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں فراز اور اُس کی بیوی بُری طرح زخمی ہو گئے۔ فراز نے تو جلد ریکور کر لیا مگر ہما کی حالت اب تک سنبھل نہیں پائی۔ وہ بچاری اتنے سالوں سے مشینوں کے سہارے سانس لے رہی ہے۔ جب یہ حادثہ پیش آیا تب میرا ایک سال کی تھی۔ فراز ہما کی دیکھ بھال میں میرا کا دھیان نہیں رکھ پارہا تھا۔ اُس کی اس مشکل گھڑی میں دوستی کا فرض نبھاتے زورین نے ہما کے ٹھیک ہونے تک میرا کی ساری ذمہ داری اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اُس وقت سے زورین میرا کو اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ اُسے بالکل سینے سے لگا کر رکھا ہوا ہے۔ اُس کے معاملے میں وہ کسی کی زرا سی بھی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتے۔“

زورین کے دوست کے بارے میں سن کر دل کو بہت دکھ ہوا تھا۔ مگر ایک بات اُس کے دل میں سکون بھر گئی تھی۔ زورین صرف اُس کا شوہر تھا۔ اُس سے زیادہ زورین پر کسی کا حق نہیں تھا۔

”جو شخص محبت نام سے بھی نفرت کرتا تھا۔ وہ بھلا شادی جیسے بندھن میں کیسے بندھ سکتا تھا۔“

نسیمہ بیگم اُس کی جانب دیکھتی دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

دل اُن کا شکریہ ادا کرتی وہاں سے نکل آئی تھی۔ بے شک زورین کو وہ خود سے بہت دور کر چکی تھی۔ مگر یہ بات اُسے آسودہ کر گئی تھی کہ زورین شاہ کی بیوی کا درجہ صرف اُسی کو ملا تھا۔ اگر نتاشا سے وہ محبت کرتا بھی تھا۔ تب بھی اُس کا مقام نتاشا سے بہت اُوپر تھا۔



”آپ کی کافی۔“

سُلیم قاسم کی بھیجی گئی نشہ آور دوا ابہتاج کی کافی میں مکس کر کے اُس کے پاس لائی تھی۔

اُسے قاسم کی ہدایت کے مطابق سارا ڈیٹا جلد از جلد ابہتاج سے حاصل کرنا تھا۔

”رکو۔۔۔ کہاں جا رہی ہو۔“

ابہتاج نے کافی کے ساتھ ساتھ سُلیم کی کلائی بھی اپنی گرفت میں جکڑ لی تھی۔

”آپ کی فیورٹ بلیک شرٹ پریس کرنے۔“

سُلیم چبا چبا کر بولی تھی۔ نوکروں کی پوری فوج گھر میں موجود ہونے کے باوجود ابہتاج کو اُس سے اپنے کام کروا کر زیادہ مزا آرہا تھا۔

”پہلے میرا سر دباؤ۔ سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“

ابہتاج نے نئی فرمائش ظاہر کی تھی۔ سُلین جل کر رہ گئی تھی۔ مگر اس وقت انکار کرنا اُس کے بس میں نہیں تھا۔

سُلین ناچار اُس کے قریب صوفے پر آکر بیٹھتی اپنے ملائم ہاتھوں سے اُس کے سر کا مساج کرنے لگی تھی۔ سُلین کا پورا دھیان اُس کے ہاتھ میں تھامے کافی کے مگ پر تھا۔ جسے وہ ایک سانس میں ہی ختم کرتا سائیڈ ٹیبل پر رکھتا سیگریٹ سلگھا گیا تھا۔

سُلین نے اُس کے اس عمل کو ناگواری سے دیکھا تھا۔ یہ شخص سیگریٹ پی پی کر تھکتا بھی نہیں تھا۔ کوئی اتنا دھواں اپنے حلق کے اندر کیسے اُتار سکتا تھا۔ ابہتاج آنکھیں موندے صوفے کی بیک سے سر ٹکائے ہوئے تھا۔

سُلین اُس کے سر کو مساج کرتی بے دھیانی میں مبہوت سی اُسے دیکھے گئی تھی۔ کھڑے مغرور نقوش سے سجا چہرہ بے پناہ وجیہہ تھا۔ ایک بار نظر ڈالنے کے بعد ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔ آنکھیں کھولے سرد سپاٹ لہجے میں بولتا وہ جس طرح جلاد بنا پھرتا تھا۔ اس وقت آنکھیں موندے نرمی سے لب آپس میں پیوست کیے وہ خاموش لیٹا سُلین کو بہت پیارا لگا تھا۔ کاش جیسا وہ نظر آتا تھا۔ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہوتا۔ سُلین اُس کے سحر میں کھوتی مساج کی جانب سے ہاتھ روک گئی تھی۔

ابہتاج کب سے اپنے اوپر سُلین کی نظریں محسوس کر رہا تھا۔ اُس کے مساج روکنے پر اُس نے سیگریٹ کا گہرا کش لیتے چہرہ سُلین کی جانب موڑتے سارا دھواں اُس کے چہرے پر چھوڑ دیا تھا۔

سُلین اس عمل کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی۔ منہ دوسری جانب موڑتی وہ کھانسنے لگی تھی۔

”یہ کیا بیہودگی ہے۔۔۔۔۔ آپ میں مینرز نام کی چیز نہیں ہے کیا۔“

سُلین ہاتھ ہلا کر چہرے کے آگے سے دھواں ہٹاتی چڑھ کر بولی تھیں۔ اور زرا سا جھک کر آگے ہوتے
ابہتاج کے ہاتھ سے سیگریٹ چھینتے ایش ٹرے میں مسل دیا تھا۔

ابہتاج کو اُس سے اتنی جرأت کی قطعی اُمید نہیں تھی۔ سیگریٹ چھیننے کی اجازت اُس نے کسی کو بھی نہیں
دی تھی۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی ایسا کرنے کی۔ اب تم ہی مجھے نیا سیگریٹ سلگھا کر دو گی۔ اور میرے منہ میں رکھو
گی۔“

ابہتاج نے اُسے بھاگنے کے لیے پر طولتے دیکھ اُس کی کلائی دبوچ کر غصے سے حکم دیا تھا۔ اُس کے اس غصے
سے مقابل کی ٹانگیں کانپنے لگ جاتی تھیں۔ مگر سُلین کو زرا فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اپنے حوالے سے ابہتاج کی
کمزوری سے آگاہ ہو چکی تھی۔ شدید غصے میں بھی اُسے سُلین کا خیال رہتا تھا۔

اوپر سے اب تو وہ اُسے نشہ آور دوا بھی دے چکی تھی۔ جس سے بہت جلد ابہتاج لغاری بے بس ہونے والا
تھا۔

”تم نے مجھ سے میرا نشہ چھینا ہے، اس کی سزا تو تمہیں ملے گی۔“

بات کرتے ابہتاج کی آواز لڑکھڑائی تھی۔ اُس پر سُلین کی دی گئی نشہ آور دوا اثر کرنا شروع کر چکی تھی۔ سُلین کی کیچر سے نکلی بالوں کی لٹوں کو اپنی مٹھی میں مقید کرتے۔ وہ اُس کا چہرہ اپنے قریب کر گیا تھا۔ سُلین اُس کی اس جسارت پر لمحہ بھر کو لرزی تھی۔

”پلیز مجھے درد ہو رہا ہے۔“

بہت مشکل سے اُس کی گرفت سے اپنے بال چھوڑاتے سلین نے فاصلہ قائم کیا تھا۔

سلین اُس کے بہت قریب بیٹھی تھی۔ کچھ دیر بعد حواس سے بیگانہ ہوتے ابہاج نے سلین کے کندھے پر اپنا سر ٹکا دیا تھا۔ ابہاج کے پرفیوم کی دلفریب خوشبو اُس کے نتھنوں سے ٹکراتی اُسے اپنے حصار میں جکڑنے لگی تھی۔ اُس کے لیے الگ ہی آزمائش شروع ہو چکی تھی۔

سُلیں نے نرمی سے ابہتاج کا سر اپنے کندھے سے ہٹا کر صوفے کی بیک پر رکھ دیا تھا۔

ایک بھر پور نظر اُس نے ابہتاج کے چہرے پر ڈالی تھی۔ اُس کے ہوش میں ہوتے تو سُلیں ایسی بہادری نہیں دیکھا سکتی تھی۔ وہ واقعی وجاہت و مردانگی کا شکار تھا۔ ایسا پاسبل ہی نہیں تھا کہ اُس سے اتنے قریب رہتے، اُس سے محبت نہ ہو پاتی۔

"جنگلی، وحشی انسان۔۔۔۔۔۔ پتا نہیں تم میں ایسا کیا ہے۔ کہ میں خود کو تمہیں چاہنے سے روک نہیں پائی۔ لائف میں شاید پہلی اور آخری بار بتا رہی ہوں۔ آئی لو یو آئی ریٹی لو یو۔ تمہاری اصلیت جاننے کے باوجود،

تم سے ہر بار نفرت کا اظہار کرنے کے باوجود نفرت کرنا تو دور کی بات۔ اپنے دل سے تمہاری محبت بھی ختم نہیں کر پائی۔ اتنا بے بس آج تک خود کو کبھی محسوس نہیں کیا۔ جتنا اس معاملے میں کر رہی ہوں۔ تم کیوں آئے میری زندگی میں۔ اور میرے دل میں اپنی محبت ڈال دی۔ تمہارے باقی جرم معاف ہو بھی جائیں مگر اس جرم کے لیے معاف نہیں کروں گی۔ یہ سوچ کر ہی دم گھٹنے لگتا ہے۔ کہ کچھ دنوں بعد جب تم میرے ساتھ نہیں ہو گے۔ تو میں کیسے رہوں گی۔“

اُس کے کان میں سرگوشی کرتے سُلین نے اُس کی چوڑی پیشانی پر بکھرے بال ہاتھ سے پیچھے ہٹاتے اُن باتوں کا اقرار کیا تھا۔ جنہیں وہ اپنے سامنے کہنے سے ڈرتی تھی۔
کیا اس شخص کو سدھارنے کی اُسے ایک کوشش کرنی چاہیے تھی۔

سُلین کے دل نے فوراً اس بات کی وکالت کی تھی۔ مگر شاید اب یہ ممکن نہیں تھا۔

ابہتاج کی گرفت سے اپنی کلائی نکالتی وہ اُس کے قریب سے اُٹھی تھی۔ اس سے پہلے کہ ابہتاج ہوش میں آجاتا یا اُس کا کوئی خاص آدمی اُسے بلانے پہنچ جاتا سُلین کو اُس سے پہلے اپنا کام پورا کرنا تھا۔

اُس کی متلاشی نظروں نے سب سے پہلے ابہتاج کا موبائل ڈھونڈنا چاہا تھا۔ ٹیبل، صوفہ اور بیڈ سمیت اُس نے ساری جگہیں چھان ماری تھیں۔ مگر موبائل اُسے کہیں سے بھی نہیں ملا تھا۔

”آخر موبائل کہاں ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔“

ڈیٹا کولیکٹ کرنے کی سب سے امپورٹنٹ چیز موبائل ہی تھی۔ ادھر ادھر نظریں دوڑاتے اچانک سُلمین کے زہن میں خیال آیا تھا۔

وہ جلدی سے ابہتاج کے قریب آئی تھی۔ ابہتاج کی پاکٹس ہی واحد جگہ رہ گئی تھی۔

ابہتاج اس وقت خلاف معمول وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس تھا۔ سُلمین نے اُس کی قمیض کی دائیں سائیڈ والی پاکٹ تو آرام سے چیک کر لی تھی۔ جس میں سے اُسے کچھ نہیں ملا تھا۔ مگر اب مسئلہ بائیں سائیڈ والی پاکٹ چیک کرنے کا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا موبائل اُسی پاکٹ میں تھا۔

ابہتاج اس رُخ پر بیٹھا تھا کہ اُس کی پاکٹ تک ہاتھ لے جانے کے لیے سُلمین کو اُس کے اوپر سے جھکنا پڑتا۔ پہلے تو سُلمین ہار مانتی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ مگر پھر اندر سے آتی آواز پر کہ وہ اُس کا شوہر، اُس کا محرم ہے۔ اور سب سے اچھی بات اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔ وہ آرام سے یہ کر سکتی ہے۔

سُلمین گہرا سانس ہوا میں خارج کرتی آگے ہوئی تھی۔ ابہتاج کے کندھے پر ہاتھ جما کر دوسرا ہاتھ اُس کی پاکٹ میں ڈالتے موبائل نکال لیا تھا۔ اس چکر میں اُس کے ہونٹ ابہتاج کے سینے سے ٹچ ہوئے تھے۔ مگر فحاح وہ اس سب پر دھیان نہیں دے رہی تھی۔ اُس کی ساری توجہ ایک ہی جانب مرکوز تھی۔ یہی سب ابہتاج کے ہوش میں ہوتے کرنے کا سوچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی وہ۔

موبائل اوپن کرتے اُس نے سارا ڈیٹا اپنے موبائل میں شفٹ کیا تھا۔ اُس کے بعد اُس کا اگلا اٹیک ابہتاج کے لیپ ٹاپ پر تھا۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ابہتاج لغاری جیسے انسان کو یوں بے سدھ کر کے اُس کی اتنی امپورٹنٹ انفارمیشن چرائی جاسکتی تھی۔

یہ پلان سُلین کو سمجھاتے قاسم کو بالکل بھی اُمید نہیں تھی۔ کہ وہ واقعی میں ایسا کر گزرے گی۔ فائلز کی پکچرز لیتے سُلین کو خود پر کسی کی نظریں محسوس ہوئی تھیں۔ اُس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر خوف کے عالم میں ابہتاج کی جانب دیکھا تھا۔ مگر اُسے اُسی طرح اپنی جگہ ساکت پڑا دیکھ سُلین واپس اپنے کام کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ سارا ڈیٹا لے کر سُلین نے ساری چیزیں واپس جگہ پر رکھ دی تھیں۔ اب باری موبائل رکھنے کی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی ابہتاج کو بعد میں اُس پر کسی قسم کا شک ہو سکے۔

اُس کا ایک بازو ہی جگہ سے ہٹاتے سُلین پسینے سے شرابور ہوئی تھی۔ اُس نے جھک کر پاکٹ میں موبائل رکھتے واپس سیدھا ہونا چاہا تھا۔ جب ابہتاج کا بازو اُس کے کندھے پر آن گرا تھا۔ وہ ایک طرح سے اُس کے سینے سے لگتی اُس کے حصار میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

ابہتاج کی گرم سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کرتے سُلین کا دل لرزنے لگا تھا۔ یہ شخص اپنے حواسوں میں نہ ہوتے ہوئے بھی اُسے حواس باختہ کر گیا تھا۔

”ابہتاج لغاری یہ اتنا وزنی بازو کسی انسان کا تو ہو نہیں سکتا۔ پتا نہیں کھاتے کیا ہیں آپ۔“

سُلین اُس کے حصار سے نکلتے بُری طرح ہانپ گئی تھی۔

وہ صوفے سے اُٹھنے ہی والی تھی جب اُسے اپنی کلائی ابہتاج کی گرفت میں قید محسوس ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے سُلین کا خون خشک ہوا تھا۔ اگر وہ ہوش میں تھا۔ اور اُس کی ساری کاروائی ملاحظہ کرچکا تھا تو اب اُس کی خیر نہیں تھی۔

”کہاں جا رہی ہو مجھے چھوڑ کر۔۔۔“

ابہتاج کی نشے میں ڈوبی آواز سُلین کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اُس کی جان میں کچھ جان آئی تھی۔ وہ یہ کیسے بھول گئی تھی کہ اُس نے ابہتاج کو نشہ آور دوا دی ہے۔ وہ کچھ دیر کے لیے بے ہوش ہوا تھا۔ اب بیدار تو ہو چکا تھا۔ مگر ہوش میں اب بھی نہیں تھا۔

”میں کہیں نہیں جا رہی۔ آپ پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں۔“

ابہتاج نے ہمیشہ اُسے بہت نرمی سے چھوا تھا۔ مگر اس وقت اُس کی گرفت اتنی سخت تھی۔ کہ سُلین کو اپنی کلائی میں درد ہوتا محسوس ہوا تھا۔

”تم کہیں جا بھی نہیں سکتی۔ اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میں سب کچھ تباہ و برباد کر دوں گا۔“

ابہتاج دور جاتی سُلین کو جھٹکے سے اپنے سینے پر گراتا لال آنکھیں اُس کے چہرے پر گاڑتے بولا تھا۔ نشے کی حالت میں بھی اُس کی ایسی شدت پسندی پر سُلین فکر مند ہوئی تھی۔ آنے والے وقت سے اُسے ڈر لگنے لگا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہو گا۔“

سُلین اُس کے سینے سے اُٹھنے کی کوشش کرتے کمزور سی آواز میں بولی تھی۔

”تم مجھے کبھی دھوکا نہیں دو گی۔“

ابہتاج نے اپنے کنٹرول کھوتے ہاتھوں سے سُلین کے کبچر سے نکلے بالوں کو کان کے پیچھے اڑاسا تھا۔ جس چکر میں ابہتاج کی اُنکلی نے اُس ے گال اور کان کی لوح کو ٹچ کیا تھا۔ سُلین اُس کے شدت بھرے لمس پر کانپ سی گئی تھی۔

”نہیں کبھی نہیں۔“

سُلین نے اُس کے ساتھ بیٹھ کر یہ الفاظ ادا کرتے خود سے بھی نظریں چرائی تھیں۔

”کبھی سوچنا بھی مت۔ ورنہ ابہتاج لغاری میں یہ تھوڑی سی انسانیت بھی ختم ہو جائے گی۔ میرے اندر کی درندگی کو تمہی نے سلایا ہے۔ اور جگا بھی تم ہی سکتی ہو۔“

ابہتاج یہ الفاظ ادا کرتا اپنا چہرہ اُس کی گردن میں چھپا گیا تھا۔ سُلین نے آنکھیں موند کر اُس کے لمس کی سختی کو برداشت کیا تھا۔



”ایک سکنڈ میں کر دیا نا پرایا مجھے۔ زمین آپنی کو خاموشی سے رخصتی بھی کر دی۔ اور اب سویرا کی بھی شادی ہو رہی۔ مجھے کسی نے بتایا تک نہیں۔ اس سویرا کو تو میں چھوڑوں گی نہیں کتنی گھنی میسنی نکلی یہ۔“

دل صوفیہ کے منہ سے اچانک طے پانے والی سویرا کی شادی کا سن کر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے بولی تھی۔

”دل تم یہاں آ جاؤ۔ میں تمہیں سب بتا دوں گی۔ گھر کے حالات ٹھیک نہیں رہے۔ پتا نہیں تایا ابو کو ہو کیا

گیا ہے۔ وہ ایسے ہی جلد بازی میں فیصلے کرتے آرہے ہیں۔ اُن کے نزدیک اب صرف امیر دولت جائیداد کا

مالک شخص ہی داماد بنانے کے لائق ہے۔ پھر چاہے وہ شرابی ہو، شادی شدہ بچوں کا باپ ہو یا ادھیڑ عمر

شخص۔ اُنہیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اُن کے لیے اب بس یہی شرط ہے۔ کہ لڑکے کے پاس پیسے ہونے

چاہئے۔ زمین والا معاملہ تو تمہارے سامنے ہی ہے۔ وہ تو شکر ہے تم نے اور زمین بھائی نے مل کر اُنہیں

بچالیا۔ مگر اب سویرا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا۔ وہ اس شادی پر بالکل بھی خوش نہیں ہے۔“

صوفیہ آنسوؤں کے درمیان اُسے ساری کہانی سنا گئی تھی۔

جبکہ اُس کا دل اپنی عزیز کزن کے لیے پریشان ہو اُٹھا تھا۔ آخر اُن کے بڑوں کو ہو کیا گیا تھا۔ اُسے انہوں

نے ہمیشہ سوتیلا سمجھا تھا۔ مگر سویرا اور زمین تو اُن کی سگی اولادیں تھیں۔ کیا پیسہ اُن کی بیٹیوں کی خوشحال

زندگی کی ضمانت ہو سکتا تھا۔

دل نسیمہ بیگم کو آگاہ کرتی فوراً زکریا منزل کے لیے نکل گئی تھی۔



سُلین شاور لے کر نکلی تھی۔ جب ابہتاج کو ہوش میں آتا دیکھ اُس کا دل لمحہ بھر کو کانپ گیا تھا۔ اگر اُسے زرا سا بھی شک پڑ جاتا تو سُلین کی خیر نہیں تھی۔

وہ خود کو اُس سے انجان ظاہر کرتی ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئی تھی۔ مگر نظریں ابہتاج پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔ جو پوری طرح فون پر مصروف تھا۔

لیکن سانسیں تو اُس کی تب رکیں۔ جب ابہتاج گہری نظروں سے اُس کی جانب دیکھتا اُس کے عین پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔

مرر میں اب دونوں کا عکس واضح تھا۔ سُلین دراز قد ہونے کے باوجود بھی اُس کے کندھے تک آتی تھی۔
”یہ تم نے کیا۔“

ابہتاج اپنے سینے پر موجود نشان کی جانب اشارہ کرتے اُس سے پوچھنے لگا تھا۔ سُلین نے نظریں اٹھا کر جیسے ہی اُس جانب دیکھا۔ شرم کے مارے اُس کا چہرہ سرخی مائل ہوا تھا۔ اُس کی لپسٹک کے ہونٹ کی شپ کے نشان ابہتاج کے سینے کے مقام پر بنے ہوئے تھے۔ اُس کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ وہ بھلا اتنی بڑی ڈفر کیسے ہو سکتی تھی۔

”مجھے کیا پتا۔ پلیز میں ایسی چھچھوری حرکتیں نہیں کرتی۔ کیا ہو گا آپ کی کسی گرل فرینڈ نے یہ کارنامہ۔“
سُلین خود کو کمپوز رکھنے کی کوشش کرتی صاف انکاری ہوئی تھی۔

”ایکسیوزمی۔ میں کل رات کو گھر سے باہر کہیں نہیں گیا۔ میری گرل فرینڈز میرے گھر نہیں رہتیں۔“

ابہتاج اُسے کلائی سے پکڑ کر اپنی جانب موڑتے بولا۔ جو اس وقت فریش پنک کمر کے سوٹ میں بالوں سے شبنم کے قطرے پڑکتی اُسے بھی خاصہ فریش کر گئی تھی۔

”اوہ تو مطلب گرل فرینڈز ہیں آپ کی۔ اُس دن جو لڑکیاں اُس گھر سے نکل رہی تھیں۔ وہ آپ کی گرل فرینڈز تو نہیں تھیں۔“

سُلین نے بہت چالاکی کا مظاہرہ کرتے بات بدلنی چاہی تھی۔

”اپنی گرل فرینڈز کی لسٹ تمہیں بعد میں سناؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ۔ تمہاری گردن پر کیا ہوا۔“

ابہتاج نے سُلین کی گردن سے بال پیچھے ہٹاتے وہاں سرخ ہوئے حصے کو دیکھا تھا۔

سُلین کا اُس وقت شرم سے ڈوب مرنے کو دل چاہا تھا۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی کچھ بول ہی نہیں پائی تھی۔ اُسے کیا بتاتی کہ یہ اُسی کی مہربانی تھی۔

”کہیں رات کو تم کسی خاص مشن پر تو نہیں تھی۔“

ابہتاج نے اُس کی گردن کو نرمی سے سہلاتے عام سے لہجے میں پوچھا تھا۔ سُلین نے گھبرا کر نظریں اٹھائی تھیں۔

”مذاق کر رہا ہوں۔ شاید یہ سب میری کسی گرل فرینڈ نے ہی کیا ہو۔“

جھک کر اُس کی گال پر بوسہ دیتا شرارت سے آنکھ دباتا وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”اُف اللہ جی کیا ہے یہ شخص۔ جان نکال کے رکھ دیتا ہے۔ شکر ہے اسے پتا نہیں چلا۔“

سُلمین دل پر ہاتھ رکھتی بے قابو ہوتی دھڑکنوں کو نارمل کرنے لگی تھی۔



”زورین بھائی آئیں گے؟ بات ہوئی اُن سے۔“

سویرا صبح سے نجانے کتنی بار یہ بات اُس سے پوچھ چکی تھی۔

”ہاں کہہ رہے تھے کوئی امپورٹنٹ میٹنگ ہے۔ مگر آنے کی کوشش ضرور کریں گے۔“

دل اُسے ایسے ہی من گھڑت جوابوں سے بہلا رہی تھی۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اُس نے ایک بھی زورین کو کال کرنا تو دور میسج بھی نہیں کیا تھا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ اتنی مرجھائی سی کیوں لگ رہی ہو۔ تمہاری شادی ہے آج خوش ہونا چاہئے تمہیں۔ یہ دن روز روز تھوڑی نا ہوتا۔“

دل دلہن بنی سویرا کا اترا چہرہ دیکھ فکر مندی سے بولی تھی۔

”کاش ایسا دن کبھی نہ آئے۔“

سویرا بھرائی آواز میں بولی تھی۔ دل اُٹھ کر اُس کے قریب آئی تھی۔

”سویرا۔۔۔۔“

اُس نے سویرا کو تسلی دینی چاہی تھی۔

”دل پلینز کچھ دیر کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“

نیچے سے بارات کی آمد کا شور سنتے سویرا اُس کی بات ٹوکتی سرد لہجے میں بولی تھی۔

دل اُس کی کیفیت سمجھتی خاموشی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔

نیچے فنکشن میں انٹر ہوتے دل کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ زورین اپنی چارمنگ پر سنیلٹی کے ساتھ پوری محفل پر چھایا ہوا تھا۔ بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس چہرے پر مسکراہٹ طاری کیے وہ تنویر صاحب کے پاس کھڑا تھا۔

دل اُسے یہاں دیکھ بہت خوش ہوئی تھی۔

زورین نے بھی باتوں کے دوران نظر اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔ شدید ناراضگی کے باوجود وہ کچھ پل کے لیے اُس کے قیامت خیز روپ سے نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔

مہرون اور گولڈن کنٹراسٹ کے شارٹ کا مدار بھاری فراک کے نیچے کیپری پہنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھ کر اُسے خوبصورت بیٹس سے سجائے۔ بھاری بڑا سا دوپٹہ ایک طرف کندھے اور بازو پر گرائے وہ

حُسن کا شاہکار معلوم ہو رہی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر سچی ریڈ لپسٹک اور گالوں پر پھیلی لالی زورین کا ایمان خراب کر گئی تھی۔ سب سے بڑا ظلم اُس پر یہ تھا۔ کہ وہ اپنی بیوی کو سراہ بھی نہیں سکتا تھا۔

دل اُس کے قریب آن کھڑی ہوئی تھی۔ مگر بولی کچھ نہیں تھی۔ اُس دن کے جھگڑے کے بعد آج وہ دونوں آمنے سامنے ہو رہے تھے۔ زورین نے بھی اُسے مخاطب نہیں کیا تھا۔

دل کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ کیسے مخاطب کرے اُسے۔

”تایا ابو وہ ---- وہ سویرا اپنے روم میں نہیں ہے۔“

صوفیہ نے اُن کے قریب آ کر سب کے سروں پر بم پھوڑا تھا۔

”کیا بکواس کر رہی ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا سب جگہ چیک کرو تم۔“

تنویر صاحب کے تو جیسے ہاتھ پھیر پھول گئے تھے۔

دل سمیت باقی سب کا بھی یہی حال تھا۔ سوائے زورین کے، جو اُن سب کی حالت سے محظوظ ہوتا چہرے پر مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔

اگلی کچھ دیر میں اُن سب نے مل کر گھر کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ مگر سویرا اُس گھر میں موجود ہوتی تو ملتی نا۔

”بچارے، قسمت ایک بار پھر ان کے ساتھ وہی دوہرا رہی ہے۔ جو بہت سالوں پہلے ہوا تھا۔“

زورین کے الفاظ جتنے افسوس بھرے تھے اُس کے لہجے اور چہرے پر اُس سے دوہری خوشی موجود تھی۔ دل ٹھٹھک کر اُس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

”آپ جانتے ہیں سویرا کہاں ہے۔“

دل نے کسی خیال کے تحت اُس کی جانب مُرتے پوچھا تھا۔

”سویٹ ہارٹ تم اِس معاملے سے دور رہو۔ اور خاموشی سے کھڑے ہو کر اُن لوگوں کا تماشا دیکھو۔ جنہوں نے اب تک ہمارے پیرنٹس کی زندگیوں کے ساتھ کھیلا ہے۔“

زورین نرمی سے اُس کا گال تھپتھپاتا باقی سب کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”ہیلو لیڈیز اینڈ جینٹل مین۔ ایک امپورٹنٹ اناؤنسمنٹ کرنی تھی۔ انفارچونیلٹی اب یہ شادی تو نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دلہن تو بھاگ گئی ہے۔ کیوں ٹھیک کہانا میں نے تنویر صاحب۔“

زورین اُونچی آواز میں بولتا وہاں موجود لوگوں میں کھلبلی سی مچا گیا تھا۔ دل سمیت باقی سب گھر والے شک کی کیفیت میں زورین کو دیکھ رہے تھے۔

”زورین بیٹا یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ پلیز ہمارا تماشا مت بنوائیں۔“

رقیہ بیگم جلدی سے زورین کے قریب آتے ہاتھ جوڑتے منت بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

”کیوں آپ کو صرف دوسروں کا تماشا بنانے میں ہی مزا آتا ہے کیا۔ زرا آج خود بھی تماشا بننے کا مزا چکھیں نا۔

اور تنویر صاحب کیا آپ اپنی بیٹی کے اتنے بڑے جرم پر اُس کا بھی وہی حال کریں گے جو اپنی بہن کا کیا تھا۔ یا بیٹی کو تھوڑی سے رعایت مل جائے گی۔ اوہ سوری اس بارے میں تو بعد میں بات کرتے ہیں۔ پہلے آپ ان انکل جی کو اُن کے پیسے تو واپس کر دیں جو آپ نے اپنی معصوم بیٹی کی شادی اس چار بیویوں والے شرابی سے کرنے کے لیے لیے ہیں۔“

زورین کے الفاظ نے وہاں موجود تمام افراد پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک باپ پیسے کی خاطر اس حد تک گر سکتا ہے۔

”یہ جھوٹ ہے الزام لگایا جا رہا ہے مجھ پر۔ میں نے صرف ایک امیر آدمی سے اپنی بیٹی کی شادی کروا کر اُسکا مستقل محفوظ کرنا چاہا تھا۔ میں نے کسی سے کوئی پیسے نہیں لیے۔“

تنویر صاحب سب کی نظریں خود پر محسوس کرتے اپنی صفائی میں چلائے تھے۔

”اچھا تو نے بے وقوف سمجھ رکھا ہے مجھے۔ پچاس لاکھ روپیہ اپنی بیٹی سے نکاح کروانے کے عوض ہی بٹورا تھا نا تو نے۔ نکال میرے پیسے ورنہ ابھی کہ ابھی پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ میری پہنچ سے اچھی طرح واقف ہے توں۔“

دولہے کی شیروانی پہنے کھڑا وہ تنویر صاحب سے چند سال چھوٹا شخص اُن کے ایک دم پیسوں سے مکر جانے پر غصے سے قریب آتے بولا تھا۔ اور ساتھ ہی پولیس کو کال ملا دی تھی۔

”زورین بیٹا پلیز مدد کرو میری۔ میں تمہیں بعد میں سب کچھ بتاؤں گا۔ پلیز اس وقت میری مدد کرو۔“
تنویر صاحب ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑاتے زورین کے سامنے آئے تھے۔

دل اذیت کے زیرِ اثر یہ سب دیکھ رہی تھی۔

”اوکے اوکے تنویر صاحب میں آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ پچاس لاکھ کیا میں بلینک چیک کاٹ کر دینے کو تیار ہوں۔ مگر میری ایک شرط ہے، آپ کو پہلے میرے پرنس مجھے واپس لا کر دینے ہونگے جنہیں کار ایکسیڈنٹ میں بے دردی سے مروا دیا تھا تم نے اور تمہاری اس بہن نے۔“

زورین بات کے اختتام پر اس قدر زور سے دھاڑا تھا۔ کہ وہاں موجود ہر شخص اُس کی جنونی کیفیت دیکھ سہم گیا تھا۔

”کیا ہوا بھول گئے۔ میں یاد دلا دیتا ہوں۔ سکندر شاہ کا بیٹا اور ہمایوں شاہ کا بھتیجا ہوں۔ جن کی ایک چھوٹی سی غلطی پر تم نے اُن سے جینے کا حق چھین لیا۔ اُن کی اولاد اُن کا سب کچھ چھین لیا۔ اُن کی زندگیاں برباد کر کے رکھ دیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے۔ تمہیں تمہارے کرموں کی سزا کبھی نہیں ملے گی۔ ایسے ہی بچ جاؤ گے تم۔ اور معاشرے کے سامنے ایک معزز شخصیت بن کر رہو گے۔ مگر تمہاری اوقات تو دیکھ لی ہوگی نا آج

سب نے۔ تمہاری اپنی اولاد تمہاری عزت دو کوڑی کی کر کے چلی گئی۔ اب اُس کو مارنے بھی اُس کے پیچھے جاؤ گے۔ اُس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرو گے جو اپنی معصوم بہن کے ساتھ کیا تھا۔“

زورین کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ابھی کھڑے کھڑے اس شخص کے ٹکڑے کر دے جس نے اُس کے خاندان کو برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

”زورین بیٹا آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ۔۔۔۔۔“

رقیہ بیگم نے معاملے کو سنبھالنے کی ایک آخری کوشش کی تھی۔ مگر زورین کی دھاڑ اُن کی بھی بولتی بند کر گئی تھی۔

”آپ جیسی بہن سے تو ڈائن ہزار گنا بہتر ہے۔ کوئی اتنا سفاک اور خود غرض کیسے ہو سکتا ہے۔ اپنے مفاد کی خاطر اپنی سگی بہن کو اُس اندھے کنویں میں دھکیلنا چاہا۔ جہاں آپ خود کھل کر سانس نہیں لے پارہی تھیں۔ جب اُس نے انکار کیا اور اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کی خاطر بغاوت کی تو اُس کو دوہرے عذاب میں مبتلا کر دیا آپ نے۔“

زورین کے منہ سے ساری حقیقت سنتے دل سے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ چکراتے سر کے ساتھ لڑکھرائی تھی۔ جب زورین نے جلدی سے اُس کی جانب بڑھتے اُسے تھام لیا تھا۔

”دل کے ساتھ آج تک آپ نے جو سلوک کیا ہے۔ اُس سب کا حساب دینے کا وقت آگیا ہے آپ لوگوں کا۔ اب میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔“

دل کو اپنے مضبوط حصار میں مقید کرتے وہ شعلہ لپکتی نظروں سے اُن سب کو گھورتے بولا تھا۔

اُسی لمحے پولیس اندر داخل ہوئی تھی۔ جنہیں زورین پہلے ہی سب کچھ سمجھا چکی تھی۔ اور اتنے دنوں کی کوششوں کے بعد جو ٹھوس ثبوت اُس کے ہاتھ لگے تھے۔ اُن کی بنا پر تنویر صاحب اور رقیہ بیگم کو بہت لمبی سزا ملنی تھی۔

”زورین بیٹا پلیز ایک بار ہماری بات تو سنو۔ ہمیں ایک بار صفائی دینے کا موقع دے دو۔ ہم بے قصور ہیں۔ دل میری بچی تم تو جانتی ہو نا میں اُوپر سے غصہ کرتی تھی تجھ پر۔ مگر میں دل کی بُری نہیں ہوں۔ ورنہ زورین جیسا جیون ساتھی کیوں چنتی تمہارے لیے۔“

رقیہ بیگم نے دل کے آگے فریاد کی تھی۔ مگر اُن کی اصلیت جاننے کے بعد دل کو اُن کی صورت سے بھی نفرت ہو چکی تھی۔ زورین کے سینے پر سر ٹکاتے اُس نے اُن کی جانب سے رُخ موڑ لیا تھا۔

اُن کی آہو بکا کسی کام نہیں آئی تھی۔ پولیس اُن دونوں کو وہاں سے کے جا چکی تھی۔ جس گھر میں کچھ دیر پہلے خوشیوں کی شہنائی بج رہی تھی۔ وہاں اِس وقت ماتم چھا چکا تھا۔

لوگ اُن پر تھو تھو کر رہے تھے۔ کچھ جاچکے تھے اور کچھ ابھی مزید تماشہ دیکھنے کے خواہاں وہاں کھڑے ہوئے تھے۔

”دو دن ہیں تم لوگوں کے پاس۔ یہ گھر خالی کر دو۔ ورنہ میں خود اُٹھوا کر باہر پھینکوا دوں گا تم لوگوں کو۔“

زورین اُن سب پر قہر برساتی نظر ڈالتا دل کو لیے وہاں سے نکل گیا تھا۔



”میں نے سارا ڈیٹا آپ کو میل کر دیا ہے۔ آپ پلیرز جلدی کوئی حل نکالیں میں اب مزید اس شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔“

سُلین ابہتاج کی فرمائش پر سچی سنوری اب چوڑیاں پہن رہی تھی۔ اُس نے آج زندگی میں پہلی بار چوڑیاں پہننی تھیں۔ اُسے چوڑیاں بالکل بھی پسند نہیں تھیں۔ مگر ابہتاج لغاری نے اب تک کہاں اُس کی چلنے دی تھی جو اب چلنے دیتا۔

”ویلڈن۔ مجھے آپ سے یہی اُمید تھی۔ آپ فکر مت کریں میں بہت جلد آپ کو وہاں سے نکال لوں گا۔“
قاسم جلدی سے بات ختم کرتا گلشن آرا کے اشارے پر لیپ ٹاپ کی جانب بڑھا تھا۔

”اُف کیا مصیبت ہے۔ اچھا بھلا ریسٹورنٹ چلا رہی تھی۔ سادہ سی لائف تھی میری۔ یہ کہاں پھنس گئی میں۔“

سُلین ساری چوڑیوں سے بھری کلائیاں دیکھ چڑھ کر بولی تھی۔

ابہتاج نے اُسے آج کہیں لے کر جانا تھا۔ جس کی وجہ سے خاص طور پر اُس کی خواہش پر سُلین نے گرے کلر کا نفیس سے کام سے سجا گرے فراک پہنا تھا۔ بالوں کو آگے سے پن اپ کر کے کمر پر آزاد چھوڑے وہ حُسن کا مجسمہ معلوم ہو رہی تھی۔ اُس کی سادگی پر فدا ہو اُٹھنے والے ابہتاج لغاری کی خیر نہیں تھی۔

سُلین نیٹ کے گرے ایمرانڈری سے مزین دوپٹہ کو اچھے سے سر پر سیٹ کرتی باہر کی جانب بڑھی تھی۔ اُس نے نیچے آتے ابھی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہے تھا۔ جب ڈرائنگ سے آتی ابہتاج کی چنگارتی آواز پر اُس کا دل دہل گیا تھا۔

"اُف اللہ جی یہ شخص پھر کس پر برس رہا ہے۔ دوسروں پر چلانے اور سزا دینے کے علاوہ اسے کچھ آتا ہے کیا۔"

سُلین تپ کر سوچتی اُسی جانب بڑھی تھی۔ مگر سامنے کا منظر دیکھ ایک پل کے لیے اُس کے قدم زمین میں جکڑ چکے تھے۔ سامنے کھڑی لڑکی زار و قطار روتی ابہتاج کے پیروں پر جھکی اُس سے معافی مانگ رہی تھی۔ جبکہ ابہتاج اُسے دور جھٹکتا وہاں کھڑے گارڈز کو اُسے اٹھا کر باہر پھینکنے کا حکم دینے لگا تھا۔ سُلین کو یاد آیا تھا۔ اس لڑکی کو وہ پہلے بھی یہاں دیکھ چکی تھی۔

سُلین کو ابہتاج کی اس بے رحمی پر شدید غصہ آیا تھا۔ جس پر قابو نہ رکھ پاتے وہ آگے بڑھی تھی۔

”ایک منٹ۔۔۔۔ کیا ہو رہا ہے یہ سب۔ آپ کے لڑکی کے ساتھ ایسا بی ہیویر کیسے رکھ سکتے ہیں۔ خبردار جو آپ لوگوں میں سے کسی نے انہیں ہاتھ بھی لگایا تو۔“

سُلمین اُس لڑکی کی ڈھال بنتی اُس کے آگے جا کر کھڑے ہوتے ابہتاج کے گارڈز کو اُنکی اُٹھا کر وارن کرتے بولی تھی۔

”سُلمین بہتر ہو گا تم اِس معاملے سے دور رہو۔ تم جاؤ اپنے روم میں۔“

ابہتاج لب بھینچتے بہت مشکل سے اپنے غصے پر قابو پاتا سُلمین سے مخاطب ہوا تھا۔

”نہیں جاؤں گی۔ اور آپ یہ غصہ کر کے باقی سب کو تو خوفزدہ کر سکتے ہیں۔ پر مجھے نہیں۔ میں بھی مسز ابہتاج لغاری ہوں نہیں ڈرتی آپ سے۔“

سُلمین ابہتاج کے مقابل آتی اُسے اپنی پاور سے آگاہ کرتے بولی تھی۔ اُس کے اِس کے جملے نے ابہتاج کی بولتی بند کر دی تھی۔ وہ اِس چھٹانک بھر کی لڑکی کی ہمت اور زہانت کو داد دیئے بنا نہیں رہ پایا تھا۔ عین وقت پر کیا بول کر اُسے کنٹرول کرنا ہے وہ اچھی طرح جان گئی تھی۔

”بھابھی آپ پلیز میری وجہ سے بھائی سے مت لڑیں۔ میں تو صرف یہاں اُن سے معافی مانگنے آئی تھی۔ مگر وہ تو میری شکل دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔“

نیہا اپنی وجہ سے اُن دونوں کو آمنے سامنے آتا دیکھ جلدی سے بول پڑی تھی۔ وہ سُلمین کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ اور ابہتاج کے نزدیک اُس کی اہمیت سے بھی آگاہ تھی۔

اُس لڑکی کے بھابھی کہنے پر سُلین حیران ہوئی تھی۔ آصف نے بار بار اُسے بھابھی کہہ کہہ کر اُس کے کان پکا دیئے تھے۔ یا واقعی اِس لڑکی نے بھی اُسے بھابھی ہی بولا تھا۔

”آپ کون ہیں۔“

سُلین ابہتاج کی سُرخی پڑتی آنکھوں کی پرواہ کیے بغیر نیہا کے قریب آتی نرمی سے بولی تھی۔

”میری سوتیلی بہن ہے یہ۔ جس سے میں بے پناہ نفرت کرتا ہوں۔ اِس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ دھوکے باز ہے یہ۔ میری لائف میں دھوکے بازوں کی کوئی جگہ نہیں۔ میں لائف میں ہر انسان پر صرف ایک بار ہی ٹرسٹ کرتا ہوں۔ ایسے لوگوں کو بار بار موقع دینا پسند نہیں مجھے۔“

نیہا کے بولنے سے پہلے ہی ابہتاج کا نفرت میں ڈوبا لہجہ سُلین کی سماعتوں سے ٹکراتا اُسے ساکت کر گیا تھا۔ اُس کا دل انجانے خوف سے زور سے دھڑکا تھا۔

نیہا نے دکھ بھری نظروں سے سامنے کھڑے اپنے جان سے عزیز بھائی کو دیکھا تھا۔ آج زندگی میں پہلی بار ابہتاج نے اُسے اپنی سوتیلی بہن کہا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھوں سے خود پر جان چھڑکنے والا بھائی کھو دیا تھا۔ اتنے سال گزر گئے تھے اُس واقع کو مگر اب تک ایک گھڑی کے لیے بھی اُس کا دل پرسکون نہیں ہو پایا تھا۔

”میں جانتا ہوں تمہیں یہاں تمہاری ماں نے پھر ایک نئی سازش سے بھیجا ہے۔ مگر اب کی بار تم لوگ مجھے ایمو شنلی ویک سمجھنے کی غلطی کر کے خود کا ہی نقصان کرو گے۔“

ابہتاج سُلین کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا۔ اُس پر ایک قہر بھری نظر ڈالتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

”میں نے ہمیشہ کے لیے اپنے بھائی کو کھو دیا۔ اُن کے پیار کا مان نہیں رکھ پائی میں۔“

نیہا کی قابلے رحم حالت دیکھ سُلین کو اُس پر بہت ترس آیا تھا۔ مگر وہ اُس کی فلاح کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔

”آپ پلیز روئیں مت۔ یہ شخص ہے یہ ایسا۔ اپنے علاوہ کسی کی فیلنگز نظر نہیں آتیں اسے۔ یہ میرا کارڈ رکھ لیں۔ اور بعد میں مجھ سے کانٹیکٹ ضرور کیجیے گا۔“

سُلین اُس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولی تھی۔

”نہیں میرے بھیا بُرے نہیں ہیں۔ دنیا کے سب سے اچھے اور محبت کرنے والے انسان ہیں وہ۔ اُنہیں اگر ایسا پتھر ہم لوگوں نے بنایا ہے۔ اُن کے اپنے خونی رشتوں نے۔ ہم سب نے اُن کا اس بُری طرح سے اعتبار توڑا ہے۔ اُنہیں اتنا ہرٹ کیا ہے کہ اب دنیا میں کسی پر بھی بھروسہ کرنا بہت مشکل ہے اُن کے لیے۔“

آپ بہت خوش نصیب ہیں کہ وہ آپ پر یقین کرتے ہیں۔ پورا بھروسہ ہے اُنہیں آپ پر۔ آپ کبھی اُن کا یقین مت توڑیے گا ورنہ اب کی بار اُن کا جڑ پانا ناممکن ہو جائے گا۔ آپ جن لوگوں کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہیں۔ جن کو بہت اچھا سمجھ رہی ہیں۔ حقیقت میں وہ ایسے بالکل بھی نہیں ہیں۔ پلیز سوچ سمجھ کر عقلمندانہ فیصلہ کیجیے گا۔“

نیہا اُسے مخلصانہ مشورے سے نوازتی وہاں سے نکل گئی تھی۔



”اِس بے موسمی برسات کی وجہ جان سکتا ہوں میں۔ اب اگر تم چپ نہ ہوئی تو میں تمہیں گاڑی سے اُتار دوں گا۔“

زورین دل سے سخت ناراض تھا۔ اور کوئی بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اُسے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد مسلسل روتا دیکھ زورین کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

”تو اُتار دیں انتظار کس بات کا کر رہے ہیں۔ ویسے بھی میں جانتی ہوں میرا وجود صرف بوجھ ہے آپ پر۔“
دل اُس کی دھمکی پر چڑھ کر بولی تھی۔

”سویرا پتا نہیں کس کے ساتھ گئی ہے۔ نجانے کس حال میں ہوگی وہ۔“

دل ہولے سے بڑبڑائی تھی۔ مگر اُس کی آواز زورین کی سماعتوں تک با آسانی پہنچ گئی تھی۔

”بالکل ٹھیک ہے وہ۔ میں نے ہی ہیلپ کی ہے اُس کو بھگانے میں۔ ابھی تھوڑی دیر میں اُس کا نکاح ہے۔
وہیں جارہے ہیں ہم۔ لیکن اگر تم اِسی طرح آنسو بہاتی رہی تو میں گاڑی واپس موڑ لوں گا۔“

زورین کو دل کے آنسوؤں سے تکلیف ہو رہی تھی۔ ساری زندگی بہت درد جھیلا تھا اُس نے۔ وہ اب مزید اُسے روتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس کا قریب آنا دل کو پسند نہیں تھا۔ اِس لیے وہ اب دور سے ہی اُسے دھمکی آمیز لہجے میں رونے سے باز رکھ رہا تھا۔

”آپ۔۔۔۔۔ آپ نے مدد کی سویرا کی۔ وہ بھی بھاگنے میں۔“

دل کو گہرا دم شاک لگا تھا۔

”آپ کے مطابق تو محبت دنیا کا سب سے جھوٹا جذبہ ہے۔ تو پھر یہ اچانک کیا ہو گیا۔ اوہ سچ میں تو بھول ہی گئی۔ آپ کو بھی تو نتاشا سے محبت ہے۔ اِسی لیے اب آپ محبت کا درد سمجھتے ہوں گے۔“

دل پہلے خود ہی سوال کر کے پھر اُس کا جواب دیتی زورین کو بہت کیوٹ لگی تھی۔ وہ اِس وقت لگ بھی اتنی پیاری رہی تھی۔ کہ زورین کا دل ہی جانتا تھا۔ وہ کیسے خود پر ضبط کے پہرے جمائے بیٹھا ہے۔

”ہممہ سہی کہا تم نے۔ محبت کا بہت گہرا درد ملا ہے مجھے۔ اُسی نے ہی تو مجھے باقی سب کی محبت سے روشناس کروایا ہے۔“

زورین کے اقرار کرنے پر دل کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اتر آئی تھی۔ وہ ابھی بھی یہی سمجھ رہی تھی۔ کہ زورین نتاشا کی بات کر رہا ہے۔



”قاسم ٹھیک سے چیک کرو۔ یہ فائلز کیوں نہیں چل رہیں۔ کہیں وہ لڑکی ہم سے کوئی گیم تو نہیں کھیل گئی۔“

گلشن آرا قاسم کو لیپ ٹاپ کے ساتھ اُلجھتے دیکھ غصے سے بولی تھیں۔

”یہ فائلز رن ہونا تو دور کی بات میرا لیپ ٹاپ ہی ہینگ ہو رہا ہے۔ میری سب امپورٹنٹ فائلز اسی لیپ ٹاپ میں ہیں۔ وہ بھی اوپن نہیں ہو رہیں۔ اگر اُس لڑکی نے ہمارے ساتھ گیم کھیلا ہے تو میں اُسے چھوڑوں گا نہیں۔ ابہتاج سے بھی پہلے اُسے ختم ہونا ہو گا۔“

قاسم اپنا سارا ڈیٹا تباہ ہوتے دیکھ اپنے بال نوچنے کو آگیا تھا۔ پتا نہیں سُلین نے فائلز میں کونسا وائرس ڈال کر بھیجا تھا۔ کہ قاسم کے ٹرانسفر کرنے سے پہلے ہے۔ اُس کی ساری فائلز ضائع ہو گئی تھیں۔

”میم آپ کہاں ہیں اس وقت مجھے بہت ارجنٹ ملنا ہے آپ سے۔“

قاسم سُلین کو کال کر کے اُس کی لوکیشن پتا کر چکا تھا۔ اگر سُلین نے اُسے دھوکا دیا تھا تو اب وہ اُسے کسی قیمت پر چھوڑنے والا نہیں تھا۔

★★★★★★★★

”سویرا تم۔۔۔ تم ٹھیک ہو۔ اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تم نے اور مجھے بتانا تک ضروری نہیں سمجھا۔ ایسا کونسا شاہکار مل گیا تھا تمہیں جس کے لیے تم نے گھر سے بھاگنے کا کارنامہ سرانجام دے دیا۔“

دل سویرا سے ملنے کے بعد اُس کی کلاس لگاتے بولی تھی۔

سویرا جو کچھ دیر پہلے کافی اُداس تھی۔ دل کو اب اپنے سامنے دیکھ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

”تم جانتی ہو اُس کے بارے میں۔ میری بچپن کی محبت۔“

سویرا نے آنکھیں مٹکاتے جواب دیا تھا۔

”ایک منٹ کیا جو انسان میرے دماغ میں آرہا ہے۔ تم اُسی کی بات کر رہی ہو۔ آصف کے ساتھ بھاگ کے آئی تم۔“

دل کا حیرت کے مارے منہ کھل گیا تھا۔

آصف انٹر تک اُن لوگوں کا کلاس فیلو رہا تھا۔ سویرا اور آصف کی شروع دن سے بہت دوستی تھی۔ یہ دوسری محبت میں کیسے بدلی وہ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ مگر پھر اچانک نجانے کیا ہوا کہ آصف ایک دم سے غائب ہو گیا۔ اُس کا کہیں کچھ آتا پتا نہیں تھا۔ سویرا اُس کے لیے مہینوں روتی رہی۔ اتنے سال گزر جانے کے باوجود وہ اُسے بھلا نہیں پائی تھی۔ یہ اُس کے سچے جذبوں کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ آج اُس کا نکاح اُسی انسان سے ہو رہا تھا۔

”مگر آصف تمہیں ملا کہاں۔ اور یہ سب پاسبل کیسے ہوا۔“

دل کو حیرانی ملاحظہ کرتے سویرا مسکرا دی تھی۔

"جب مجھے پتا چلا بابا میری شادی مجھ سے بھی ڈبل عمر کے شخص سے کر رہے ہیں۔ تو میں نے اُن کو ایسا ظلم کرنے سے روکنے کی بہت کوشش کی۔ پھوپھو کے آگے گڑگڑائی مگر کسی نے میری کوئی بات نہیں سنی۔ میں تو مایوس ہو کر اس بے جوڑ شادی پر رضامند ہو گئی تھی۔ جب ایک دن میں نے شاپنگ مال کے باہر زورین بھائی کو آصف کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ میں بتا نہیں سکتی آصف کو دیکھ میں کس قدر خوش تھی۔

میں خود پر ہوتے اس ظلم کو روک سکتی تھی۔ تب میں نے زورین بھائی کو کال کی اور ساری حقیقت انہیں بتاتے اُن سے مدد مانگی۔ مجھے یقین نہیں آیا زورین بھائی جو ظاہری طور پر اتنے سخت اور اکڑو بنے رہتے ہیں۔ وہ اتنی آسانی سے میری مدد کے لیے مان جائیں گے۔ وہ آصف کو جانتے تھے۔ اُس کے بعد انہی کی مدد سے میں یہاں تک پہنچی ہوں۔

زورین بھائی نے مجھے پھوپھو اور بابا کی ساری حقیقت بتا دی ہے مجھے یقین نہیں آ رہا کوئی اس حد تک کیسے گر سکو ہے۔ اپنی ہی بہن کو زندگی برباد کر دی۔ خیر جس شخص نے اپنی سگی بیٹی کا سودا کر ڈالا۔ اُس کے لیے بہن بیٹی کی کیا اہمیت۔“

سویرا کی آنکھیں بھرا گئی تھیں۔

"اچھا بس اب چھوڑو ان سب باتوں کو۔ اب رونا مت۔ پہلے ہی سارا کا جل بہہ گیا ہے۔ ایسے نہ ہو آصف اپنی دلہن کی شکل دیکھ ایک بار پھر غائب ہو جائے۔“

دل ماحول پر چھائی اُداسی ختم کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ اُس کی بیسٹ فرینڈ کا نکاح تھا۔ اب مزید رونا دھونا نہیں چاہتی تھی وہ۔

”بی بی جی آپ کو زورین سر بلا رہے ہیں۔“

ملازمہ نے اندر آتے زورین کا پیغام دیا تھا۔

”جاؤ بھی زورین بھائی کے پاس تمہارے لیے ورلڈ کا سب سے بیسٹ سرپرائز ہے۔ جاؤ تو سہی۔“

سویرا دل کو اٹھتا نہ دیکھ جلدی سے بولی تھی۔ دل جانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر سویرا کی ضد پر ناچار اُسے اٹھنا پڑا تھا۔

ملازمہ کے بتائے گئے روم میں داخل ہوتے اُس نے خاموش نظروں سے اندر کا منظر دیکھا تھا۔ وہیل چیئر پر ایک درمیانی عمر کا شخص موجود تھا۔ جس کے ساتھ ہی صوفے پر اُسی عمر کی عورت بیٹھی تھی۔ جسے دیکھتے دل کی آنکھوں میں ہلکی سی شناسائی کی رمق اُبھری تھی۔

”آپ لوگ کون۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ بالکل میری طرح۔۔۔“

دل سے کوئی بھی جملہ پورا نہیں ہو پا رہا تھا۔ الفاظ اُس کی زبان تک آکر دم توڑ رہے تھے۔

شہلا بیگم کی تصویر وہ اپنی نانو کے پاس دیکھ چکی تھی۔ مگر آج اتنے سالوں بعد وہ دل سے اُٹھتی صداؤں کے باوجود اس بات پر یقین نہیں کر پارہی تھی کہ اُس کی ماں اُس کے سامنے موجود ہے۔

ذکریا منزل والوں کے طعنوں کی وجہ سے وہ جن لوگوں سے نفرت کرتی آئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یہ حقیقت اُس کے سامنے آئی تھی۔ کہ وہ دونوں تو بے قصور تھے۔ اُس کی ماں نے اُسے لاوارثوں کی طرح ذکریا منزل کے آگے نہیں پھینکا تھا۔ بلکہ اُسے اُس کی ماں سے چھینا گیا تھا۔

”اما۔۔۔۔۔“

دل کے منہ سے اِس لفظ کے ساتھ ایک سسکاری نکلی تھی۔

شہلا بیگم نے اُس کے قریب آتے اُس کی جانب اپنی بانہیں واں کر دی تھیں۔ دل چھوٹے بچے کی طرح دوڑ کر اُن کی بانہوں میں جا سمائی تھی۔ اتنے سالوں میں پہلی بار اُسے اپنی ماں کا لمس محسوس ہوا تھا۔ ماں کی آغوش کی گرمی کیسی ہوتی ہے۔ یہ آج پتا لگا تھا اُسے۔

شہلا بیگم اُسے خود میں بھینچتی اُس کا چہرا والہانہ انداز میں چومنے لگی تھیں۔ اُن کی تڑپتی ممتا کو جیسے قرار مل گیا تھا۔

”پاپا۔۔۔۔۔“

دل نے شہلا بیگم سے مل کر پیچھے بیٹھے ہمایوں شاہ کی جانب اشارہ کیا تھا۔ جس کے جواب میں شہلا بیگم بھگے چہرے کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتیں مسکرا دی تھیں۔

دل ایک لمحہ ضائع کیے بنا اُن کے سینے سے جا لگی تھی۔ ہمایوں شاہ اُسے اپنے حصار میں قید کرتے اُس کا ماتھا چومنے لگے تھے۔

کچھ فاصلے پر صوفے پر بیٹھا زورین اس خوبصورت ملن پر مسکرا دیا تھا۔ اُس نے خود سے کیا وعدہ پورا کر دیکھایا تھا۔ دل کے چہرے پر سچی خوشی دیکھ وہ آج بہت خوش تھا۔ دل کی ابھی تک اُس پر نظر نہیں پڑی تھی۔



”یہ آپ مجھے کہاں لے کر آئے ہیں۔“

سُلین ابہتاج کو سیاہ رنگ کے بنگلے کے اندر گاڑی لے جاتے دیکھ حیرت سے بولی تھی۔

”تمہارے بابا کے پاس۔“

ابہتاج دو ٹوک جواب دیتا گاڑی سے نکل آیا تھا۔ جبکہ اُس کی بات سن کر سُلین کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا تھا۔

وہ جلدی سے گاڑی سے نکل کر ابہتاج کے مقابل آئی تھی۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا۔ ابہتاج اتنی آسانی سے اُسے بابا سے ملوا دے گا۔

ابہتاج کے پیچھے ہال عبور کر کے وہ ایک روم میں داخل ہوئے تھے۔ جہاں بیڈ پر لیٹے حبیب صاحب کو دیکھ سُلین بھاگ کر اُن کے قریب آئی تھی۔

اُن کے سینے پر سر رکھتے اُس نے ایسا رونا شروع کیا تھا۔ کہ کافی دیر تک ہونٹ بھیجنے کر کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر خود پر پر کنٹرول نہیں رکھ پایا تھا۔ اور آگے بڑھ کر سُلین کو سیدھا کیا تھا۔

”یہاں میں تمہیں رونے کے لیے نہیں لایا۔ اُن کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔“

اُس نے سُلین کو سخت نظروں سے گھورتے وارن کیا تھا۔ جس پر سُلین نے جواباً ڈبل گھوری سے نوازا تھا۔ اب اُس کے بابا اُس کے پاس تھے۔ اُسے اِس شخص سے کوئی ڈر نہیں تھا۔

”مجھ پر مزید دھونس جمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جاسکتے ہیں یہاں سے۔ ورنہ پولیس کو بلوا کر اریسٹ کروا دوں گی۔ اب میرے بابا کی گواہی بھی میرے پاس ہے۔“

سُلین ایک نڈر ہوئی تھی۔ ابہتاج اُسے ایسے گھور رہا تھا۔ جیسے آنکھوں سے ہی نکل جائے گا۔ پہلے ہی گھر میں اُسے سُلین کا نیہا کی طرف داری کرنا سخت ناگوار گزرا تھا۔

”سُلین یہ کیا طریقہ ہے اپنے شوہر سے بات کرنے کا۔ کیا میں نے یہی تربیت کی ہے آپ کو۔“

حبیب صاحب ابہتاج کے سنجیدہ تاثرات دیکھ سُلین کی بدتمیزی پر اُسے جھڑکنے لگے تھے۔

”بابا آپ اِس شخص کی وجہ سے مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔“

سُلین نے اچنبھے سے اُن کی جانب دیکھا تھا۔

اُسی وقت ابہتاج کے فون پر کسی کی کال آئی تھی۔ جسے سنتے اُس کے تاثرات مزید پتھر یلے ہوئے تھے۔

سُلین پر غضبناکی بھری نظر ڈالتا وہ انتہائی تیز قدموں سے باہر کی جانب بھاگا تھا۔

سُلین اُس کے خطرناک تیوروں سے سہی معنوں میں سہم سی گئی تھی۔

”بابا ابہتاج ----“

سُلین نے اُنہیں ابہتاج کے بارے میں بتانے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈنے چاہے تھے۔

”ابہتاج ایک بہت اچھا انسان ہے۔ میرے کوما سے باہر آتے ہی تاک میں بیٹھے میرے دشمنوں نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا۔ ابہتاج اُنہیں سے بچا کر مجھے یہاں لایا ہے۔“

حبیب صاحب کے منہ سے یہ انکشاف سنتے سُلین ساکت نظروں سے اُنہیں دیکھے گئی تھی۔

”بابا آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔۔۔ ابہتاج نے آپ کو کڈنیپ کیا تھا۔“

سُلین نے اُنہیں حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا تھا۔ اُس کی نا سمجھی پر حبیب صاحب دھیمے سے مسکرا دیئے تھے۔

”میری گڑیا آپ بہت سی باتوں سے لاعلم ہیں۔ جن کا اب آپ کے سامنے آجانا ہی بہتر ہے۔ میں سب بتاتا ہوں۔“

حبیب صاحب تکیے کے سہارے سیدھے ہو کر بیٹھتے سُلین کا ہاتھ تھامے اُس ابہتاج کی ماں کے قتل اور اُس کے خاندان کی ہر حقیقت سے آگاہ کرتے چلے گئے تھے۔ سُلین شاک کی کیفیت میں بیٹھی سب سن رہی تھی۔

اُس نے ابہتاج کو کس قدر غلط سمجھا تھا۔ جبکہ حقیقت میں وہ کیا نکلا تھا۔ اور قاسم جس پر وہ اب تک بھروسہ کرتی آئی تھی۔ اُس نے کتنا بڑا دھوکا دیا تھا اُسے۔ ابہتاج نے کتنا روکا تھا اُسے قاسم سے رابطہ رکھنے سے۔ مگر اُس نے ابہتاج کو اپنا سب سے بڑا دشمن مانتے اُس کی ایک بھی نہیں سنی تھی۔

اُس کے بابا پر حملہ کرنے والا ابہتاج نہیں قاسم تھا۔

حبیب صاحب نے سُلین کو اُس کے حقیقی ماں باپ کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا تھا۔ سُلین اتنے انکشافات پر بکھر سی گئی تھی۔

”بابا میں نے ابہتاج کو بہت ہرٹ کیا ہے۔ اُنہیں میری ضرورت تھی۔ مگر میں نے بھی اُن کے گھر والوں کی طرح اُنہیں صرف دُکھ ہی دیا۔“

سب باتوں میں سُلین کو زیادہ تکلیف اسی گلٹ نے دے رکھی تھی۔

مگر ابھی بھی اُس کے پاس موقع تھا سب ٹھیک کرنے کا۔

جلدی سے قاسم کو میسج سینڈ کرتی وہ حبیب صاحب کو تھوڑی دیر میں آنے کا کہتی عجلت میں باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اُسی وقت اُسے قاسم کا جوابی میسج موصول ہوا تھا۔ وہ اِس گھر کے بیسمنٹ میں موجود تھا۔ سُلین کے قدم تیزی سے نیچے جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھے تھے۔



”تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی۔ میری بیوی کو بلیک میل کر کے تم جو کھیل کھیل رہے ہو۔ میں اُس سب سے آگاہ ہوں۔ مگر آج وہ سب ختم کر دوں گا۔“

ابہتاج کے آدمی قاسم کو اس بنگلے میں داخل ہوتے دیکھ پکڑ چکے تھے۔ جس کے بعد ابہتاج اب اُس کی چٹری اُدھڑنے کے در پہ تھا۔ قاسم کے مطابق اُسے یہاں کا ایڈریس سُلین نے دیا تھا۔ جو بات ابہتاج کا دماغ مزید خراب کر گئی تھی۔

پچھلے دنوں سُلین اُس کے ساتھ جو بھی کرتی رہی تھی۔ وہ سب باتوں سے آگاہ تھا۔ سُلین اُس کے آگے اپنا اعتبار کھو چکی تھی۔

”تمہاری بیوی نے تمہارے خلاف کیے جانے والے ہر پلان میں میرا ساتھ دیا ہے۔ بولو کیا اُس کا بھی یہی حال کرو گے مسٹر ابہتاج لغاری۔ میری باتوں پر اُس اتنی آسانی سے یقین نہیں کرو گے نا تم۔ تو آج لائیو سب کچھ دیکھا اور سنوا دیتا ہوں میں تمہیں تمہاری بیوی کا اصلی رُپ۔“

قاسم کی بات کے جواب میں ابہتاج نے اُس کے منہ پر مکا رسید کرنا چاہا تھا۔ مگر قاسم نے موبائل سکرین پر جگمگاتا سُلین کا میسج اُس کے سامنے کیا تھا۔ ابہتاج کا ہاتھ اپنی جگہ ساکت ہوا تھا۔

”پڑھ لو تمہاری بیوی تمہارا کوئی اور راز کھولنا چاہتی ہے میرے آگے۔ تم بھی سنو گے۔“

ابہتاج کی خون آشام آنکھوں میں جھانکتے قاسم نے اُس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ ابہتاج اِس گیم پلان کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ مگر بے قرار تڑپتے بلکتے دل کی سدا پر وہ وہاں موجود بڑے سے پلر کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔

اُس کا دل کہتا تھا۔ اُس کی سُلین اتنی غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ جتنا قاسم اُسے بنا رہا تھا۔ چاہے باقی ہر کام کرتی مگر وہ اُسے زہر نہیں دے سکتی تھی۔

آصف کے تھرو اُسے شروع دن سے ہی کافی میں زہر ملانے والی بات کا علم تھا۔ یہ بات جانتے ہوئے بھی وہ بنا ایک سوال بھی کیے سُلین کی جانب سے بڑھائی کافی پی جاتا تھا۔ کیونکہ اُسے سُلین پر پورا ٹرسٹ تھا۔ اُس نے سُلین کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھی تھی۔

وہ جانتا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے سُلین اُسے نقصان نہیں پہنچائے گی۔

وہ انہی سوچوں میں گھرا دروازے پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ جب اُسے سُلین دروازے سے اندر داخل ہوتی دیکھائی دی تھی۔

”میم آپ نے یہ کیسا ڈیٹا سینڈ کیا میرا پورا لیپ ٹاپ ہی۔۔۔۔۔“

قاسم کی بات ابھی پوری ہی نہیں ہوئی تھی۔ جب سُلین کے ہاتھ سے پڑنے والا زناٹے دار تھپڑ اُس کا رخ موڑ گیا تھا۔

وہ ہکا بکا منہ پر ہاتھ رکھے سُلیں کی یہ جسارت دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ابھی اپنا اصل گیم شروع کرنا تھا۔ مگر سُلیں تو پہلے سے کی کافی بھری ہوئی لگ رہی تھی۔

"تم اتنے گھٹیا انسان نکلو گے مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں نے تم پر آنکھیں بند کر کے ٹرسٹ کیا اور تم نے مجھے کپٹلی کی طرح اپنے ہر پلان میں استعمال کیا۔ میرے ہاتھوں، میرے شوہر کے کھانے میں زہر ملوائی تم نے۔ مجھ سے اُسے بے ہوش کروا کر اُس کا سارا ڈیٹا حاصل کیا۔ تمہیں کیا لگا یہ سب کر کے تم کامیاب ہو گئے۔ ابہتاج لغاری سے جیت گئے تم۔"

سُلیں کے منہ سے ان سب باتوں کا اقرار سن کر ابہتاج کا دل چکنا چور ہوا تھا۔ اُسے زہر دی گئی تھی۔ اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں تھی اُسے۔ اُس کی بد قسمتی تو یہی تھی کہ جس لڑکی کو اُس نے زندگی مانا تھا۔ سب سے زیادہ بھروسہ کیا تھا۔ اُسی نے ہی اُس کی زندگی کی ڈور کاٹ دی تھی۔

ابہتاج ہارے ہوئے قدم اٹھاتا سُلیں کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہی تو لگا تھا اُسے۔ ہر اتو دیا ہے اُس نے مجھے۔ اس سے بڑی اور کیا ہار ہو سکتی۔ کہ میری زندگی ہی مجھے موت کے گھاٹ اُتار دے۔"

ابہتاج کی گھمبیر آواز پر سُلیں جھٹکے سے پلٹی تھی۔

قاسم اپنا تیر ایک دم نشانے پر لگتا دیکھ بہت خوش ہوا تھا۔ جو باتیں وہ سُلیں کے منہ سے ابہتاج کو سنانا چاہتا تھا۔ سُلیں وہ خود ہی بول گئی تھی۔ ابہتاج کی آنکھوں میں چھائی وحشت دیکھ وہ اپنی جیت کو بہت قریب

محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ ابہتاج کو ایسے ہی کمزور اور بے بس کر کے ختم کرنا چاہتا تھا۔ وہ سب ہو رہا تھا اور اس کی ذمہ دار تھی ابہتاج کی چہیتی بیوی سلین۔

"ابہتاج آپ۔۔۔"

سلین نے آگے بڑھ کر ابہتاج کا بازو پکڑنا چاہا تھا۔ مگر ابہتاج نے سختی سے اُس کا ہاتھ دور جھٹک دیا تھا۔ سلین اُس کے اس جارحانہ عمل پر بے یقینی سے اُسے دیکھے گئی تھی۔

ابہتاج کا چہرہ صاف بتا رہا تھا۔ وہ اُس کی آدھی بات سن کر غلط مطلب اخذ کر چکا ہے۔ سلین کا دل اُس کے سنگین تیوروں ست گھبرا کر لرز اُٹھا تھا۔

"ابہتاج ایسا کچھ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ اس گھٹیا شخص نے آپ کو مجھ سے بدگمان کرنے کے لیے یہ ساری چال چلی ہے۔ میں نے ابھی جو کہاں ہے وہ سچ نہیں ہے۔"

سلین ابہتاج کے دھتکارنے کے باوجود اُس کے قریب آئی تھی۔

"تمہیں مزید کوئی بھی جھوٹ بولنے یا صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ سب پہلے سے جانتا تھا۔ ہاں بس فرق اتنا پڑا ہے کہ پہلے یہ دل یقین کرنے سے انکاری تھا۔ کہ میری سلین دھوکے باز ہو سکتی۔ مگر اب تمہارے منہ سے اقرار سن کر زندگی کی واحد خوش فہمی بھی دور ہو گئی۔ میری لائف میں اب ایسا کوئی انسان نہیں بچا جس پر میں اعتبار کر سکوں۔ یا جس کی خاطر زندگی گزارنا چاہوں۔"

اُس انسان کو دیکھ رہی ہو۔ آصف نام ہے اِس کا۔ اِسے تو بہت اچھے سے جانتی ہو گئی۔ آخر کو قاسم نے اِسے تمہیں مجھ سے محفوظ رکھنے کے لیے جو تمہارے آس پاس چھوڑ رکھا تھا۔

یہ قاسم کا نہیں میرا آدمی تھا۔ ایک ساتھ جیل کاٹی ہے ہم نے۔ مجھے آصف نے تمہارے اور قاسم کے یر پلان سے آگاہ رکھا۔ اُس دن قاسم نے تمہاری طرف جو نشہ آور دوا بھیجوائی تھی۔ اُس کو آصف نے پہلے ہی بدل دیا تھا۔ میں رات نشے میں نہیں تھا میں نے تمہارا ہر عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اب بھی کہو کیا وہ سب جھوٹ تھا۔ تم نے میرا سارا امپورٹنٹ ڈیٹا قاسم کو سینڈ نہیں کیا۔“

ابہتاج کی لہو رنگ آنکھوں سے سُلیں کو خوف آنے لگا تھا۔ اتنے ٹائم بعد آج اُس نے ابہتاج کو پہلی ملاقات والے رُوپ میں دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھوں کی وحشت اور ویرانیاں پھر سے جاگ اٹھی تھیں۔

”میری لائف میں دھوکے باز انسان کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ میں تم سے اپنے سارے تعلق ختم کرتا ہوں۔ تمہیں طلاق چاہیے تھی نا مجھ سے۔ بہت جلد آزاد کردوں گا میں تمہیں۔“

ابہتاج سفاکیت سے اپنا فیصلہ سناتا وہاں سے پلٹا تھا۔ یہ لفظ ادا کرتے اُس کے دل کا کتنی بار خون ہوا تھا۔ یہ وہی جانتا تھا۔ مگر اِس سے زیادہ تکلیف میں اُس نے آج تک خود کو محسوس نہیں کیا تھا۔

یہ اُس کی زندگی کا سب سے بڑا درد تھا۔

ابہتاج کے فیصلے نے سُلیں کے جسم سے روح کھینچ لی تھی۔ اُس نے کرب سے آنکھیں میچی تھیں۔ مگر وہ اتنی جلدی ہار نہیں مان سکتی تھی۔

اب محبت کی جنگ لڑنے کی باری اُس کی تھی۔ وہ کسی قسم کی انا یا ضد میں آکر ابہتاج لغاری کو کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔

”آپ آخر خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ ہر بار وہی ہوگا جو آپ چاہیں گے۔ آپ نے میرے منہ سے آدھی بات سنی۔ اُس کا اپنی مرضی کے مطابق مطلب اخذ کیا اور چل پڑے مجھ سے رشتہ توڑ کر۔ امیزنگ۔

مگر اب ایسا میں نہیں ہونے دوں گی۔ آپ میری پوری بات سننے بغیر یہاں سے جا نہیں سکتے سنا آپ نے۔“
سُلین ابہتاج کے راستے میں آتی اُس کا گریبان دونوں مٹھیوں میں جکڑتی شیرنی کے جیسے دھاڑتی سب کو اپنی جگہ سن کر گئی تھی۔

ابہتاج کو اپنے کافی قریب کھڑی سُلین کا پورا وجود لرزتا محسوس ہوا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ سٹل کھڑا رہا تھا۔ نہ ہی اُسے سہارا دیا تھا۔ نہ ہی اُسے دور جھٹکا تھا۔

”بہت چلاک بنتے ہو نا تم دیور صاحب۔ آج تک اپنی ماں کے ہاتھوں بے وقوف بنتے آئے ہو۔ اور چلے ہو مجھ سے کھیل کھیلنے۔“

سُلین کا رُخ اب قاسم کی جانب تھا۔ جو ابہتاج کے آدمیوں کے درمیان کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے سُلین کا یہ رُوپ دیکھ رہا تھا۔ دھیمے مزاج کی مالک اُس کی باس اتنی جلدی اُس کے جلاد صفت بھائی کی صحبت میں آکر اُسی کا رُوپ دھاڑ لے گی اُسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔

سُلین نے ایک بار پھر قاسم کے منہ پر تھپڑ جڑا تھا۔ جس نے اُس کے ساتھ ایک بار پھر کھیل کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ قاسم کے ساتھ کھڑے آصف نے نامحسوس طریقے سے اپنے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر میں اُس کا نکاح تھا۔ وہ اب چہرے پر کوئی ڈیزائن بننا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

”آپ مجھ پر آپ کا ڈیٹا چوری کرنے کا الزام لگا رہے تھے نا۔ تو دیکھیں یہ سینڈ کیا ہے میں نے اِسے۔“

سُلین نے قاسم کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ چھین کر ابہتاج کے سامنے کیا تھا۔ وہ ایک سافٹ ویئر انجینئر تھی۔ اُس نے قاسم کو جو فائل میل کی تھی۔ اُس کے ساتھ ایسا وائرس اٹیچ تھا۔ جس نے نہ قاسم کی ساری فائلز ڈیج کر دی تھیں۔ بلکہ اُس کے لیپ ٹاپ کا ساری سینسٹو انفارمیشن بھی سُلین نے سافٹ ویئر کے ذریعے ہیک کر لی تھی۔ اُس نے قاسم کی ہر بات پر ہاں صرف اُسکا ٹرسٹ جیتنے کے لیے بولی تھی۔ اُس نے نشہ آور دوا تو دی تھی ابہتاج کو کیونکہ وہ خود بھی ابہتاج کے بارے میں ساری انفارمیشن حاصل کر کے اُسی کی مدد کے لیے استعمال کرنا چاہتی تھی۔

مگر قاسم کی دی گئی سلو پوائزن اُس نے ایک بار بھی ابہتاج کی کافی میں نہیں ملائی تھی۔

اُسے قاسم پر اُسی دن شک ہو گیا تھا۔ جب اُس نے قاسم کو اپنے گھر مدد کے لیے بلایا تھا۔ قاسم کے لہجے کی گڑبڑاہٹ اُسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئی تھی۔

اُس کا شک یقین میں اُس وقت بدلہ تھا۔ جب قاسم نے اُس کے بابا پر حملہ کا زمرہ دار ابہتاج کو ٹھہرایا تھا۔ کیونکہ کورٹ کے پیپرز کے مطابق اُس وقت ابہتاج جیل میں تھا۔

سُلیمن نے جتنا ٹائم ابہتاج کے ساتھ گزارا تھا۔ اُس کا دل ایک پرسنٹ بھی یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ابہتاج اتنا غلط اور بے رحم انسان ہو سکتا ہے۔ اُس نے ابہتاج کو آج تک جتنی غلط باتیں کہیں تھیں۔ ریزن صرف اُس کا وہ رُوپ اُجاگر کرنا تھا۔ جس کا ذکر قاسم کرتا تھا۔ مگر ابہتاج کا ویسا روپ تھا ہی نہیں تو سامنے کیسے آتا۔ اُس نے ابہتاج سے محبت کی تھی۔ تو اُس پر بھروسہ بھی کیا تھا۔ جو بہت بار ڈمگایا بھی تھا۔ لیکن آخر میں اُس کے یقین کی جیت تو ہو گئی تھی۔ مگر اس چکر میں اُس نے ابہتاج کا خود پر سے یقین کھو دیا تھا۔

"کیا اب بھی آپ کو میری ساری باتیں جھوٹ لگ رہی ہیں۔ اب بھی میں آپ کے لیے دھوکے باز ہوں۔ آپ کو یہی لگتا ہے سچے دل سے ہمیشہ آپ ہی محبت کر سکتے ہیں۔ دوسرا کوئی اس قابل نہیں ہے۔ آپ مجھ سے تعلق توڑنا چاہتے ہیں۔ تو توڑ دیں۔ لیکن اُس کے بعد نہ میں خود زندہ رہوں گی نہ آپ کو رہنے دوں گی۔ پہلے تو زہر نہیں دی۔ مگر اب ضرور دوں گی۔ میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی باتوں اور الزاموں سے ہرٹ کیا۔ مگر آپ نے تو ایک پل میں ہی سارا حساب بے باک کر دیا۔"

ابہتاج کی تعلق توڑنے والی بات سُلیمن کے دل پر ابھی بھی کسی نوکیلے خنجر کی طرح کبھی ہوئی تھی۔ جس کا درد کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

اُس کی آنکھوں سے لڑیوں کی طرح بہتے آنسو دیکھ ابہتاج کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ وہ اپنی عزیز از جان ہستی کو ایک بار بھی صفائی کا موقع دیئے بغیر سزا کیسے سنا گیا تھا۔ سُلیمن کے معاملے میں اُس کا دل سخت کیسے ہو گیا تھا۔

”اور تم قاسم لغاری بہت عقلمند یہاں ڈان بنے پھرتے ہو۔ یہ بات جانتے بھی ہو۔ کہ تمہاری ماں صرف
ابہتاج کو مروانے کے لیے تمہیں ایک کپتلی کی طرح استعمال کر رہی ہے۔“

سُلین نے قاسم کی جانب پلٹتے اُسے وہ حقیقت بتانی چاہی تھی۔ جس کے بارے میں بیسمنٹ کی جانب آتے
نیہانے کال پر اُسے آگاہ کیا تھا۔

”میری ماں کے بارے میں ایک لفظ بھی مت بولنا۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ میری ماں ابہتاج سے صرف
میرے پایا کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی ہیں۔“

قاسم اپنی ماں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن پایا تھا۔

”اچھا تو یہ بات جانتے ہو۔ ابہتاج نے تمہارے قادر کو کیوں مارا۔“

سُلین کیا کرنا چاہ رہی تھی۔ ابہتاج خود بھی سمجھ نہیں پارہا تھا۔

”نہیں جانتے تم۔“

سُلین اُس کے ایک دم بلینک ہو جانے پر استہزایہ ہنسی تھی۔

”تمہارے ماں باپ نے مل کر ابہتاج کی ماں کا نہایت بے دردی سے قتل کیا تھا۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ
وہ اُن کے گھناؤنے دھندوں کے بارے میں جان چکی تھیں۔ تمہاری ماں کے غیر مردوں سے ناجائز تعلقات
تھے۔ جس کے بارے میں ابہتاج کو پتا چل چکا تھا۔ ابہتاج نے جب اُنہیں اس سے باز رہنے کو کہا۔ تو صرف

اُسے آپ دونوں کی نظروں میں گرانے کے لیے اُنہوں نے نیہا کو بلیک میل کر کے اپنے مقصد میں استعمال کیا۔ جس کے بعد سے تم ابہتاج سے نفرت کرنے میں اُس قدر اندھے ہو گئے کہ ٹھیک غلط کی پہچان بھول گئے۔ اگر میری بات پر یقین نہیں ہے تو نیہا کو کال کر کے سب کچھ پوچھ سکتے ہو۔ اور زرا ایک نظر اُن گھٹیا کاموں کی جانب بھی دوڑانا جو تمہارے پیٹھ پیچھے تمہاری ماں کر رہی ہے۔

جو الزام تم نے ابہتاج کے سر ڈالے تھے۔ وہ تو اُس سب کے آگے کچھ نہیں جو اب تک تمہاری ماں کرتی آرہی ہے۔“

سُلیم قاسم کو اچھی طرح آئینہ دیکھاتی پٹی تھی۔ جبکہ یہ سچائی جان کر کے گلشن آرا بھی اُس کی ماں کے قتل میں ملوث ہے۔ ابہتاج کے دماغ کی نسیں غصے کی کیفیت میں اُبھر آئی تھیں۔

”ہمارے درمیان تعلق تو ختم نہیں ہوگا۔ مگر اب ہم ساتھ بھی نہیں رہیں گے۔ مجھے آپ جیسے خود پسند انسان کے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہنا۔ نہ ہی شکل دیکھنی ہے آپ کی۔“

سُلیم اِس وقت ابہتاج پر بہت غصہ تھی۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اِس شخص کی یہ وجیہ صورت بگاڑ کے رکھ دے۔

وہ اُسے اُنکلی اٹھا کر اُس کی سزا سنائی تھی۔ اور اُسی تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔

”بھائی۔۔۔۔“

ابہتاج قاسم پر ایک سرد نگاہ ڈالتا وہاں سے نکلنے والا تھا۔ جب قاسم کی پکار اُس کے قدم وہیں جکڑ گئے تھے۔

اتنے سالوں بعد آج وہ یہ لفظ سن رہا تھا۔ اُس نے قاسم کو سگے بھائیوں سے بڑھ کر پیار دیا تھا۔ مگر قاسم نے اُس کی قدر نہیں کی تھی۔

قاسم اُس کے آدمیوں سے ہاتھ چھڑواتا ابہتاج کے قدموں میں آن گرا تھا۔



سُلین کے لیے آپ کا دن انکشافات سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ابھی پچھلے شاک سے نہیں سنبھلی تھی۔ کہ شہلا بیگم اور ہمایوں شاہ کو اپنے حقیقی ماں باپ کے رُوپ میں دیکھ اتنے دکھوں کہ بعد اُس کا دل سکون سے بھر گیا تھا۔

سب سے زیادہ خوشی اُسے یہ جان کر ہوئی تھی۔ کہ اُس کی ایک پیاری سی بہن بھی ہے۔ جو دیکھنے میں معصوم سی لگ رہی تھی۔ مگر اُس گول مٹول آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ اتنی معصوم ہے نہیں۔ "تم جانتی ہو میں اللہ سے کتنا شکوہ کرتی تھی۔ کہ میری فرینڈز کی طرح میرے پاس بہن کیوں نہیں ہے۔ جس سے میں اپنا ہر غم اپنے دل کی باتیں شیر کر سکوں۔ مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔ کہ میری یہ دعا ایسے بھی قبول ہو سکتی ہے۔"

سُلین دل کو اپنے ساتھ لگائے خوشی سے لبریز لہجے میں بولی تھی۔ شہلا بیگم اور ہمایوں شاہ اپنی فیملی پوری ہوتے دیکھ مسکرا دیئے تھے۔ اُن کی دونوں بیٹیاں ہنستی مسکراتی اُن کی آنکھوں کے سامنے تھیں۔ اِس سے زیادہ اُنہوں نے لائف میں کبھی کچھ نہیں مانگا تھا۔

”میں کپڑے بدل لوں گیا۔ کیونکہ یہاں حالات دیکھ کر مجھے اپنے نکاح کے چانسز کم ہی لگ رہے ہیں۔“
سویرا اندر اپنا لہنگا تھام کر اندر داخل ہوتی منہ بسور کر بولی تھی۔ جس پر وہ چاروں اپنا قہقہہ نہیں روک پائے تھے۔

سویرا کے یاد دلانے پر ہی سب کو ہوش آیا تھا۔ کہ یہ سب سے ضروری کام تو وہ بھول ہی گئے۔
کچھ ہی دیر میں نکاح خواں کے آتے ہی سب لوگ ڈرائنگ روم میں اکٹھے ہوئے تھے۔ شہلا بیگم اور ہمایوں شاہ کو اپنے دونوں داماد ہی بہت پسند آئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر شاندار اور لاجواب تھے۔
مگر شہلا بیگم ایک نظر میں ہی بھانپ گئی تھیں۔ دونوں کے درمیان معاملات کچھ ٹھیک نہیں تھے۔

زورین کو سویرا کے بھائی کا کردار ادا کرتا دیکھ دل کے ہونٹوں پر دلکش سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ زورین نے اُس کو اُس کی ساری خوشیاں دے دی تھیں۔ لیکن دل اُسے یہ نہیں بتا پائی تھی۔ کہ اُس کی سب سے بڑی خوشی زورین کے ساتھ میں تھی۔ اُس کے بغیر وہ ادھوری تھی۔

مگر شاید وہ اُس کا ہو کر بھی اُس کا نہیں تھا۔ دل نے حسرت بھری نظروں سے اُس شاندار شخص کی جانب دیکھتے ایک بوجھل سانس ہوا کے سپرد کی تھی۔

”کوئی ناراضگی چل رہی ہے کیا۔“

اُس کے ساتھ کھڑی سُلین اُسے کب سے زورین کی جانب ٹکلی باندھے کھڑا دیکھ آخر پوچھ بیٹھی تھی۔

”کبھی دوستی ہوئی ہی نہیں کہ ناراضگی کی نوبت آتی۔“

دل نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔ سُلین نے اُس کی آنکھوں میں تیرتی اُداسی بہت غور سے دیکھی تھی۔ زورین کی نگاہوں میں اُس نے واضح طور پر دل کا عکس دیکھا تھا۔ پھر آخر ایسا کیا تھا۔ جو دل کو ڈسٹرب کیے ہوئے تھا۔ سُلین اُس سے اس ٹاپک پر تفصیلی بات کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

”میری چھوڑیں آپ بتائیں۔ ابہتاج بھائی نے ایک پل کے لیے بھی آپ کی جانب سے نظر نہیں اُٹھائی اور آپ ہیں کے اُن کو کوئی لفٹ ہی نہیں کروا رہی۔ اتنے نائس تو ہیں۔“

دل کو اپنے سنجیدہ مزاج بہنوئی کافی پسند آئے تھے۔ مگر اپنی بہن کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

”وہ صرف دیکھنے میں ہی اتنے شریف ہیں۔ اُس بندے کی صورت پر بالکل بھی مت جانا۔ دنیا کا سب سے زیادہ شاطر انسان ہے یہ۔ دوسروں کو بے وقوف بنا کر اپنی انگلیوں پر کیسے نچایا جاتا۔ کیسے دھونس جما کر اپنی ہر بات منوائی جاتی ہے۔ انسان ان سے سیکھے۔“

سُلین ابہتاج کی جانب سے بھری بیٹھی تھی۔ وہ تو اُس وقت سے یہی سوچ کر شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔ کہ ابہتاج اُس وقت نشے میں نہیں تھا۔ اور بڑے ہی سکون سے اُسے اُلو بناتا اُس کی حرکتیں ملاحظہ کر رہا تھا۔

بے ہوشی کا فائدہ اُٹھاتے اُس نے جو جساتیں کرتے اُس کا خون خشک کیا تھا وہ۔

صبح کس قدر معصوم اور انجان بنتے وہ اُس سے اِس بارے میں پوچھ رہا تھا۔ سلین کا ہاتھ بے اختیار اپنی گردن کی جانب اُٹھا تھا۔ ساتھ ہی اُس کی غیر ارادی نظر ابہتاج کی جانب اُٹھی تھی۔ جو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سلین نے فوراً گردن پر دوپٹہ ٹھیک کرتے ہاتھ واپس کھینچا تھا۔

مگر ابہتاج کی آنکھوں میں موجود شوخی بھری مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی۔ کہ وہ اُس کے دماغ میں آتی سوچ سے واقف ہے۔ سلین غصے اور ناراضگی بھری نظر اُس پر ڈالتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔



”میرا بیٹا کہاں ہے۔ اگر اُسے زرا سی خراش بھی آئی تو میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔ ابھی تک اگر تم زندہ ہو تو اُسے احسان مانو میرا۔ آرام سے میرے بیٹے کو میرے حوالے کر دو۔“

ابہتاج اِس وقت گلشن آرا کے بنگلے میں اُس کے ڈرائنگ روم میں عین اُس کے سامنے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھا اُس کا ضبط آزما رہا تھا۔

اُس کے تن تنہا ہونے کے باوجود گلشن آرا کو اُس سے اتنا خوف تھا۔ کہ اُس نے اپنے گارڈز کی پوری فوج اپنے ارد گرد اکٹھی کر لی تھی۔

”تمہارے ایسے کروڑوں گارڈز بھی مجھے میرا کام کرنے سے روک نہیں پائیں گے۔“

ابہتاج اُس کے چہرے پر پینتا موت کا خوف دیکھ تمسخرانہ لہجے میں بولا تھا۔

”بولو۔۔۔ مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ زیادہ ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔“

گلشن آرا نے اپنے ہاتھوں کی لرزش چھپاتے لہجے کو ہموار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اب تک جتنے گناہ کر چکی تھی۔ وہ سب ایک ایک کر کے اُس کے سامنے آرہے تھے۔

”ٹائم تو واقعی ہی نہیں ہے تمہارے پاس۔“

ابہتاج نے آگ اُگلتی نظروں سے سامنے بیٹھی الفتا صفت عورت کو دیکھا تھا۔ جس نے اُس کے سارے رشتے اُس سے چھین لیے تھے۔ اُس کی ماں کو صرف جائیداد کی خاطر مار دیا تھا۔

”اگر اپنے بیٹے کو زندہ سلامت دیکھنا چاہتی ہو۔ تو اپنے سارے گناہوں کا اقرار کر کے خود کو پولیس کے

حوالے کردو۔ ورنہ ایک سیکنڈ میں میرے آدمی تمہارے بیٹے کے پرچے اڑا دیں گے۔“

ابہتاج کی بات پر گلشن آرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا۔ جو کام اُس نے اپنے شوہر کی خاطر نہیں چھوڑا تھا۔ وہ بیٹے کی خاطر کیسے چھوڑتی۔

”نن نہیں تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔ تم میرے بیٹے کو کیسے ختم کرو گے۔ اُس سے پہلے ہی میرے آدمی تمہارا کام تمام کر دیں گے۔ تمہاری بھول ہے کہ میں یہ کام چھوڑوں گی۔ چاہے سامنے میرا بیٹا کھڑا ہو یا شوہر۔ میں اس ملک کو تباہ کرنے کی قسم کھا کر یہاں داخل ہوئی تھی۔ اور ختم کر کے ہی نکلوں گی۔ جعفر لغاری اور قاسم لغاری تو صرف مہرے تھے۔ جنہیں استعمال کر کے میں نے کامیابی کی اتنی منزلیں طے کی ہیں۔ اُن کی خاطر میں اپنے پیشے سے غداری کبھی نہیں کروں گی۔ تم تو ویسے بھی میری یہ خصلت اچھی طرح جانتے ہو۔ صرف تمہارے باپ سے تعلق نہیں تھا میرا۔ نجانے کتنے مردوں کو استعمال کیا ہے میں نے یہاں تک پہنچنے کے لیے۔ اور تم کہہ رہے ہو۔ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خود کو پولیس کے حوالے کر دوں۔ مجھے نہیں لگا تھا۔ تک اتنے بے وقوف ہو سکتے ہو۔ جو یہ شرط لے کر میرے پاس یہاں آئے۔ اب میں تمہیں مزید جینے کی مہلت نہیں دے سکتی۔ پہلے ہی تم کئی بار میرے راستے میں آچکے ہو۔ مگر اب مزید نہیں۔“

گلشن آرا کے چہرے پر اپنے بیٹے کو کھونے کا زرا سا ملال بھی نہیں تھا۔

”تمہاری آنکھیں کھلیں اب یا پھر ابھی اور بھی کچھ سننا باقی ہے۔“

ابہتاج کی پکار پر دروازے سے اندر داخل ہوتے قاسم کو دیکھ گلشن آرا کچھ پل کے لیے سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ اُس جیسی عورت کو ابہتاج لغاری نے اتنی آسانی سے اپنی باتوں میں الجھا دیا تھا۔ اُس نے اپنے ہی ہاتھوں اپنا بہت بڑا نقصان کر دیا تھا۔

اُسے تو لگا تھا ابہتاج قاسم کو مار دے گا۔ جس کے ساتھ اُس کے سارے راز بھی دفن ہو جائیں گے۔ مگر قاسم کو اس شاطر انسان نے اپنے ساتھ ملا کر اُسی کی بازی پلٹ دی تھی۔

”تمہیں تمہارے اس دھوکے کی سزا ضرور ملے گی۔ چھوڑو گی نہیں میں تمہیں۔“

ابہتاج کا مسکراتا دیکھ وہ زہر خند لہجے میں بولتے اپنے پیچھے کھڑے گارڈ سے گن چھین کر ابہتاج پر تانی تھی۔ اُس کے باوجود ابہتاج کے سکون میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

”اب آپ کو وقت ختم ہو چکا ہے۔ ابہتاج بھائی پر گولی چلانے کی غلطی مت کیجیے گا۔ ورنہ میں قسم کھاتا ہوں اپنے ہاتھوں سے یہ ساری گولیاں آپ کے وجود میں اتار دوں گا۔“

قاسم نے نفرت آمیز نگاہوں سے گلشن آرا کی جانب دیکھتے بندوق اُس کی کنپٹی پر رکھی تھی۔

”گھن آرہی ہے خود سے۔ کہ آپ جیسی عورت کی کوک سے جنم لیا میں نے۔ میری اور نیہا کی زندگی برباد کر کے رکھ دی آپ نے۔“

قاسم کی لال آنکھیں تکلیف کے احساس سے نم ہو چکی تھیں۔ اُس کی ماں نے اُسے گناہوں کی دلدل میں ایسا پھنسایا تھا کہ وہ اپنی دنیا اور آخرت دونوں گنوا بیٹھا تھا۔

”تمہیں اس عورت کے خون سے اپنے ہاتھ گندے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو میں ایسی عبرت ناک سزا دلوؤں گا۔ کہ یہ موت کی دعائیں کرے گی۔ مگر اسے موت بھی نصیب نہیں ہوگی۔“

فورسز کے لوگوں نے اندر آکر گلشن آرا کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

”تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا خاتمہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ میرے آدمی ابھی بھی تمہارے گرد موجود ہیں۔ تمہیں اور تمہاری بیوی کو چھوڑوں گی نہیں میں ابہتاج لغاری۔ میں واپس ضرور آؤں گی۔“

گلشن آرا بکتی جھکتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

”میں تو آپ کی معافی کے قابل بھی نہیں ہوں۔ بہت بڑا گنہگار ہوں ہیں۔ میں نے اپنی پوری لائف تو آپ کے خلاف سازشیں بنتے ہی گزار دی۔ سُلین بھابھی کے ساتھ بھی بہت غلط کیا میں نے۔ اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔“

قاسم خود کو پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے ابہتاج کے آگے ہاتھ جوڑ کر ندامت کے احساس سے چور لہجے میں بولا تھا۔

ابہتاج نے اُسے دل سے اپنا بھائی مانا تھا۔ وہ زیادہ دیر اُس کو اس حال میں نہیں دیکھ پایا تھا۔ اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے آگے بڑھ کر اُسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

”تم نے وہی کیا جو تمہیں بچپن سے سیکھایا گیا تھا۔ لیکن سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں گناہوں کی دلدل میں پھنسنے سے بچا لیا ہے۔ تم فکر مت کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔“

قاسم اُس کی اِس قدر اعلیٰ ظرفی پر مزید نادم ہوا تھا۔ مگر ابہتاج نے اُسے زیادہ دیر اِس احساس میں نہیں رہنے دیا تھا۔

قاسم نے اپنے تمام جرائم کا اقرار کرتے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ ابہتاج نے پوری کوشش کی تھی اُسے کم سے کم سزا ملے۔



اُن دونوں نے ہی شہلا بیگم اور ہمایوں شاہ کے ساتھ کچھ ٹائم گزارنے کا کہتے اپنے شوہروں کو خالی ہاتھ لٹا دیا تھا۔

”یہ ملاپ تو ہم دونوں کو بہت مہنگا پڑا ہے۔“

جاتے وقت زورین نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ سب کے درمیان بہت خوش باش اچھے سے رہا تھا۔ مگر دل سے بات کرنا تو دور اُس نے دیکھا تک نہیں تھا۔ اُس کی یہ بے رُخی دل کو اندر ہی اندر رُلا رہی تھی۔ جب اُس نے ساتھ رہنا ہی نہیں تھا۔ تو اُسے اتنی خوشیوں بھری زندگی کا عادی کیوں کر رہا تھا۔

”کیا ہوا اگر سیاں جی کی اتنی یاد آرہی ہے۔ تو چلی کیوں نہیں جاتی اُن کے پاس۔“

سُلمین دل کو لان میں گم صم اُداس بیٹھا دیکھ اُسے چھیڑتے ہوئے بولی تھی۔ اور ہاتھ میں پکڑا چائے کا گم اُس کی جانب بڑھایا تھا۔

”نہیں ایسا کچھ نہیں۔ جو میرا نہیں اُسے یاد کر کے اپنا دل دکھی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“

دل چائے کا مگ ہونٹوں سے لگاتی یاسیت سے بولی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی تمہارا شوہر تمہارا نہیں تو اور کس کا ہے۔ زورین شاہ کی بیوی ہو تم سب سے زیادہ تمہارا حق ہے اُس پر۔“

سُلین نے بیوی لفظ پر خاصہ زور دیا تھا۔ وہ اُس سے اُس کی پریشانی اور ڈسٹربنس کی اصل وجہ اُگلوانا چاہتی تھی۔

”نہیں میرا حق نہیں ہے۔ بہت جلد ہمارا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ میں صرف نام کی بیوی ہوں اُن کی۔ وہ کسی اور سے محبت کرتے ہیں۔ اور شادی بھی اُسی سے کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی لائف میں میری کوئی جگہ نہیں ہے۔“

دل کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اتر آئی تھی۔

”اور کس سے محبت کرتا ہے زورین۔“

سُلین نے اُس کی گال پر بکھرے آنسو صاف کرتے پوچھا تھا۔

”نتاشا سے۔ اُس کی بچپن کی فرینڈ ہے۔“

نتاشا کا نام لیتے دل کی آنکھوں کے سامنے وہی منظر دوہرایا تھا۔ جس میں وہ لڑکی زورین کے بعد قریب بیٹھی تھی۔

”دل تم واقعی اتنی بے وقوف ہو۔“

سُلین کے سوال پر دل نے آنسو صاف کرتے خفگی سے اُسے دیکھا تھا۔

”کسی بچے کو بولو گی نا۔ تو وہ بھی زورین کی آنکھوں میں دیکھ کر بتا دے گا۔ کہ زورین صرف تم سے محبت کرتا ہے۔ وہ بھی بے پناہ۔ تم اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار کیسے ہو سکتی ہو۔“

سُلین کے اتنے یقین سے کہنے پر دل پل بھر کو ٹھہر سی گئی تھی۔

سُلین کے پوچھنے پر اُس نے اپنی ساری کہانی اُسے سنا ڈالی تھی۔ سُلین افسوس سے سر ہلانے کے سوا کچھ نہیں کر پائی تھی۔ اُس کی بہن عقلمندی میں اُس سے بھی دو ہاتھ آگے نکلی تھی۔

”اگر واقعی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ تو ایک ہفتہ ہو چکا ہے مجھے یہاں۔ آنا تو دور کی بات ایک کال تک نہیں کی۔“

دل ابھی بھی ماننے سے انکاری تھی۔

”کیونکہ تم جو باتیں اُسے سنا چکی ہو۔ اُس کے بعد وہ تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ تمہیں ہی جانا پڑے گا۔
مرد کی انا سے واقف نہیں ہو تم۔“

سُلین نے اُسے مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

”میں کیا کروں پھر۔“

دل کو سُلیں کی بات بالکل ٹھیک لگی تھی۔ وہ اپنی بچکانہ بے وقوفیوں سے زورین کو گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ اگر زورین واقعی اُس سے محبت کرتا تھا تو تو اُس دن اُس نے زورین کو جو باتیں سنائی تھیں وہ بہت غلط تھا۔

”آؤ شاپنگ پر چلتے ہیں۔ پھر میں سب سمجھاتی ہوں تمہیں۔“

سُلیں اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی اُس کے انکار کے باوجود ساتھ گھسیٹ کر لے گئی تھی۔



”اُف آپ تو مجھے ایسے شاپنگ کروا رہی ہیں۔ جیسے میری رخصتی ہونی ہیں ابھی۔“

دل اتنا سب کچھ خرید کر اب تنگ آچکی تھی۔ وہ زہنی طور پر ویسے ہی بہت تھکی ہوئی تھی۔ اِس شاپنگ نے اب اُسے مزید تھکا دیا تھا۔

”بھابھی آپ جلدی چلیں میرے ساتھ۔ بہت بڑی گرٹ بڑ ہو گئی ہے۔“

وہ دونوں کافی شاپ کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ جب آصف گھبرا یا بوکھلایا اُن کے قریب آیا تھا۔

”کیا ہوا سب ٹھیک ہے۔ ابہتاج تو ٹھیک ہیں نا۔“

سُلیں کا دل انجانے خوف سے دھڑکا تھا۔

”نہیں وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ اُنہیں گولی لگی ہے۔ اُن کی حالت کافی سیریس ہے۔ آپ کو ابھی ہمارے ساتھ

چلنا ہوگا۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

آصف کے ساتھ شایان اور فرحان بھی اُسی جیسی پریشانی بھری شکلیں بنائے کھڑے تھے۔ کچھ دن پہلے ہی ابہتاج نے اُن دونوں کو اِس شرط پر رہا کر دیا تھا۔

کہ باہر نکل کر وہ اپنی پرانی حرکتیں چھوڑ کر حلال کی روزی کمائیں گے۔ اُس نے اُن دونوں کو اپنے آفس میں کام پر رکھ لیا تھا۔

سُلیں شاپنگ بیگز وہیں پھینکتی اُن کے ساتھ باہر کی جانب بھاگی تھی۔

دل نے بھی ساتھ جانا چاہا تھا مگر آصف نے اُسے اصل بات سمجھاتے روک دیا تھا۔

"ایک گال پر ابہتاج بھائی سے ڈیزائن بنوا کر آرام نہیں آیا آپ کو۔ جو اب دوسری گال پر اُن کی بیوی سے بنوانا چاہتے ہیں۔"

دل نے اُسے باز رکھنا چاہا تھا۔

"اپنے یار کی خوشی کی خاطر اُن کی بیوی سے جوتوں سے پیٹنے کو بھی تیار ہوں۔"

آصف شرارتی لہجے میں جواب دیتا گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا۔

★★★★★★★★

"میم یہ آپ کے لیے آیا تھا۔"

دل شہلا بیگم اور ہمایوں شاہ کے روم سے نکلی ہی تھی۔ جب ملازمہ نے اُس کی جانب ایک لفافہ بڑھایا تھا۔ جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا لیٹر بھی اٹیچ تھا۔

”کورٹ کے پیپرز۔“

دل کے لب پھڑپھڑائے تھے۔ اُس نے جلدی سے وہ لیٹر اوپن کیا تھا۔

”میں صرف تمہاری خوشی چاہتا ہوں۔ ان گزرے دنوں میں جان گیا ہوں۔ تمہاری خوشی میرے ساتھ نہیں ہے۔ میں یہ طلاق کے پیپرز بھیجوا رہا ہوں۔ تم جو چاہتی تھی اب وہی ہوگا۔ میں اب مزید تمہیں اس زبردستی کے بندھن میں باندھ کر نہیں رکھوں گا۔“

جیسے جیسے دل وہ تحریر پڑھتی جا رہی تھی۔ اُسے اپنی سانسیں تھمتی محسوس ہوئی تھیں۔

اُس کے منہ سے بے اختیار سسکی نکلی تھی۔

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ زورین آپ ہی تو میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہیں۔ آپ سے الگ ہو کر میں جی نہیں پاؤں گی۔ میں آپ کو خود سے دور نہیں جانے دوں گی۔“

گال پر بکھر جانے والے آنسو صاف کرتی وہ باہر کی جانب بھاگی تھی۔

اگلے بیس منٹ میں وہ زورین کے گھر پر تھی۔ مگر چوکیدار کے مطابق وہ اس وقت آفس میں تھا۔

دل جلد از جلد زورین کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی۔ اُس کی ہدایت پر ڈرائیور اُسے زورین کے آفس لے گیا تھا۔ شادی کے بعد وہ پہلی بار یہاں آئی تھی۔ خوبصورت سی پارکنگ سے آفس کی جانب والے راستے پر چلتے اُس کے ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکان چھائی ہوئی تھی۔

پہلی بار اسی جگہ پر وہ زورین سے ملی تھی۔ اُس کی زندگی کا سب سے حسین حادثہ تھا وہ۔ زورین نے جیسے پہلی ملاقات میں اُسے پروٹیکٹ کیا تھا۔ آج تک ویسے ہی کرتا آیا تھا۔

دل نے جیسے ہی آفس کے اندر قدم رکھا تھا۔ وہ ریسپشنسٹ جس نے اُس دن اُسے زورین سے ملنے نہیں دیا تھا۔ آج اُسے دیکھ فوراً احتراماً کھڑی ہوئی تھی۔

زورین کے سٹاف کے سبھی لوگوں نے اُس کے نکاح میں شرکت کی تھی۔ اِس لیے وہ سب اُسے پہچانتے تھے اب زورین کی بیوی کی حیثیت سے۔

"میم سر اِس وقت اوپر میٹنگ روم میں موجود ہیں۔ آئیں میں آپ کو اُن کے آفس لے جاتی ہوں۔ وہ جیسے ہی فری ہونگے میں آپ کو انفارم کر دوں گی۔"

زورین کی پی اے نے دل کے قریب آکر کہا تھا۔

"مجھے ابھی ملنا ہے اُن سے۔"

دل نے دو ٹوک بات کی تھی۔ اب تک کتنی مشکل سے اُس نے ضبط کر رکھا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

”میم سر ہمیں ڈانٹے گے۔ میٹنگ کے درمیان اس طرح وہاں جانے کی اجازت کسی کو نہیں۔“

پی اے بیچارگی سے بولی تھی۔

”آپ مجھے بتائیں گی میٹنگ روم کا طرف ہے یا میں خود ڈھونڈ لوں۔“

دل نے بہت مشکل سے اپنا لہجہ نارمل رکھا تھا۔

اُس کی بات پر وہ لڑکی ناچار اُسے ساتھ آنے کا اشارہ کرتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی۔

”میم اگر آپ ایک گھنٹہ ویٹ کر لیں۔ سرفری ہو جائیں گے۔“

پی اے کو اپنی نوکری چلے جانے کی پریشانی شروع ہو چکی تھی۔

”آپ فکر مت کریں۔ آپ کے باس آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔“

دل اُسے تسلی دیتی اندر قدم رکھ چکی تھی۔

پورے روم میں لائٹس آف تھیں۔ پروجیکٹر سے نکلتی نیلی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ دل کی نظر

سامنے سیٹ پر ریلیکس سے بیٹھے زورین پر پڑی تھی۔

اُسے طلاق کا نوٹس بھیجا کر وہ اتنے سکون میں بیٹھا تھا۔ جیسے اُسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا یہ رشتہ رہے نہ

رہے۔

”مجھے بات کرنی ہیں آپ سے۔“

سوچ بورڈ پر ہاتھ مارتے دل نے میٹنگ روم کا نظارہ بدل دیا تھا۔ ہر چیز روشنیوں میں نہا گئی تھی۔ وہاں موجود سب لوگوں نے زورین کی جانب دیکھا تھا۔ وہ اب زورین کے غصے سے دھاڑنے کے منتظر تھے۔ مگر۔۔۔۔۔

”آپ سب جاسکتے ہیں۔ یہ میٹنگ ہم بعد میں کانٹینو کریں گے۔“

زورین کے پرسکون انداز پر وہ سب شدید حیرانگی کے زیرِ اثر وہاں سے نکل گئے تھے۔

زورین نے ایک پل کے لیے بھی نظریں دل کے اوپر سے نہیں ہٹائی تھیں۔

مگر دل اس وقت اُس کی لوحِ دیتی نظروں سے بنا گھبرائے غصے سے اُس کی جانب بڑھی تھی۔

”آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے یہ پیپر بھیجوانے کی۔ مجھے طلاق دے کر نتاشا سے شادی کرنا چاہتے ہیں

آپ۔ یا پھر اُس کے علاوہ کوئی اور گرل فرینڈ ہے آپ کی۔“

دل اُس کے قریب کھڑی بھیگے چہرے کے ساتھ چلائی تھی۔ مگر زورین کے اطمینان میں ابھی بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

اُس کی پرشوق نگاہیں بلو ڈریس میں ملبوس بار بار ڈھلکتے ریشمی دوپٹے کو سنبھالتی دل کے دلکش حلیے پر جمی ہوئی تھیں۔ بالوں کی کٹی لٹیں بار بار اُس کے ہونٹوں سے ٹچ ہوتیں زورین کو جلن میں مبتلا کر رہی تھیں۔

”پہلے زبردستی مجھے اپنی لائف میں شامل کیا۔ اپنی نفرت جتائی اور اب جب محبت ہو چکی ہے تو زبردستی نکالنا چاہتے ہیں۔ آپ کو صرف مجھ سے چھٹکارا چاہیئے تو اُس کے اور بھی بہت سارے طریقے ہیں۔ صرف طلاق ہی کیوں۔۔۔ اب آپ کو کبھی میری شکل نہیں دیکھنی پڑے گی۔ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جائیں گے آپ۔“

دل اُس لفافے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے زورین کی جانب اُچھالتی واپس مڑی تھی۔ اُسے زورین کی خاموشی مزید تکلیف میں مبتلا کر رہی تھی۔

مگر اُس کے دور ہونے سے پہلے ہی زورین نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اپنی جانب کھینچا تھا۔ دل کے منہ سے بے ساختہ چیخ برآمد ہوئی تھی۔

اگلے لمحے وہ زورین کے اوپر آرہی تھی۔

”دور سے مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اب بولو کیا کہہ رہی تھی تم۔“

زورین نے اپنے سینے پر آکر گرتی دل کے گرد اپنا حصار باندھتے اُسے بالکل قید کر لیا تھا۔

”آپ کو یہ سب مذاق لگ رہا ہے۔ چھوڑیں مجھے میری زندگی کو آپ نے مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔“

دل اُس کے چہرے پر ناچتی شوخی پر تپ کر بولی تھی۔

”میں معافی مانگ کب رہا ہوں۔ تم یہی چاہتی تھی نا۔ میں تو صرف تمہاری خواہش پوری کر رہا ہوں۔“

زورین اُس کی شریر لٹوں کو اُنکلی پر لپیٹ کر اُس کے چہرے سے ہٹا گیا تھا۔
”نہیں چاہتی میں ایسا۔“

دل صرف اتنا ہی بول پایا تھا۔ اور اُس کے سینے پر سر رکھتے رو دی تھی۔

زورین جو اُسے ابھی مزید تنگ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اُس کے اِس طرح شدت سے رونے پر ایک دم بوکھلا گیا تھا۔

”دل خاموش ہو جاؤ۔ اور فوراً اپنے آنسوؤں کی اِس فیکٹری کو بند کرو۔ ورنہ میں اپنے طریقے سے خاموش کرواؤں گا۔“

زورین اُس کا چہرا تھام کر اوپر اٹھاتا دھمکی آمیز لہجے میں بولا تھا۔

”نہیں کروں گی رونا بند۔ نہیں ڈرتی میں اب آپ سے۔ آپ۔۔۔۔۔“

زورین نے دل کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اُس کی بولتی بند کر دی تھی۔ دل کو اُس سے اِس جارحانہ عمل کی قطعی توقع نہیں تھی۔ اُسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

دل کی سینے پر کمزور پڑتی گرفت پر زورین ہوش میں آتے اُسے آزادی بخش گیا تھا۔ اِس لڑکی نے اتنے دنوں سے اُسے تڑپا کر رکھا ہوا تھا۔ مگر اُس کی یہ معمولی سی جسارت پر وہ حواس باختہ ہوتی اُس کے سینے پر سر ٹکا گئی تھی۔

”آپ۔۔۔“

اپنی سانسیں نارمل کرتے دل نے دوبارہ کچھ بولنا چاہا تھا۔ مگر زورین کی تپیش زدہ نظروں سے کنفیوز ہوتے وہ اپنی بات بھول گئی تھی۔

”تم سے ملنے سے پہلے میں محبت کے مفہوم سے ناواقف تھا۔ میں تو بس زندگی گزار رہا تھا۔ مجھے جینا تمہارے احساس نے سیکھایا ہے۔“

محبت کے اصل رنگوں سے تم نے روشناس کروایا مجھے۔ ورنہ میرے نزدیک تو یہ دنیا کا سب سے ناپائیدار رشتہ تھا۔

میری لائف میں تم وہ واحد لڑکی ہو جس نے میرے دل تک رسائی حاصل کی ہے۔ نتاشا میری لائف میں کبھی تھی ہی نہیں۔ اُس دن میرے کہنے پر صرف اِس لیے اُس نے تم سے جھوٹ بولا کیونکہ میں تمہارے دل کی بات جاننا چاہتا تھا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ تمہارے اقرار نے مجھے کس قدر خوشی دی۔

میں نے تمہارے ساتھ شروع میں بہت نارواں سلوک کیا۔ جس کے لیے تم جو سزا دینا چاہو مجھے قبول ہے۔ ہر بات میں ہر جگہ میری غلطی تھی۔ جس میں دل سے قبول کرتا ہوں۔ مگر اُس رات تم غلط تھی۔ تمہارے لفظوں نے مجھے بہت ہرٹ کیا۔

میں نے تو خود سے فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ کہ اب جب تک تم خود چل کر میرے پاس نہیں آؤ گی۔ میں تمہاری جانب پیش قدمی نہیں کروں گا۔ مگر اپنی کہی ہر بات پر جی جان سے ڈٹ جانے والا زورین شاہ دل کے معاملے میں ہار گیا۔ یہاں بھی مجھے ہی تمہاری جانب قدم بڑھانا پڑا۔

تم تو مجھ سے بھی زیادہ ضدی نکلی۔“

دل زورین کی باتیں سن کر خود کو ہواؤں میں محسوس کرنے لگی تھی۔ کبھی جس خواب کو ناممکن سمجھتی تھی۔ آج اُس کی حسین تکمیل اُس کے سامنے تھی۔

مگر زورین کی آخری بات پر وہ بالکل بھی متفق نہیں ہوئی تھی۔ اُس کے اتنے بُرے مذاق پر دل کی ناراضگی ابھی جاری تھی۔

”آپ ہارے نہیں ہیں۔ آپ نے اپنی ضد برقرار رکھی ہے۔ میں چل کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ نے میری جانب پیش قدمی نہیں کی۔ میری محبت زیادہ ہے آپ سے۔“

دل اُس کا حصار توڑتی پیچھے ہٹی تھی۔

جبکہ زورین اپنی اتنی لمبی چوڑی بات اور محبت کے اظہار کے جواب میں ایسا ٹھنڈا رسپانس دیکھ اُسے گھورتا اُس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔

”یہ جو پیپر زپھاڑ کر میرے منہ پر مارے ہیں۔ ایک بار کھول کر دیکھنے کی زحمت کی تھی۔“

زورین سینے پر بازو باندھتا اُسے خوشگئیں نگاہوں سے دیکھتے بولا۔

دل نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”ہمارے ہنی مون کے ٹکٹس تھے۔ کل جانا ہے ہمیں اور میری عقلمند بیوی ان کو دیکھے بغیر ان کا یہ حال کر چکی ہے۔ میں نے یہ اسی لیے بھیجوائے تھے۔ کیونکہ مجھے پوری اُمید تھی تم ضرور آؤ گی۔ مجھ سے لڑنے۔ اگر میں یہ نہ کرتا تو تم نے سالوں لگا دینے تھے۔ سوچنے میں اور میرے پاس لوٹ کر آنے میں۔“

زورین نے اب کی بار بات کے دوران اُس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ ہنی مون کے نام پر دل کے چہرے پر سرخی پھیل گئی تھی۔

”بہت اچھے ہو گئے یہ پھٹ گئے۔“

جس شخص کی لمحہ بھر کے لیے شوخ نظریں برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔ اُس کے ساتھ ہنی مون پر جانے کے تصور نے ہی اُسے لرزا کر رکھ دیا تھا۔

قریب کھڑے ہونے کی وجہ سے زورین اُس کی بڑبڑاہٹ با آسانی سن چکا تھا۔

”نئے ٹکٹس کا آرڈر دے دیا ہے میں نے اپنے پی اے کو۔ زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

زورین اُلٹے قدموں پیچھے کی جانب جاتی سُلین کی کلائی دبوچ کر اُسے دیوار کے ساتھ لگا چکا تھا۔

”ناراض میں ہوں تم سے۔ نخرے تمہارے ختم نہیں ہو رہے۔ اب جلدی سے مناؤ مجھے۔“

زورین اُس کے مسکرانے کی وجہ سے پھولی گالوں کو چھوتے چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے بولا تھا۔

جس پر دل نے نظریں اٹھا کر اُس کی جانب بغور دیکھا تھا۔

”پہلے آپ آنکھیں بند کریں۔“

اُس کے گلے میں بانہیں ڈالتے دل اک ادا سے بولی تھی۔

زورین اُس کے اچانک بدلتے انداز پر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتا آنکھیں موند گیا تھا۔

دل کچھ سیکنڈز اُس کے قریب کھڑے رہنے کے بعد چہرے پر شرارتی مسکراہٹ سجائے جھک کر اُس کے حصار سے نکل آئی تھی۔

”دل واپس آؤ۔“

زورین نے آنکھیں کھول کر اُسے گھورا تھا۔

”نہیں۔۔۔ آپ مجھ سے اپنی سزا کے بارے میں پوچھ رہے تھے نا۔ تو آپکی سزا یہی ہے۔ اب ایک مہینے

تک میں ماما پاپا کے ساتھ رہوں گی۔ اور آپ کو یہ قبول کرنی ہوگی۔“

دل دروازہ کھول کر اُسے شوخی سے دیکھتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

زورین اُسے واپس پہلے جیسی چہکتی مسکراتی دل میں بدلتا دیکھ مسکرا دیا تھا۔ مگر ابھی اُس سے اُس کے اس

گستاخی کا بدلہ لینا تھا۔

زورین مسکراتا دل کی جانب بڑھا تھا۔

دل کو یہی لگا تھا۔ وہ اُس کے پیچھے نہیں آئے گا۔ مگر اُس کے پارکنگ کی سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے ہی زورین اُسے کچھ سمجھنے کا موقع دیئے بغیر بانہوں میں بھرتا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔

”آپ۔۔۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں۔“

دل کو زورین کی اس بے باکی کی اُمید بالکل بھی نہیں تھی۔

”ابھی اپنی بہت ساری بے قرار یوں کی داستاں تو سنائی رہتی ہے تمہیں۔ میری جان ابھی جو تم نے کیا ہے۔ ویسے کئی حساب رہتے ہیں میرے۔ جو اب گھر جا کر ہی بے باک کر سکتا ہوں۔ اس لیے ہم وہی جارہے ہیں۔“

زورین دل کی پیشانی پر بوسہ دیتا شوخی بھری سرگوشی کرتا اُس کی سانسیں منتشر کر گیا تھا۔

”آپ بہت بے شرم ہیں۔“

دل اُس کے سینے میں لال پڑتا چہرا چھپاتی خفت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

”وہ تو بعد میں پوچھوں گا تم سے۔ ابھی تو تم سے محبت کا اظہار بھی کروانا ہے مجھے۔ مجھ سے کئی بار سن چکی ہو۔ مگر خود ایک بار بھی نہیں بولی۔“

زورین اُسے گاڑی میں بیٹھا کر اُس کے برابر فرنٹ سیٹ پر آن بیٹھا تھا۔ اُس نے دل کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔

دل نے ایک محبت پاش نظر اُس کے چہرے پر ڈالتے اُس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ بھی رکھ دیا تھا۔ جسے ہونٹوں سے لگاتے زورین نے عقیدت سے چوم لیا تھا۔

اُن دونوں نے ہی اب تک کی اپنی زندگی محرومیوں میں گزاری تھی۔ مگر اب وہ دونوں تمام غلط فہمیوں کو مٹا کر اپنی محبت کی جنگ جیت چکے تھے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ آگے آنے والی ہر مشکل کا سامنے کرنے کو تیار تھے۔

دل زندگی میں اتنی سختیاں اور نفرت سہنے کے باوجود کبھی بھی اپنے رب سے نا اُمید نہیں ہوئی تھی۔ اُس کے اسی یقین کے چلتے پروردگار نے اُس کی قسمت میں ایسا شخص لکھ دیا تھا۔ جس کی محبت کا دل کے نزدیک اب کوئی نعم البدل نہیں تھا۔

★★★★★★★★

”ابہتاج کو اگر گولی لگی ہے تو اُنہیں ہاسپٹل ہونا چاہیے نا۔ یہ آپ لوگ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں۔“

سُلین کو اُن سب کے چہروں پر کسی قسم کی کوئی پریشانی ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہی تھی۔ اُوپر سے اب وہ گاڑی بھی ہاسپٹل والے راستے سے دوسری جانب موڑ چکے تھے۔

"بھابھی وہ آپ جانتی تو ہیں ابہتاج کو۔ وہ کتنا ضدی ہے۔ اُس نے ہاسپٹل جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اِس لیے اُسے گھر ہی رکھا گیا ہے۔"

شایان نے بہت مشکل سے بہانہ گھڑا تھا۔ جس پر باقی سب کی جان میں بھی جان آئی تھی۔ آصف اُنہیں سُلین کے قاسم کو مارے گئے تھپڑوں سے آگاہ کر چکا تھا۔

اِس لیے سب ہی ابہتاج کے مزاج جیسی اُس کی بیوی سے خوفزدہ تھے۔ اگر پکڑے جاتے تو اُس نے اُن کا بھی قاسم جیسا حال کرنا تھا۔

”اگر آپ لوگوں کی بات جھوٹ نکلی تو چھوڑوں گی نہیں میں آپ کو۔ اور آصف صاحب آپ نے جو مجھے اتنے دن بھابھی اور میم بول بول کر بے وقوف بنائی رکھا ہے۔ اُس کا بدلہ تو بہت اچھے سے لے چکی ہوں میں۔ سویرا کو آپ کی اور نینا کی ساری پکس سینڈ کر دی ہیں۔ اب دیتے رہیے گا جواب اُسے۔“

نینا ابہتاج کی اسسٹنٹ تھی جو آصف پر بہت لائیں مارتی تھی۔ آصف اُس کی بات سن کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ جبکہ شایان اور فرحان اُس کی شکل دیکھ اپنا قہقہہ نہیں روک پائے تھے۔

”بھابھی آپ دونوں میاں بیوی بہت ظالم ہیں۔ مجھے لگتا میں غریب پوری زندگی آپ دونوں کے درمیان ایسے ہی پست رہوں گا۔“

سُلمین نے لا پرواہی سے کندھے اُچکائے تھے۔ اور پلٹ کر اُن تینوں کو گھورا تھا۔

”میرے خیال میں تم لوگ پریشان تھے ابھی کچھ دیر پہلے۔ تم لوگوں کے دوست کو گولی لگی ہے۔“

سُلین کے طنز پر وہ تینوں فوراً سنبھل کر سیدھے ہوئے تھے۔

گاڑی پورچ میں رکتے فرحان نے آگے آکر احتراماً سُلین کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

سُلین تیز قدموں سے اندر داخل ہوتی سیدھا ابہتاج کے روم کی جانب بڑھی تھی۔ مگر سامنے کا منظر دیکھ اُس نے اپنے پیچھے کھڑے اُن تینوں کو گھورا تھا۔

ابہتاج آرام سکون سے صوفے پر بیٹھا اپنا پسندیدہ شغل فرما رہا تھا۔ پہلے تو حیرت بھری نظروں سے اُس نت سُلین کی جانب دیکھا تھا۔ مگر پھر اُس کے پیچھے کھڑے اپنے تینوں شیطانوں کو دیکھ وہ سارا معاملہ سمجھ گیا تھا۔

”کیا ہے یہ سب۔۔۔۔“

ابہتاج سیگریٹ سلگھاتا اُن کے قریب آیا تھا۔ سُلین شعلے برساتی نظروں سے اُسے دیکھتی واپس پلٹی تھی۔

”سُلین ایک منٹ رکو تو۔“

سُلین کو غصے سے واپس پلٹتا دیکھ آصف کے اشارے پر سویرا جلدی سے آگے آئی تھی۔

”میں یہاں ایک سیکنڈ نہیں رُک سکتی۔ دھوکے باز لوگوں نے دھوکے سے بلایا ہے مجھے یہاں۔“

سُلین کو شدید غصہ آرہا تھا۔ ایک ہفتے سے وہ ابہتاج سے ناراض تھی۔ اُسے منانا بات کرنا تو دور کی بات۔ اتنی الزام تراشی کے بعد واپس پلٹ کر اُسے پوچھا تک نہیں تھا۔

جبکہ ابہتاج نے اُس کی بات کے جواب میں خاموشی اختیار کرتے سیگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔ سُلین اس وقت شیفون کے بلیک کلیوں والے فراک میں ملبوس۔ بالوں کو جوڑے میں قید کیے اُسے کافی ڈسٹرب کر گئی تھی۔

”سُلین پلیز ایک منٹ یہاں آؤ۔ پلیز بات تو سنو۔“

سویرا اُسے بازو سے پکڑ کر زبردستی اندر کی جانب لے جاتے بولی تھی۔

سُلین نے اُس سے بازو چھڑوانے کی کوشش کی تھی۔ مگر تب تک سویرا اُسے صوفے پر بیٹھا کر آصف کی جلدی سے پکڑائی رسی سے باندھ گئی تھی۔

ابہتاج اُن سب کو گھورتا یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔ مگر شاید اُس کا دل بھی کچھ ایسا ہی چاہتا تھا۔ اِس لیے اُس نے کسی کو روکا نہیں تھا۔

”سویرا پاگل ہو گئی ہو تم۔ کھولو مجھے۔“

سُلین اپنے ہاتھ رسیوں سے نکالنے کی کوشش کرتی زور سے چلائی تھی۔

”آتم سوری سویٹ ہارٹ۔ یہ کام اب ابہتاج بھائی ہی کریں گے۔“

سویرا اُس کے کان میں سرگوشی کرتی باقی سے کے ساتھ باہر کی جانب بڑھی تھی۔

”بیسٹ آف لک بوتھ آف یو۔ اب پلیز ایک دوسرے کا سر مت پھاڑ دینا۔“

وہ سب شرارتی مسکراہٹ سے دونوں کی جانب دیکھتے باہر نکل گئے تھے۔

ابتہاج ہونٹوں پر بے ساختہ اُمد آتی مسکراہٹ کو چھپاتا سُلین کی جانب بڑھا تھا۔

عین اُس کے سامنے والے صوفے بیٹھتے اُس نے سُلین پر نظریں گاڑی تھیں۔ جو اُسے صاف اگنور کرتی سر جھکائے رسیوں سے اُلجھنے میں مصروف تھی۔

”اگر تم چاہو تو میں مدد کر سکتا ہوں تمہاری۔“

سیگریٹ کا دھواں باہر چھوڑتے ابہتاج اُس سے مخاطب ہوا تھا۔

مگر سلین اُس سے شدید خفگی کا اظہار کرتی دیکھنے سے بھی گریزاں تھیں۔

”کیوں میں تو دھوکے باز ہوں۔ آپ تو نفرت کرتے ہیں مجھ سے، پھر آپ میری مدد کیوں کریں گے۔“

سلین نے تڑخ کر جواب دیا تھا۔

ابہتاج کو اُس کے اِس رُوپ پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

”تم جانتی ہو۔ اِس وقت بلیک سوٹ میں تم کس قدر حسین لگ رہی ہو۔ میرا دل چاہ رہا ہے۔۔۔۔۔“

ابہتاج کی بے باک نظریں خود پر مرکوز دیکھ سُلین کو خطرہ محسوس ہوا تھا۔

”میرے ہاتھ کھولیں۔ مجھے جانا ہے یہاں سے۔“

سُلین اُس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی پیچ میں کاٹ گئی تھی۔

”مگر تم تو ابھی مجھ سے مدد لینے سے انکار کر چکی ہو۔“

ابہتاج نے اُس کا خوف سے لال پڑتا چہرہ دیکھ بہت مشکل سے اپنا قہقہہ روکا تھا۔

وہ اُٹھ کر اب سُلین کے سامنے پڑے ٹیبل پر آن بیٹھا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ سُلین کے بے حد قریب آگیا تھا۔

سُلین نے اپنا چہرا پیچھے کرتے درمیان میں فاصلہ برقرار رکھنا چاہا تھا۔

”اوکے کھولتا ہوں۔ مگر پہلے تمہیں میرے ایک سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہوگا۔“

ابہتاج کے سنجیدہ ہونے پر سُلین نے نظریں اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا تھا۔

”اُس دن جب تم مجھے نشہ آور دوا کے زیر اثر بے ہوش سمجھ رہی تھی۔ اُس دن بہت پیار آ رہا تھا نا تمہیں مجھ پر۔ اور تم نے میرے کان میں کچھ محبت بھری سرگوشی بھی کی تھی۔ میرے ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ تم نے کیا کہا تھا۔ زرا ایک بار پھر ریپیٹ کر دو۔“

ابہتاج نے جس سنجیدگی سے بات شروع کی تھی۔ اختتام پر اُس کے چہرے پر چھلکتی شوخی نے سُلین کو خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُس کا چہرا شرم کے مارے اس قدر سُرخ ہو چکا تھا۔ کہ دیکھ کر ایسے لگتا تھا ابھی خون چھلک پڑے گا۔

ابہتاج اُس کی کیفیت دیکھ اپنا قبہ نہیں روک پایا تھا۔

سُلین نے بے اختیار اُس کی جانب دیکھا تھا۔ آج پہلی بار وہ اُسے اِس طرح کھل کر ہنستا دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنے پل اُس کے سحر میں جکڑی اُسے یوں ہی بے خودی کے عالم میں تکے گئی تھی۔

”اُس دن نہیں بول پایا۔ مگر آج کہنا چاہتا ہوں۔ لو یو ٹو مائی لو۔“

ابہتاج کو اُس کی یہ بے خودی بے خود سا کر گئی تھی۔

اُس نے ہلکا سا جھکتے سُلین کا گلابی گال چوم لیا تھا۔

سُلین فوراً سنبھلتی پیچھے ہٹی تھی۔

”آپ نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔“

سُلین آنکھوں میں نمی بھرے اُس سے شکوہ کیا تھا۔

ابہتاج نے محبت سے اپنی لاڈلی بیوی کی جانب دیکھا تھا۔ جس کے مطابق روٹھنے اور ہرٹ کرنے کا حق صرف اُسی کے پاس تھا۔

اگلے لمحے سُلین نے اپنے لفظوں سے اِس بات کی تصدیق بھی کر دی تھی۔

”اگر آپ یہ کہنے والے ہیں۔ کہ میں نے آپ کو زیادہ ہرٹ کیا ہے۔ آپ کے بہت بار سچائی بتانے کی کوشش کرنے کے باوجود ایک نہیں سنی آپ کی۔ اور آپ پر نجانے کتنے الزام لگائے تو میں مانتی ہوں میں غلط ہوں۔ مگر آپ مجھ سے اِن سب باتوں پر نہ ہی ناراض ہو سکتے ہیں۔ نہ ہی میں آپ سے معافی مانگوں گی۔“

کیونکہ آپ کے کہے الفاظ میرے الزاموں کے آگے کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ نے مجھے طلاق دینے کی بات کی تھی۔ جو میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔“

سُلیں آنسوؤں کے درمیان بولتی ابہتاج کو اُس کی غلطی سے آگاہ کرنے لگی تھی۔

جس بات پر ابہتاج پہلے ہی بہت شرمندہ تھا۔

”میں نے اُس وقت واقعی بہت غلط کیا۔ مجھے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں بھلا یہ سوچ بھی کیسے سکتا ہوں کہ تم مجھے دھوکا دو گی۔ اُس وقت نجانے میرا دماغ کیوں اتنا خراب ہو گیا تھا کہ میں تمہیں اتنا کچھ غلط بول گیا۔“

مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جس کے لیے میں صبح شام تم سے معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ ایک اور بات کلیئر کر دوں۔ اُس وقت غصے میں میں نے جو بولا تھا۔ وہ میں کبھی مر کر بھی نہیں کر سکتا۔ تم سے محبت میری چند دنوں کی نہیں ہے۔ بہت پہلے سے تم اس دل میں بستی ہو۔ میں نے اپنی زندگی کے کھٹن

ترین سات سال صرف تمہاری یاد کے سہارے گزاریں ہیں۔ اگر تم میرے تصور میں میرے ساتھ نہ ہوتی۔
تو نجانے کب کا خود کو ختم کر چکا ہوتا۔“

ابہتاج کے ایک ایک لفظ میں سچائی بول رہی تھی۔ سُلین کیسے اُس پر ایمان نہ لاتی۔

اُس نے جھک کر ابہتاج کے بندھے ہاتھوں پر ہونٹ رکھ دیئے تھے۔

ابہتاج اُس کی اس خوبصورت ادا پر کھل کر مسکرا دیا تھا۔ اُس کے دل نے واقعی اُس کے لیے دنیا کی سب
سے پیاری لڑکی چنی تھی۔

”اب تو میرے ہاتھ کھول دیں۔ تاکہ میں آپ کے اُن چیلوں کی درگت بناؤں۔ کتنی چلاکی سے لائیں ہیں وہ
مجھے یہاں۔“

سُلین اُس کی گہری نگاہوں سے گھبراتی فوراً بات بدل گئی تھی۔ جسے اچھے سے سمجھتے ابہتاج کی شوخی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

”جانتے تھے مجھ معصوم سے میری یہ ظالم بیوی قابو نہیں آئے گی۔ اسی لیے سارا بندوبست کر کے گئے ہیں۔“

ابہتاج اُسے مزید چڑھاتے بولا تھا۔ ساتھ ہی اُسے رسیوں سے آزاد بھی کر دیا تھا۔

”خود کو معصوم بول کر معصوم لوگوں کی انسلٹ تو مت کریں۔“

سُلین اُسے آنکھیں دیکھاتی اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔

”کدھر۔۔۔“

ابہتاج نے اُس کے راستے میں آتے آبرو اُچکا کر پوچھا تھا۔ سلین اُس کے تیور دیکھ کر سمجھ گئی تھی۔ اتنی آسانی سے فرار ممکن نہیں ہے۔

”اپنے گھر۔۔۔ اگر آپ اپنی وائف کو واپس لانا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو خود اُسے وہاں سے لینے آنا ہوگا۔ ویسے بھی ابھی آپ کے دوست مجھے دھوکے سے لے کر آئیں ہیں۔ آپ نے جیسے ایک ہفتے میری خیر خبر نہیں لی اُس کا یہی مطلب ہے۔ کہ آپ مزید ایک ہفتہ میرے بغیر گزار سکتے ہیں۔“

سلین شکوہ کرتی اُس کے سینے پر دونوں ہاتھ جماتی اُسے پیچھے دھکیل گئی تھی۔

مگر اب کی بار ابہتاج نے اُسے دور نہیں جانے دیا تھا۔ اُس کی کمر میں بازو جمائل کرتے وہ اُسے اپنے بے حد قریب کھینچ گیا تھا۔

”ایک ہفتے تک لینے اس لیے نہیں آیا۔ میں چاہتا تھا۔ تم کچھ وقت اپنی فیملی کے ساتھ گزرا لو۔ کیونکہ اُس کے بعد کم از کم ایک سال تک تو تم نے کسی کو دکھنا ہی نہیں ہے۔“

ابہتاج کی بات پر سلین نے نا سبھی سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔

”اپنی محبت میں تمہیں ایسا گم کروں گا۔ کہ تم کسی کو ملو گی ہی نہیں۔“

ابہتاج نے محبت بھری سرگوشی کرتے سلین کو اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔ جبکہ اُس کے خمار آلود لہجے اور لفظوں کی بے باکی پر سلین شرنگی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے سینے میں چھپ گئی تھی۔

”آئم سوری۔۔۔۔۔ جب آپ کو ایموشنلی میری سپورٹ کی ضرورت تھی۔ میں آپ ہی کے دشمنوں کی بات پر یقین کر کے۔ آپ کو مزید ہرٹ کرتی رہی۔ آئم ریڈی سوری۔۔۔۔۔“

سلین ابہتاج کی اس قدر محبت کے والہانہ اظہار پر اپنی ندامت کا اظہار کیے بنا نہیں رہ پائی تھی۔

مگر ابہتاج اُس کی ہر خطا معاف کرتا اُسے اپنی محبت کی چھاؤں میں لے چکا تھا۔

سُلیں نے آسودگی سے سر اُس کے سینے پر ٹکاتے آنکھیں موند لی تھیں۔

ابہتاج نے بھی کسی قیمتی متاع کی طرح اُسے خود میں سمو لیا تھا۔

اُن کی زندگی سے بُرائی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

انسان بُرے کاموں کی دلدل میں پھنستے یہ بھول جاتا ہے کہ وہ چاہے جتنا بھی چھپ لے اُوپر بیٹھے رب کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ گلشن آرا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اُس نے اپنی طاقت کے زعم میں آکر باقی انسانوں کیڑے مکوڑے سمجھتے مسلنا چاہا تھا۔ اُس نے ابہتاج گگ ساتھ ہر بار بُرا کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اللہ سب سے بڑا کار ساز ہے۔ اُس نے گلشن آرا کی ہر سازش اُسی پر اُلٹ دی تھی۔

جیت ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے۔ اسی لیے اتنی تکلیفیں اور تنہائی برداشت کرنے کے بعد آخر جیت ابہتاج لغاری کی ہوئی تھی۔

اللہ نے اُسے سُلین کی جیسی بیوی عطا کر کے اُس کی ہر اذیت کا ازالہ کر دیا تھا۔

شہلا بیگم اور ہمایوں شاہ اپنی بیٹیوں کو پا کر بہت خوش تھے۔ اُن کے داماد اُنہیں بیٹوں سے بڑھ کر عزت دیتے تھے۔

دل کے کہنے پر زورین نے ذکر یا منزل والوں کو بے گھر نہیں کیا تھا۔ رقیہ بیگم اور تنویر صاحب کے کیے کی سزا وہ باقی گھر والوں کو دینا ٹھیک نہیں تھا۔ شہلا بیگم نے بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے سب کو معاف کر دیا تھا۔

اُن سب کی زندگیوں سے دکھوں اور غموں کے بادل چھٹ گئے تھے۔ اور آگے آنے والی کسی بھی تکلیف کا وہ سب مل کر ایک ساتھ مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔

ختم شد